افادات

حضرت مولانا اظہار اللہ شاہ صاحب

استاد جامعۃ تحفیظ القرآن گول مارکیٹ کراچی

حضرت مولانا رفیق شاہ صاحب

سابق استاد جامعۃ تحفیظ القرآن گول مارکیٹ کراچی

مرتب

مولانا باز محمد حنفی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی

رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا علم وللجہال مال

تحقیق التّرکانی

لحلّ

مختصر المعانی

افادات

حضرت مولانا رفیق شاہ صاحب (مدظلہ العالی)

سابق استاد جامعہ تحفیظ القرآن گول مارکیٹ ناظم آباد ۳ کراچی

حصہ اول

جامع

مولانا حسین عالم صاحب

باز محمّد حنفی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ

ٹاؤن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب مختصر المعانی دراصل دو کتابوں پر مشتمل ہے ایک [تلخیص المفتاح] اور دوسری شرح [مختصر المعانی] اس لئے ابتدائی طور پر دونوں کتابوں کے مصنفوں کا کچھ تعارف ہو جائے

ماتن

کا نام اور نسب اور پیدائش = نام = محمد = کنیت = ابو عبداللہ، ابو المعالی، = لقب = جلال الدین = والد کا نام = عبدالرحمان = سن پیدائش = ۶۶۶ھ یا ۶۶۰ھ = سن وفات = ۷۳۹ھ

شارح کا نام پیدائش = نام = مسعود = لقب = سعد الدین = والد کا نام = عمر = سن پیدائش = ۷۲۲ھ = سن وفات = ۷۹۲ھ میں ہوئی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

یہ کتاب تین فنون پر مشتمل ہے(۱)علم المعانی (۲)علم بیان (۳)علم بدیع

معانی کی لغوی تعریف: معانی یہ معنی کی جمع ہے بمعنی مقصود،ومراد

اصطلاحی تعریف :هوَعلمٌ يُعْرَفُ بِهِ اَحْوَالُ اللَّفْظِ الْعَرَبِيِّ الَّتِى بهايُطابق اللفظ مقتضى الحال: یعنی علم معانی وہ ہے کہ جسکے ذریعے سے اس لفظ عربی کے ان احوال کو پہچانا جائے جس سے لفظ مقتضی حال کے مطابق ہو۔

علم المعانی کاموضوع : بلغاء کی تراکیب اس حیثیت سے کہ وہ مقتضی حال کے مطابق ہو۔

غرض وغایت : بلغاء کی تراکیب کو مقتضی حال کے مطابق مرکب کرنے میں غلطی سے بچنا۔

علم معانی کی تدوین : سب سے پہلے اس علم کے متعلق جعفرابن یحیی نے چند اصول لکھے لیکن وہ اصول کسی کتاب میں مذکورنہیں تھے پھر اسکے بعد عمروابن محبوب اصفھانی نے اس علم کو باقاعدہ مرتب اور مدون کیا چنانچہ بعض لوگوں نے انھی کو اس علم کا مدون قرار دیا اس فن میں ان کی کتاب البیان والتبیین مشہور کتاب ہے ۔پھر شیخ ابوبکر عبدالقاھر ابن عبدالرحمان الجرجانی کا دور آتا ہے اس فن میں انکی تصنیف کردہ کتاب ''دلائل الاعجاز'' مایہ ناز کتاب ہے پھر ابویعقوب یوسف السکاکیؒ کا نمبر آتا ہے انہوں نے بھی اس فن میں مفتاح العلوم کے نام سے بہترین کتاب لکھی ہے جسکا فن ثالث اس علم پر مشتمل ہے۔

قوله : مقدمة الخ.

ای ھذہ مقدمہ یہ خبر ہے مبتداء محذوف کا اور وہ ھذہ ہے۔علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہے کہ صاحب تلخیص المفتاح نے تلخیص المفتاح کو ایک مقدمہ اور تین فنون پر مرتب کیا ہے۔

مقدمہ اور فنون ثلاثہ کے درمیان وجہ حصر یہ ہے کہ وہ چیزیں جو مذکور ہے اس مختصر رسالے

میں یاتو وہ مقاصد کے قبیل سے ہوگی یا نہیں ہوگی اس فن میں اور اگر نہیں تو (مقدمہ) ہے اور اگر مقاصد کے قبیل سے ہے تو تین حال سے خالی نہیں یا تو غرض اور مقصد اس سے معنی مراد کے ادا کرنے میں غلطی سے بچنا ہوگا تو علم المعانی ہے۔

یا غرض اور مقصد اس سے تعقید معنوی سے بچنا ہوگا تو علم بیان ہوگا۔ یا ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا بلکہ غرض اس سے تزیین اور تحسین ہوگا تو یہ علم البدیع ہے۔

قوله : وجعل الخاتمة الخ..

یہ ایک **اعتراض** کا جواب ہے اعتراض یہ ہیکہ تلخیص المفتاح میں تو خاتمہ بھی شامل ہے اسکو وجہ حصر میں ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب خاتمہ فن ثالث یعنی علم بدیع کا جزء ہے تو جب فن ثالث وجہ حصر میں آ گیا تو خاتمہ بھی آ گیا جن لوگوں نے فن ثالث سے خاتمہ کو خارج قرار دیا ہے تو یہ ان لوگوں کا وھم ہے۔

اعتـــراض: یہ ہیکہ مصنفؒ نے مقدمہ کو نکرہ ذکر کیا اور الفن الاول الفن الثانی الفن الثالث کو اپنے اپنے مقام پر معرفہ ذکر کیا الف لام عھد خارجی کیساتھ حالانکہ جسطرح مقدمہ کا ذکر پہلے نہیں ہوا ہے اسی طرح فنون ثلثہ کا ذکر بھی پہلے نہیں ہوا ہے تو فنون ثلثہ کو مقدمہ کی طرح نکرہ ذکر کرنا چاہیئے تھا؟

مصنفؒ نے مقدمہ کو نکرہ اسلیئے ذکر کیا ہے کہ اسکا ذکر پہلے نہ صراحتاً نہ ضمناً ہوا ہے جبکہ فنون ثلثہ کا ذکر پہلے صراحتاً نہیں ہوا ہے لیکن ضمناً ہو چکا ہے ذرا پہلے مصنفؒ نے عبارت ذکر کی ہے الفن الاول ،الفن الثانی ،الفن الثالث ضمناً اسمیں ذکر ہو گیا ہے۔

قوله : والخلاف الخ..

مقدمہ پر جو تنوین آیا ہے یہ کس کیلیئے ہے تو بعض لوگوں نے اس کتاب کے عظیم المنفعت ہونے کو دیکھا تو انھوں نے کہا کہ یہ تعظیم کیلیئے ہے اور بعض لوگوں نے کتاب کے حجم کے چھوٹے ہونے کو دیکھا تو انھوں نے کہا کہ یہ تقلیل کیلیئے ہے۔

قوله : مقدمه الخ...

یہ ماخوذ ہے مقدمۃ الجیش سے مقدمۃ الجیش فوج کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جسکو فوج سے پہلے

میدان میں بھیجا ئے تا کہ وہ میدان جنگ میں ایسی جگہ تلاش کرے جہاں گھاس پانی وغیرہ کی کمی بھی نہ ہواور دشمن سامنے کے علاوہ کہیں اور سے حملہ نہ کر سکے، مقدمہ کی دو قسمیں (۱) مقدمۃ العلم (۲) مقدمۃ الکتاب۔

[۱] مقدمۃ العلم وہ ہے جس پر شروع فی العلم موقوف ہو جیسے تعریف موضوع وغیرہ۔

[۲] کلام کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جسکو مقصود سے پہلے لایا جائے مقدمۃ کا اس میں نافع ہونے کیوجہ سے اور اس مقدمہ کیساتھ مقصود کا ربط ہونے کی وجہ سے۔

یہاں مقدمہ سے مراد مقدمۃ الکتاب ہے نہ کہ مقدمۃ العلم، اسلئے کہ یہاں موضوع وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔

مقدمۃ الکتاب اور مقدمۃ العلم میں فرق یہ ہیکہ مقدمۃ العلم نام ہے معانی کا اور مقدمۃ الکتاب نام ہے الفاظ کا۔

قوله : الفصاحة الخ..

فصاحت اصل میں یعنی لغت میں ابانت اور ظہور کے معنی میں آتا ہے

اصطلاحی تعریف: یہ ہیکہ علم یوصف بها المفرد والکلام والمتکلم فصاحت وہ علم ہے جو صفت بنتا ہے مفرد کا کلام کا اور متکلم کا جیسے کلمة فصیحة کلام فصیح:

قوله : قيل الخ..

اعتراض وارد ہوتا ہیکہ جسطرح مفرد، کلام اور متکلم فصاحت کیساتھ متصف ہوتے ہیں اسی طرح مرکب غیر مفید مرکب غیر ناقص مرکب اسنادی بھی کلام کے ساتھ متصف ہوتا ہے حالانکہ مصنف نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

جواب: مصنف کی طرف سے علامہ خلخالی جواب دیتے ہوئے فرماتے ھیکہ کلام سے مراد ما لیس بکلمة ہے یہ تاویل اسلئے کی کہ یہ تمام کو شامل ہو جائے مرکب مفید، غیر مفید، وغیرہ سب کو۔

قوله : وفيه نظر الخ...

شارحؒ فرماتے ھیکہ اس میں نظر ہے اسلئے کہ یہ تاویل اس وقت درست ہوتی کہ اہل عرب سے اس جیسے مرکب کے بارے میں یہ منقول ہوتا کہ یہ کلام ہے حالانکہ اہل عرب سے یہ منقول نہیں ھیکہ اس جیسا جملہ فصیح ہے۔

قوله : واتصافه بالفصاحة الخ...

باقی رہی یہ بات کہ مرکب غیر مفید بھی فصاحت کیساتھ متصف ہوتا ہے ممکن ھیکہ یہ مفرادت کی فصاحت کی وجہ سے ہو۔

قوله : على انّ الحق الخ...

علامہ تفتازانی اپنی طرف سے تحقیقی جواب دیتے ہوئے فرماتے ھیکہ مفرد سے مراد ما لیس بکلام ہے مفرد عام ہے مفرد کو بھی شامل ہے اور مرکب غیر مفید وغیرہ سب کو شامل ہے اور مفرد کو کلام کے مقابلے میں لیکر آنا یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ مفرد سے مراد ما لیس بکلام ہے۔

قوله : والبلاغة الخ...

لغت میں اصول اور انتہاء کی خبر دیتا ہے۔؟؟؟؟

اصطلاحی تعریف :اصطلاح میں یوصف بها الاخیران فقط یہ صرف کلام اور متکلم کے لئے صفت بنتی ہے نہ کہ مفرد کی اسلئے کہ عربوں سے یہ نہیں سنا گیا ہے کہ یہ کلمہ بلیغ ہے۔

قوله : والتعليل الخ...

بعض لوگوں نے اس کی وجہ یہ بتائی ھیکہ یہ مفرد کے لئے صفت اس لئے نہیں بن سکتی کہ بلاغت میں مقتضی حال کی مطابقت کی رعایۃ کا اعتبار ہوتا ہے اور مفرد میں مقتضی حال کی مطابقت کی رعایت کا اعتبار نہیں ہوتا یہ وھم ہے ان لوگوں کا اسلئے کہ مقتضی حال کی مطابقت کی رعایت کا اعتبار متکلم اور کلام میں ہوتا ہے۔

"اعتراض جب کسی چیز کی تقسیم ہوتی ہے تو اس سے پہلے اسکی تعریف ذکر کی جاتی ہے جبکہ مصنف" نے فصاحت

وبلاغت کی تعریف کیے بغیر اسکی تقسیم کردی؟

جواب: فصاحت وبلاغت میں ایسے معانی پائے جاتے ہیں جو مختلف اور غیر مشترک ہیں جس کی وجہ سے مصنفؒ کیلئے ان کا احاطہ کرنا مشکل اور متعذر تھا اسلئے انکی تعریف کئے بغیر اسکی تقسیم کردی۔

قوله : فالفصاحة فی المفرد الخ..

یہاں سے مصنف فصاحت کی اقسام بیان فرمارہے ہیں پہلی قسم فصاحت فی المفرد ہے۔

اعتراض مصنفؒ نے فصاحت کو بلاغت پر کیوں مقدم کیا؟

جواب: اسلئے کہ بلاغت کی معرفت موقوف ہے فصاحت کی معرفت پر کیونکہ فصاحت بلاغت کی تعریف میں موجود ہے پھر فصاحت فی المفرد کو فصاحت فی الکلام اور فصاحت فی المتکلم پر اسلئے مقدم کیا کہ یہ دونوں موقوف ہے فصاحت فی المفرد پر۔

فصاحت فی المفرد کی تعریف: مفرد کا خالی ہونا تنافر حروف غرابت اور قیاس لغوی یعنی صرفی قانون کی مخالفت سے۔ خلوصه من تنافر الحروف والغرابة ومخالفة القياس اللغوی۔

شارحؒ فرماتے ہے کہ فصاحت کی تفسیر کرنا خلوص کیساتھ یہ تسامح سے خالی نہیں کیونکہ خلوص کا معنی ہے خالی ہونا اور یہ عدمی چیز ہے اور فصاحت فی المفرد وجودی چیز ہے اور وجودی چیز کی تعریف عدمی سے کرنا تسامح ہے۔

تنافر کی تعریف : تنافر حروف کلمے کے اندر ایسے وصف کو کہتے ہیں جسکی وجہ کلمے کا تلفظ زبان پر ثقیل ہو اور اسکی ادائیگی دشوار ہو جیسے کہ امرأالقیس کے شعر میں مستشزرات کا لفظ ہے:

شعر:

غدائره مستشزراتٌ الی العلی تضلّ العقاص فی مثنیً ومرسل

یہاں محبوبہ کے بالوں کی کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

قوله : والضّابطة فی التنافر الخ..

علامہ ابن الاثیر نے اپنی کتاب میں تنافر کیلئے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ کلمہ جسکو ذوق سلیم زبان پر ثقیل پائے اور اسکی ادائیگی کو دشوار سمجھے یہی تنافر ہے چاہے قرب مخارج کی وجہ سے

ہو یا بعد مخارج کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو۔
بعض لوگوں (علامہ خلخالی) نے کہا کہ (شین)(تا) اور (زاء) کے درمیان آیا ہے
تو شین، کا تاء، اور زاء، کے درمیان آنا یہی ثقل کی وجہ ہے اور یہی تنافر ہے۔ اسلئے کہ شین حروف
مھموسہ میں سے ہے اور تاء بھی حروف مھموسہ میں سے ہے اور زاء حروف مجھورہ میں سے ہے
تو شین کا حروف مہموسہ اور حروف مجھورہ کے درمیان آنا یہی ثقل کی وجہ ہے۔

قوله : ولوقال مستشرف الخ...

علامہ خلخالی فرماتے ہیں ہیکہ اگر مصنف مستشرف کہتے تو یہ ثقل ختم ہو جاتا تو معلوم ہوا کہ یہ ثقل زاء
کی وجہ سے ہے۔

قوله : وفيه نظر الخ....

لیکن شارح کہتے ہیں کہ اسمیں نظر ہے اسلئے کہ (راء) بھی تو حروف مجھورہ میں سے ہے جس کی
وجہ سے پھر بھی ثقل باقی رہے گا تو آپکا فرمان صحیح نہیں ہوا۔

قوله : وقيل الخ..

علامہ زوزانی فرماتے ہے کہ قرب مخارج یہ سبب ہے ثقل کا جو مخل بالفصاحۃ ہے۔
اعتراض: انکے اوپر یہ وارد ہوتا ہے کہ قرآن میں آتا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اسمیں قریب المخرج
حروف جمع ہیں جسکی وجہ سے اس کلمہ کا غیر فصیح ہونا لازم آیا تو جو آیت کے غیر فصیح ہونے کو مستلزم ہے
اور وہ سورت کے اور سورت قرآن پاک کے غیر فصیح ہونے کو مستلزم ہے؟
جواب: دیتے ہوئے فرماتے ہے کہ کلام طویل اگر غیر عربی کلمے پر مشتمل ہو تو اس غیر عربی کلمے کی
وجہ سے کلام عربیت سے نہیں نکلتا اسی طرح کلام طویل غیر فصیح کلمے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے
فصاحت سے نہیں نکلتا۔

قوله : وفيه نظر الخ...

علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ علامہ زوزانی کا یہ قول محل نظر ہے اسلئے کہ آپ نے کلام فصیح کو کلام
عربی پر قیاس کیا یہ قیاس مع الفارق ہے اسلئے کہ کلام عربی کیلئے تمام کلمات کا عربی ہونا شرط
نہیں ہے جبکہ کلام فصیح کیلئے تمام کلمات کا فصیح ہونا شرط ہے اور اگر آپکے اس قول کو تسلیم بھی

کرلیا جائے تو اور بھی خرابیاں لازم آتی ہیں (۱) یا تو نعوذ باللہ اللہ کو غیر فصیح کلمے کا علم نہیں تھا تو اللہ کیطرف جہل کی نسبت لازم آتی ہے جبکہ اللہ تو بلند و بالا ہے اوران باتوں سے بری ہے۔
(۲) یا پھر اللہ کو کلمہ غیر فصیحہ کا علم تھا لیکن نعوذ باللہ اللہ اسکی جگہ پر کلمہ فصیحہ کو لانے پر قادر نہیں تھے جس کی وجہ سے اللہ کی طرف عجز کی نسبت لازم آتی ہے حالانکہ واللہ علی کلّ شئی قدیر معلوم ہوا آپ کی تعلیل غلط ہے۔

قوله : والغرابة الخ....

غرابت یہ ھیکہ کلمے کا وحشی ہو یعنی اپنے معنی پر ظاہر الدلالۃ نہ ہو اور نہ ہی مانوس الاستعمال ہو نا جیسے ابن عجاج کے قول میں۔

ومقلة وحاجبا مزجّجا وفاحما ومرسنا مسرّجا
کالسراج فی البرق واللمعان

اور آنکھ باریک لمبی کوئلے کی طرح لمبے بال اور ناک سروج تلوار کی طرح ہے چمک دھمک کے اعتبار سے۔ یہاں محل استشہاد مسرّجاً ہے۔

قوله : فان قلت الخ....

مصنفؒ نے مسرجاً کو سرّج اللہ سے مفعول کیوں نہیں بنایا اگر اسطرح کرتے تو غرابت ختم ہو جاتی۔

قوله : قُلْتُ الخ....

ہو سکتا ہے ہیکہ بعد کے لوگوں نے اسکو سراج کے معنیٰ سے گھڑلیا ہو اسلئے کہ لغت کی کتابوں میں یہ موجود نہیں ہیکہ یہ سرّج اللہ سے مفعول ہو اور اگر سرّج اللہ سے مفعول قرار بھی دیا جائے تب بھی غرابت ھیکہ غرابت کی دو قسمیں ہے دوسری قسم یہ ہیکہ اسکے دیکھنے کیلئے بڑی بڑی کتابوں کی طرف محتاج ہو اور اس میں قسم پائی جارہی ہے۔

قوله : والمخالفة الخ....

مخالفت کی تعریف یہ ہیکہ کلمے کے الفاظ موضوعہ مفردہ کا قانون کے خلاف ہونا یعنی واضع نے جس طرح وضع کیا ہے اسکے خلاف ہونا جیسے اجلل کو بغیر ادغام کے پڑھنا اسلئے کہ واضع نے

اسکواجلل ادغام کیساتھ وضع کیا ہے پس الل ماء ابی یابی ،عور، یعور فصیح ہے اسلئے کہ واضع سے اسی طرح ثابت ہے۔

قوله : قيل الخ۔

مصنفؒ کے بعض ہم عصروں نے کہا ہیں کہ فصاحت فی المفرد کا مذکورہ چیزوں کے خالی ہونے کیساتھ ساتھ کراہت فی السمع سے بھی خالی ہونا ضروری ہے اس طور پر کہ اس لفظ کو سامع دفع کرے اور قوۃ سامعہ اس کو سننے سے برائت کا اعلان کردے جیسے لفظ جرشی ابوالطیب متنبی کے اس شعر میں۔

مبارک الاسم اغرّاللقب کریم الجرشّی شریف النّسب

ترجمہ : مبارک نام والا ہے روشن لقب والا ہے شریف نفس والا شریف نسب والا ہے۔

قوله : وفيه نظرالخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں اسمیں نظر ہے اسلئے کہ کراہت فی السمع یہ غرابت کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس کی تفسیر وحشت کیساتھ ہو چکی ہے تو جب فصاحت فی المفرد کا وحشت سے خالی ہونا ضروری ہے تو کراہت فی السمع سے بھی خالی ہو گیا جیسے "تکاتکأتم وافرنقعوا" "تم جمع ہو جاؤ اور جدا ہو جاؤ۔

قوله : وقيل الخ۔

بعض نے کہا کہ کراہت فی السمع اور عدم کراہت فی السمع لوٹتے ہے اچھے اور برے آواز کی طرف نفس لفظ کیساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

قوله : وفيه نظرالخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے اسلئے کہ یہ بات یقینی ہے کہ لفظ [جرشی] یہ ناپسندیدہ ہے نہ کہ نفس قطع نظر اچھے اور برے آواز سے لیکن نفس اس کو قبول کرتا ہے چاہے اچھے آواز والا کہے یا برے آواز والا کہے۔

قوله :فصاحت فی الكلام الخ۔

کلام کا خالی ہونا تنافر کلمات سے ضعف تالیف سے تعقید سے اس حال میں کہ اس کے تمام کلمات فصیح

ہو۔

قوله : وقيل الخ۔

بعض نے کہا کہ یہ (یعنی مع فصاحتھا) کلمہ سے حال ہے۔ مع فصاحتھا کی قید سے احتراز کیا" زید اجلل، مستشزرات، مسرجا" سے اس لئے کہ ان میں کلمے غیر فصیح ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ حال ہے کلمات سے اگر مع فصاحتھا کو کلمات کیساتھ ذکر کرتے تو فصل بالاجنبی نہ آتا۔

قوله : وقوله فيه نظر لانه حينئذ۔

علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا کلمات سے حال ہونا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ یہ تنافر کیلئے قید ہے گانہ کہ خلوص کیلئے اور خرابی یہ لازم آتی ہے کہ وہ کلام جو تنافر کلمات غیر فصیحہ پر مشتمل ہو اس کا فصیح ہونا اسلئے کہ اس صورت میں صادق آتا ہے اس کلام پر کہ کلام کا خالی ہونا تنافر کلمات سے اس حال میں کہ وہ کلمات فصیح ہوں۔ اب فصاحت فی الکلام کے اجزاء کی تفسیر بیان فرمارہے ہیں۔

ضعف تالیف: کلام کا قانون نحوی کے خلاف مرکب کرنا جیسے اضمار قبل الذکر لفظاً و معناً حکماً جیسے "ضرب غلامه زيدٌ"۔

قوله : والتنافر ان تكون الكلمات الخ ۔

تنافر کلمات یہ ہے کہ کلمات زبان پر ثقیل ہو اگرچہ ان میں بعض کلمات فصیح ہو جیسے ۔

وليس بقرب قبر حرب قبر : وقبر حرب بمكان قفر

ترجمہ : حرب بن امیہ کی قبر ایسی جگہ میں ہے جو جگہ آگ اور پانی سے خالی ہے اور حرب ابن امیہ کے قبر کے قریب کوئی قبر نہیں ہے۔

واقعہ : یہ ہے کہ حرب ابن امیہ کہیں جارہے تھے جنگل سے ان کا گزر ہوا اور جنگل میں ان کے پاؤں کے نیچے جنّی کا بچہ آگیا تو جنّی نے زوردار چیخ ماری جس کی وجہ سے حرب ابن امیہ کا انتقال ہوا تو اس وقت جنّی نے یہ شعر کہا۔

دوسری مثال ۔

كريم متى امدحه امدحه والورى معى : واذا مالمته لمته وحدى

ترجمہ: وہ ممدوح ایسا کریم ہے کہ جب میں اس کی مدح بیان کرتا ہوں تو مدح بیان کرتا ہوں اس حال میں کہ لوگ میرے ساتھ ہوتے ہیں اور جب میں اسکی مذمت بیان کرتا ہوں تو مذمت بیان کرتا ہوں اس حال میں کہ میں اکیلا ہوتا ہوں۔

اعتراض : مصنفؒ نے تنافر کلمات کی دو مثالیں کیوں بیان کی ہیں۔

جواب : پہلے مثال میں تنافر زیادہ ہے اور دوسرے مثال میں تنافر کم ہے۔ تو اس سے تنافر کے دو قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ پہلے مثال میں منشأ ثقل کلمات کا جتماع ہے اور وہ [قرب قبر حرب] ہے اور دوسرے مثال میں منشأ ثقل حروف کا اجتماع ہے اور [امدحہ امدحہ] میں [حا] اور [ھا] ہے [امدحہ امدحہ] کے تکرار کیساتھ نہ کہ صرف [حا] اور [ھا] کا اجتماع مخل فصاحت ہے جیسے قرآن میں ہے [فَسَبِّحْهُ] یعنی صرف [حا] اور [ھا] کا اجتماع نہیں ہے، بلکہ اجتماع مع تکرار ہے۔

ایک قصہ : صاحب اسماعیل بن عباد نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے استاد ابن عمید کے سامنے یہ قصیدہ کہا تو جب اس شعر پر پہنچا تو اس کے استاد نے پوچھا کہ اس میں کوئی عیب ہے؟ تو اس نے کہا ہاں مدح کو لوم کے مقابلے میں ذکر کیا ہے حالانکہ مدح کو ذم کے مقابلے میں ذکر کیا جاتا ہے تو استاد نے کہا کہ میرا ارادہ اسکے علاوہ کا تھا تو صاحب اسماعیل نے کہا کہ میں اسکے علاوہ کچھ نہیں جانتا تو استاد نے کہا کہ وہ [امدحہ امدحہ] کا تکرار ہے جس میں [حا] اور [ھا] جمع ہیں۔

قولہ : تعقید الخ۔

کلام کا اس طرح پیچیدہ ہونا کہ کلام کسی خلل کی وجہ سے معنی مراد پر ظاہر الدلالۃ نہ ہو اگر خلل نظم میں واقع ہے تو یہ تعقید لفظی ہے۔ اور اگر خلل انتقال میں واقع ہے تو یہ تعقید معنوی ہے۔ پھر چاہے یہ خلل تقدیم، تاخیر کی وجہ یا کسی اور وجہ سے ہو جیسے فرزدق کا قول ھشام بن عبد الملک بن مروان کے ماموں ابراہیم بن ھشام بن اسماعیل المخذومی کی مدح میں۔

وما مثله في الناس الا مملكا : ابو امه حيٌّ ابوه يقاربه

ترجمہ : نہیں ہے اس کا مثل زندہ لوگوں میں مگر وہ شخص جس کو بادشاہت دی گئی ہو کہ اس کی

ماں کا باپ اس کا باپ ہے۔

وجوہات تعقید : وہ وجوہات بیان فرماتے ہیں جن کی بناء پر تعقید پیدا ہوئی ہے۔

[۱] مبتداء اور خبر کے درمیان فصل پیدا ہوئی ہے [ابوامہ] مبتداء [ابوہ] خبر ہے۔ اور فصل حیٌّ ہے

[۲] موصوف صفت کے درمیان فصل بالاجنبی آیا ہے جس کی وجہ سے تعقید پیدا ہوئی ہے [حیٌّ] موصوف [یقاربہ] صفت ہے اور فصل (ابوہ) ہے۔

[۳] مستثنی کا مستثنی منہ پر مقدم ہونے کی وجہ سے بھی تعقید پیدا ہوئی ہے [ابوامہ حی یقاربہ] مستثنی منہ [مملکاً] مستثنی۔

[۴] بدل اور مبدل منہ کے درمیان بہت فصل ہے جس کی وجہ سے تعقید پیدا ہوئی ہے [مثلہ] مبدل منہ [ابوامہ] الخ... بدل ہے اور فصل (فی الناس الا مملکا) ہے۔

قولہ : قیل الخ ۔

بعض لوگوں نے کہا کہ جب کلام میں یعنی فصاحت فی الکلام میں ضعف تالیف کا ذکر ہوگیا تو تعقید لفظی کا ذکر فضول ہے۔

قولہ : وفیہ نظر الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے اسلئے کہ بعض اوقات چند ایسے امور جمع ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے تعقید پیدا ہوتی ہے اور مراد کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے اگرچہ ان میں بعض کلے قانون نحوی کے مطابق ہو۔

قولہ : قیل الخ ۔

اس سے بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ آپ نے تعقید کی وجوہات میں سے ایک وجہ مستثنی کا مستثنی منہ پر تقدیم بیان کی ہے حالانکہ نحاۃ کے ہاں بالاتفاق مستثنی مستثنی منہ پر مقدم ہوتا ہے۔

جواب : آپ کی بات بھی صحیح ہے لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مستثنی مستثنی منہ پر مقدم ہونا یہ تعقید میں شدت اور زیادتی پیدا کرتی ہے اسلئے اس کو تعقید کے وجوہ میں سے ذکر کیا ہے۔

قولہ : وبھذا یظھر فساد ماقبل الخ ۔

علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ اس جواب سے ان لوگوں کا اعتراض بھی دفع ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ

بیان تعقید میں فرزدق کے ذکرکردہ شعر میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ پر تقدیم کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ نحاۃ کے ہاں جائز ہے (یہ اعتراض جواب اوپر گزر گیا ہے)۔

قولہ : وانّمافی الانتقال الخ۔

یہاں سے مصنفؒ تعقید معنوی کا ذکر کر رہے ہیں۔

تعقید معنوی کی تعریف : اگر کلام مراد متکلم پر ظاہر الدلالۃ نہ ہو اس خلل کی وجہ سے جو واقع ہو معنی اول کی وجہ سے معنی ثانی کی طرف ذہن کے انتقال میں۔ یعنی معنی حقیقی لغوی سے معنی مجازی کی طرف ذہن کے انتقال میں خلل ہو اس کو تعقید معنوی کہتے ہیں مثلاً متکلم کا اپنے کلام میں لوازم بعیدہ کو لیکر آنا جو وسائط کثیرہ کا محتاج ہوتے ہیں اور وہاں مقصود متکلم پر دلالت کرنے والے قرائن بھی مخفی ہو جیسے عباس بن احنف کا یہ شعر۔

ساطلب بعدالدار عنکم لتقربوا : وتسکب عینای الدموع لتجمد

ترجمہ : میں تم سے دوری کو طلب کرتا ہوں تا کہ تم سے قریب ہو جاؤں اور میری آنکھیں آنسو بہاتی ہے تا کہ وہ خشک ہو جائے۔

اس شعر میں شاعر نے سکب دموع کو کنایہ قرار دیا ہے اس چیز سے جو دوستوں کے فراق کو لازم ہے یعنی غم اور رنج۔ اور جمود عین کو کنایہ قرار دیا ہے اس چیز سے جو ہمیشگی ملاقات سے ثابت ہوتا ہے یعنی فرح اور سرور لیکن جمود عین سے انتقال عین بخل دموع کی طرف ہوتا ہے نہ کہ اس کی طرف جس کا شاعر نے قصد وارادہ کیا ہے یعنی سرور۔

قولہ : ومن کثرت التکرار الخ۔

بعض حضرات نے کہا ہیں کہ فصاحت کلام کا ان چیزوں سے خالی ہونا ضروری ہے جو ذکر ہوئے ہیں اور ان کیساتھ ساتھ کثرت تکرار سے بھی خالی ہونا ضروری ہے اور تتابع اضافات سے بھی خالی ہونا ضروری ہے۔

کثرت تکرار کی مثال۔

وتسعدنی فی غمرۃ بعد غمرۃ : سبوح لھامنھاشواھد

ترجمہ : اور میری مدد کرتی ہے ہر مصیبت میں وہ گھوڑا وہ اس طرح چلتا ہے کہ اپنے سوار کو تھکاتا نہیں ہے گویا کہ وہ پانی پر چل رہا ہے۔اس میں ایسے علامات ہیں کہ جو اس کی عمدگی پر دلالت کرتے ہیں۔

قوله : قيل التكرار الخ۔

اس سے معترض اعتراض کرتا ہے کہ کثرت تکرار کی وجہ سے بھی تعقید پیدا ہو جاتی ہے اور تکرار کہتے ہیں ایک شئی کو دو مرتبہ ذکر کرنا تو تیسری مرتبہ ذکر کرنے سے کثرت تکرار نہیں ہوتا بلکہ کثرت تکرار چار یا چھ یا آٹھ مرتبہ ذکر کرنے سے کثرت تکرار پیدا ہوتی ہے۔تو آپ نے اس شعر کو کثرت تکرار کی مثال کیسے قرار دیا ہے جس میں صرف تین ضمیریں آئی ہیں۔

قوله : وفيه نظر الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے اسلئے کہ کثرت سے مراد یہاں وہ ہے جو وحدت کے مقابلے میں ہو۔تو یہ بات ظاہر ہے کہ جو شئی تین مرتبہ ذکر کیا جائیگا تو کثرت حاصل ہو جائیگی۔

تتابع اضافات کی مثال جیسے شعر۔

حمامة جرعى حومة الجندل : اسجعي فانت بمرأى من سعاد ومسمع

ترجمہ : اے پتھریلی اونچی ریتلی زمین کی کبوتری تو گیت گا تو ایک ایسی جگہ میں ہے کہ سعاد تجھے دیکھ رہی ہے اور تیری باتیں سن رہی ہے۔

بعض حضرات نے [سعاد] کو مفعول بنایا ہے اور ترجمہ کیا ہے کہ اے کبوتر تو ایسی جگہ میں ہے کہ تو سعاد کو دیکھ رہی ہے اور تو اس کی باتیں سن رہی ہے۔یہ نقلاً بھی غلط ہے اور عقلاً بھی غلط ہے۔

نقلاً تو اسلئے غلط ہے کہ صحاح جیسے معتبر کتابوں میں ذکر ہے کہ "مرأى مسمع" کے بعد جو مجرور ذکر ہوتے ہیں وہ معنی اسکا فاعل ہوتا ہے نہ کہ مفعول۔

عقلاً اسلئے غلط ہے کہ اگر سعاد کو مفعول بنایا جائے تو کبوتری کو گیت کی درخواست کرنا نامناسب ہے اسلئے کہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تو سعاد کو دیکھ رہی ہے اور تو اسکی باتیں سن رہی ہے تو اس صورت میں حکم یہ ہونا چاہیئے کہ اسکتی تو خاموش ہو جا۔

قوله : وفيه نظر الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے جو کثرت تکرار اور تتابع اضافات سے خالی ہونے کی قید لگائی ہے یہ محل نظر ہے اسلئے کہ اگر لفظ کی وجہ سے ثقیل ہے تو اس کا تنافر کلمات سے احتراز ہو چکا ہے اور اگر لفظ کی وجہ سے زبان پر ثقیل نہیں ہے تو یہ مخل للفصاحۃ نہیں ہے اسلئے کہ قرآن میں والشمس سے آخر عقبٰہا تک موجود ہے اور جیسے مثل: دأب قوم نوح ذکر رحمت سے ربك عبده زكريا.

فصاحت فی المتکلم کی تعریف : فصاحت فی المتکلم اس ملکے کا نام ہے کہ جسکے ذریعے سے آدمی اپنے مقصود کے تعبیر پر قادر ہو لفظ فصیح کے ذریعے سے۔

ملکہ: اس کیفیت کا نام ہے جو نفس میں راسخ ہو۔

کیفیت : کیفیت اس عرض کو کہتے جس کا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف نہ ہو اور نہ وہ قسمت اور لاقسمت کا تقاضا کرتا ہو۔

فوائد قیود: کیفیت کی تعریف میں عرض جنس ہے اور جو قید اوّل ہے اسکی وجہ سے اعراض نسبیہ خارج ہو گئے لایقتضی فصل ثانی ہے اس کی وجہ سے کمیات خارج ہو گئے اسلئے کہ وہ تقسیم کو قبول کرتے ہیں لاقسمۃ تیسری فصل ہے اسکی وجہ سے نقطہ اور وحدت خارج ہو گئے اسلئے کہ وہ لاقسمت کو قبول کرتے ہیں اور وحدت کہتے ہیں جو غیر منقسم ہو کیفیت کی تعریف میں فصل رابع کسی چیز کے نکالنے کیلئے نہیں ہے بلکہ وہ علم بالمعلومات کے داخل کرنے کیلئے لگایا گیا ہے اسلئے کہ علم بالمعلومات تقاضا کرتا ہے تقسیم لاتقسیم کا۔ مصنف نے ملکہ کی جگہ صفت اسلئے نہیں کہا کہ کوئی شخص اپنے مقصود کو فصیح الفاظ میں ادا کرے تو اصطلاح میں اسے فصیح نہیں کہا جائیگا جب تک وہ فصاحت اس میں راسخ نہ ہو جائے۔

اب یہاں سے شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے یُقْتَدَرُ کہا یُعَبِّرُ نہیں کہا تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ جس شخص میں یہ ملکہ پایا جائے تو وہ فصیح ہوگا چاہے وہ ادا کرنے یا ادا نہ کرے۔

قولہ : بلفظ فصیح الخ۔

شارحؒ کہتے ہیں مصنفؒ نے کلام فصیح نہیں کہا بلکہ لفظ فصیح کہا اسلئے کہ فصاحت فی المتکلم

مفرد اور مرکب دونو کو شامل ہو جائے اسلئے کہ بسا اوقات متکلم الفاظ مفرد کے ذریعے سے اپنے مقصود کو ادا کرتا ہے جیسے کہ کسی کے سامنے گنتی کرتے ہوئے کہے۔ دار، غلام، جاریہ وغیرہ۔

قولہ : والبلاغة : فی الكلام :مطابقته لمقتضى الحال مع فصاحته الخ۔

کہ کلام کا مقتضی حال کے مطابق ہونا اس کے ساتھ ساتھ فصیح ہونا بھی ضروری ہے۔

جب کلام مقتضی حال کے مطابق بھی ہے اور فصیح بھی ہو تو بلاغت متحقق ہو جائیگا۔

حال :اس مرکو کہتے ہیں جو متکلم کو اس بات کا دعوت دے کہ جسکے ذریعے سے اصل مراد کو ادا کرنا چاہتا ہے اس میں کسی خصوصیت اور نکتے کا اعتبار کرے وہ خصوصیت مقتضی حال ہے مثلاً مخاطب کا منکر حکم ہونا یہ حال ہے یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کلام کو مؤکد ذکر کرے اور تاکید یہ خصوصیت اور نکتہ ہے اور نکتہ مقتضی حال ہے اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ ''اِنَّ زَیدًا فِی الدَّارِ کلام جزی ہے یہ مقتضی حال کے مطابق ہے اور یہ کلام مؤکد اس جزی پر صادق آرہا ہے۔ اصل معانی کہتے ہیں کہ جزی مطابق ہے کلی کا۔

اور منطق کہتے ہیں کہ کلی مطابق جزئیات کا۔

قولہ : وهوای مقتضى الحال مختلف الخ۔

یہ عبارت اگلے عبارت کیلئے تمہید ہے۔ مقتضی حال مختلف ہوتا ہے اسلئے کہ کلام کے وہ مقامات یعنی وہ امور جو کلام میں کسی خصوصیت کا تقاضا کرے وہ متفاوت ہوتے ہیں اسلئے کہ وہ اعتبار جو لائق ہو اس مقام کا وہ مغائر ہوتا ہے اس اعتبار کا جو لائق ہو اس مقام کا یہ بعینہ مقتضیات احوال کا تفاوت ہے۔

مقام اور حال میں فرق اعتباری ہے اتحاد ذاتی ہے اس اعتبار سے کہ حال میں یہ خیال کیا جائے کہ یہ کلام کے وارد ہونے کا زمانہ ہے تو یہ حال ہے اور مقام میں (محل ہونے کے اعتبار سے۔ کہ یہ محل ہے۔) خیال کیا جاتا ہے کلام کے ورود کا۔ تو مقام تنکیر یہ مقام تعریف کا مبائن ہے، مقام اطلاق مقام مقید کا مبائن، مقام ذکر مقام حذف کا مبائن ہے، مقام تقدیم مقام تاخیر کا مبائن ہے۔

وہ مقام جس کا مناسب مسند یا مسند الیہ نکرہ لانا ہو تو یہ مبائن ہوگا اس مقام کا جس کا مناسب

مسند الیہ یا مسند کو معرفہ لانا ہو۔

وہ مقام جو حکم کو مطلق رکھنے کا تقاضا کرتا ہے یا حکم متعلق رکھنا کسی فعل کے ساتھ وہ مبائن ہے اس مقام کا جس میں ان کو مقید کیا جائے فعل کیساتھ، تاکید کیساتھ، یا ادات کیساتھ، یا مفعول کیساتھ، یا تابع کیساتھ، یا شرط کیساتھ۔

مسند مسند الیہ ان کے متعلقات کے تقدیم کا مقام یہ مبائن رہے اس مقام کا جو کہ تاخیر کا مقام ہو۔ ذکر کا مقام یہ حذف کے مقام کا مبائن ہے۔

قوله : ومقام الفصل الخ ۔

فرماتے ہیں کہ مقام فصل یہ مبائن ہے مقام وصل کا شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے اس قول کو الگ ذکر کیا اسلئے کہ اس باب (یعنی مقام وصل اور مقام فصل) کی عظمت پر تنبیہ کرتے ہوئے ایسا کیا۔

مصنفؒ نے اس طرح کہا "ومقام الفصل يباين مقام الوصل" یوں نہیں کہا "ومقام الفصل مقام خلافه" یہ اسلئے کہ وہ زیادہ مختصر ہے۔ یعنی خلافہ کہنے سے [الوصل] کہنا زیادہ مختصر ہے۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ یہ بات اس بات پر صراحتاً دلالت کرتا ہے کہ فصل کا مخالف وصل ہے اور اگر خلافہ کہتا تو اس سے وہم ہوتا کہ اس کا مخالف کوئی اور بھی ہے۔

اسی طرح مصنفؒ نے کہا کہ "مقام الايجاز" مبائن ہے اطناب مساواۃ کا یہ عظمت شان کی وجہ سے اور اسی طرح کہا "مقام الذكي يبائن مقام الغبي" کہا یہ بھی عظمت شان کی وجہ سے۔

قوله : ولكل كلمة مع صاحبتها مقام الخ ۔

یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر کلمے کا اپنے مصاحب کیساتھ ایک مقام ہوتا ہے جو مقام مبائن ہوتا ہے اس مقام کو جو مقام اس کلمے کا دوسرے مصاحب کیساتھ ہے۔ جیسے فعل ایک کلمہ ہے متکلم اس کلمے پر حروف شرط داخل کرنا چاہتا ہے حروف شرط میں سے [انْ] بھی ہے [اذَا] بھی ہے۔ تو فعل کا [انْ] کیساتھ جو مقام ہے وہ مقام مبائن ہوگا اس مقام کا جو مقام فعل کا ہے [اذَا] کیساتھ اسلئے کہ [انْ] شک کیلئے آتا ہے اور [اذَا] یقین کیلئے آتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ دونوں اصل معنی

میں شریک ہو، اسی طرح ادات شرط میں سے ہر ایک کا ماضی کیساتھ ایک مقام ہے جو مقام اس کا مضارع کیساتھ نہیں ہے ماضی میں اظہار غلبہ ہوتا ہے اور مضارع میں استمرار زمانہ ہوتا ہے۔

قوله : وارتفاع شان الكلام الخ ـ

یہاں سے مصنفؒ حسن قبول کے اعتبار سے فصاحت کلام کی تقسیم کر رہے ہیں حسن قبول کے اعتبار سے کلام کی دو قسمیں ہیں [۱] اعلیٰ [۲] ادنیٰ۔

[۱] حسن قبول کے اعتبار کلام فصیح شان اور مرتبے کے اعتبار سے اس وقت اعلیٰ مرتبے پر ہوگا جب مطابق ہو اعتبار مناسب کا۔

[۲] اور جب کلام حسن قبول کے اعتبار سے مطابق نہ ہو اعتبار مناسب کا تو وہ کلام ادنیٰ اور گھٹیا ہوگا۔

اعتبار مناسب سے مراد وہ امر ہے جس کا متکلم اعتبار کرے مقام کے مناسبت سے اپنے خداداد صلاحیت کی وجہ سے یا بلغاء کی تراکیب کے تتبع کی وجہ سے۔

کلام سے مراد کلام فصیح ہے۔ اور حسن سے مراد حسن ذاتی ہے جو کہ بلاغت میں داخل ہے حسن عارضی مراد نہیں ہے جو بلاغت سے خارج ہے اسلئے کہ حسن عارضی بدیع کیساتھ ہوتا ہے۔ حاصل کہ مقتضی حال اور اعتبار مناسب ایک شئے ہے اسلئے کلام فصیح کی شان میں بلندی اس وقت آئیگی کہ جب وہ مطابق ہو اعتبار مناسب کا۔ اور بلاغت کی وجہ سے فصاحت میں بلندی آتا ہے ۔اور بلاغت کہتے ہیں مُطَابِقَة لمقتَضى الْحَالِ۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ایک شئی ہے۔

قوله : والّا الخ ـ

اگر اس کو نہیں مانوگے تو پھر یہ کہنا کہ کلام مرتفع نہیں ہوتا الخ یہ کہنا سچا نہیں ہوگا تو معلوم ہوا کہ آپ کو ایک ہی شمار کرنا پڑے گا۔

قوله : فالبلاغة صفة راجعة الى اللفظ الخ ـ

یہ عبارت ماتنؒ کی بلاغت کی تعریف پر تفریع ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ کلام فصیح کا مقتضی کے مطابق ہونا تو یہ بلاغت معنی کی صفت ہے یا لفظ کی صفت ہے؟

تو ماتنؒ کہتے ہیں کہ بلاغت صفت ہے لفظ کی اس عبارت سے کہ وہ ترکیب کی وجہ سے ترکیب

کیساتھ معنی زائد کا بھی فائدہ دے اس معنی کا فائدہ دے جس کیلئے کلام کو لایا گیا ہے۔

قوله : وکثیرا امّاالخ ۔

کبھی اس بلاغت کو فصاحت بھی کہتے ہیں جیسا کہ قرآن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قرآن مُعجِز ہے اسلئے کہ فصاحت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے۔

قوله : ولهاالخ ۔

یہاں سے فرماتے ہیں کہ بلاغت کلام کے دو طرف ہیں [۱] اعلیٰ [۲] اسفل ۔لیکن ان کے درمیان ایک درجہ اور بھی ہے اور وہ توسط کا۔

اعلیٰ کہتے ہیں کہ حد اور اعجاز کو یعنی کلام کا اپنے بلاغت میں اس مرتبے تک پہنچنا کہ انسان کے طاقت سے باہر ہو جائے اور انسان اس کے مقابلے اور معارضے سے عاجز آجائے۔

قوله : ومایقرب منه الخ ۔

اور وہ جو اس کے قریب ہے۔کس کے قریب ہے۔اس میں دو قول ہیں۔

قول اول : ایک قول تو یہ ہے کہ "ومایقرب منہ" اس کا عطف ہے [ھو] ضمیر پر جو حد اعجاز سے پہلے ہے اور [منہ] کا ضمیر اعلیٰ کی طرف راجع ہے تو مطلب یہ ہے کہ حد اعجاز طرف اعلیٰ کو کہتے ہیں اور وہ جو اسکے قریب ہے۔

قول ثانی : بعض حضرات نے کہا ہے کہ "مایقرب منہ" کا عطف حد اعجاز پر ہے جب حد اعجاز پر اس کا عطف ہے اور ضمیر بھی حد اعجاز کی طرف راجع ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ طرف اعلیٰ وہ حد اعجاز ہے اور وہ جو حد اعجاز کے قریب ہے وہ بھی طرف اعلیٰ ہے۔

قوله : وفيه نظرالخ ۔

شارحؒ کہتے ہیں کہ قول ثانی یعنی بعض حضرات کا قول محل نظر ہے اسلئے کہ ان کے قول کا حاصل یہ ہے کہ طرف اعلیٰ ایک نوع ہے اس کے دو فرد ہیں [۱] حد اعجاز [۲] جو حد اعجاز کے قریب ہے ۔جبکہ اعلیٰ ایک ایسے نکتے کا نام ہے جو کبھی تقسیم کو قبول نہیں کرتا اسلئے کہ طرف تو امر بسیط ہے آپ نے کیسے اسکے دو فرد بنا لیئے۔

اسفل کی تعریف : کہ کلام کو اسکے مرتبے سے نیچے مرتبے کی طرف متغیر کیا جائے یہاں تک کہ وہ

کلام حیوانوں کے آوازوں کیساتھ مل جائے اگر چہ وہ بلغاء کے ہاں اعراب کے اعتبار سے صحیح ہوگا۔ وہ آوازیں جو اپنے محل سے صادر ہوتی ہے بغیر اعتبار کیئے ہوئے لطائف کا۔

قوله : وبينهمامراتب كثيرة الخ ۔

ان کے درمیان مراتب کثیرہ ہیں۔ جو ان کے درمیان ہیں وہ متوسطات ہیں لیکن ان میں بھی بعض بعض سے ادنیٰ ہیں اور بعض بعض سے اعلیٰ ہیں مقامات کے تفاوت کے اعتبار سے۔ اسی طرح اعتبارات کا رعایت کرتے ہوئے اور کنارہ کشی کرتے ہوئے ان اسباب سے جو فصاحت میں خلل ڈالتے ہیں۔

قوله : وتتبعهاالخ ۔

یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فصاحت کلام اور مقتضی حال کے علاوہ اور بھی ایسے امور ہیں کہ جن کی وجہ سے کلام میں مزید حسن پیدا ہو جاتا ہے ایسے امور کو محسنات بدیعہ کہا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے کلام میں جو حسن پیدا ہوتا ہے یہ عارضی ہوتا ہے اور خارج ہوتا ہے حد بلاغت سے۔

قوله : والى أنّ الخ ۔

ان امور کو محسنات بدیعہ اس وقت شمار کیا جائیگا جب اس میں مقتضی حال اور فصاحت کلام کی مطابقت پائی جائے۔

شارحؒ کہتے ہیں کہ مصنفؒ نے ان وجوہ کو بلاغت کلام کا تابع قرار دیا نہ کہ متکلم کا اسلئے کہ یہ وجوہ ان وجوہ میں سے نہیں ہیں کہ جن کے ساتھ متکلم کو متصف کیا جا سکے عرف میں۔

قوله : بلاغت فى المتكلم الخ ۔

اُس ملکے کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے متکلم قادر ہو کلام بلیغ کے تالیف پر۔

قوله : فعلم الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ فصاحت وبلاغت کی تعریف سے فصاحت وبلاغت کے درمیان نسبت بھی معلوم ہوگئی عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ کہ بلیغ خاص مطلق ہے اور فصیح عام مطلق ہے۔ کہ ہر فصیح بلیغ نہیں ہو سکتا اور ہر بلیغ فصیح ہو سکتا ہے۔

[۲] بلاغت وفصاحت کی تعریف سے دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ بلاغت فی الکلام کا موقوف

علیہ کیا ہے؟ تو وہ دو چیزیں ہیں [۱] معنی مراد کے ادا کرنے میں غلطی سے بچنا۔
[۲] کلام فصیح کو غیر فصیح سے جدا کرنا۔

قوله : ويدخل في تمييز الكلام الخ ۔

کہتے ہیں کہ مصنفؒ نے جو یہ کہا کہ کلام فصیح کو غیر فصیح سے جدا کرنا تو اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کلمات فصیحہ کو کلمات غیر فصیحہ سے جدا کرنا اسلئے کہ کلام فصیح کلمات فصیحہ پر موقوف ہوتا ہے۔

قوله : والثاني الخ ۔

کلام فصیح کو غیر فصیح سے جدا کرنا اس میں بعض وہ امور ہیں جو بیان ہو چکے ہیں علم متن اللغت میں جیسے غرابۃ تو غرابۃ کا تعلق علم متن اللغۃ کے ساتھ ہے۔

شارحؒ کہتے ہیں کہ مصنفؒ نے متن اللغت کہا صرف لغت نہیں کہا یہ اسلئے کہ لغت متن اللغت سے عام ہے لغت کا اطلاق بارہ علوم پر ہوتا ہے جبکہ متن اللغت سے مراد الفاظ مفردہ موضوعہ کی معرفت ہے۔ انکے ذریعے سے غرابت سالم کو غرابت غیر سالم سے جدا کرنے کا فائدہ معلوم ہو جائے گا۔

[۱] جو کتب متداولہ کا مطالعہ کریگا اور مانوس مفردات کو معلوم کریگا ان کے علاوہ جو مفردات ہیں تو معلوم ہو جائیگا کہ یا تو یہ تفتیش کی طرف محتاج ہیں تو یہ غرابت سے خالی نہیں ہیں۔

قوله : وظهر الخ ۔

اس کی وجہ سے ان لوگو کا فساد ظاہر ہو گیا جنہوں نے کہا کہ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ جن کیلئے بڑے بڑے کتابوں کے مطالعے کی ضرورت ہے۔

علامہ زوزنی فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی بات لغت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔

جواب : شارحؒ فرماتے ہیں کہ ان کا جواب اوپر والے عبارت سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص کتب متداولہ کا مطالعہ کریگا اور مانوس مفردات کا مطالعہ کریگا تو باقی جو مفردات ہیں تو معلوم ہو جائیگا کہ یا تو تفتیش کی طرف محتاج ہیں تو یہ غرابت سے خالی نہیں ہیں۔

[۲] بعض اسباب وہ ہیں جو علم الصرف میں بیان ہو گئے ہیں جیسے غرابت قیاس، اور بعض اسباب وہ ہیں جو علم النحو میں بیان ہو گئے ہیں جیسے ضعف تالیف، اور بعض وہ ہیں جو حس کے ذریعے سے

معلوم ہوجاتے ہیں جیسے تنافر کلمات مستشزرات ہے۔

قولہ : وھوالخ۔

ان میں سے بعض وہ ہیں جو نہ علم صرف میں بیان ہوئے ہیں اور نہ علم النحو میں بیان ہوئے ہیں اور نہ جس میں معلوم ہوئے ہیں تو وہ تعقید معنوی ہے۔

قولہ : فعلم الخ۔

علم البلاغت کا مرجع بعض تو بیان ہوئے ہیں علوم مذکورہ میں اور باقی رہ گیا تعقید معنوی سے بچنا اور معنی مراد کے ادا کرنے میں غلطی سے بچنا تو تعقید معنوی کیلئے علم البیان کو وضع کیا اور معنی مراد کے ادا کرنے میں غلطی سے بچنا اس کیلئے علم المعانی کو وضع کیا اور کلام کے تحسین وتزئین کیلئے علم البدیع کو وضع کیا۔

علم المعانی اور علم البیان کا نام علم البلاغت رکھا اسلئے کہ ان دونوں کا اختصاص زیادہ ہے علم البلاغت کے ساتھ اگرچہ علم بلاغت انکے علاوہ اور علوم پر بھی موقوف ہوتا ہے بعض نے تینوں کو علم البیان سے موسوم کیا ہے بعض نے دو کو علم بیان سے اور ایک کو علم معانی سے موسوم کیا ہے اور بعض نے تینوں کو علم البلاغت سے موسوم کیا ہے۔

الفن الاول علم المعانی

علم بلاغت کی پہلی قسم علم معانی ہے۔ علم معانی کو بیان پر مقدم کیا اسلئے کہ معانی بمنزلہ مفرد کے ہے اور بیان بمنزلہ مرکب کے ہے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ معانی مفرد اسلئے ہے کہ یہ مشتمل ہے مقتضیٰ حال پر جو اس کا ثمرہ ہے، اور علم بیان مرکب اسلئے ہے کہ اس میں مقتضیٰ حال کے ساتھ معنی واحد کو ظہور، اور خفاء کے اعتبار سے مختلف طریقوں سے لایا جاتا ہے اسلئے بمنزلہ مرکب کے ہوگیا۔

علم معانی کی تعریف: علم معانی وہ علم ہے کہ جس کے ذریعے لفظ عربی کے ان احوال کو پہچانے جاتے ہیں جن احوال کے ذریعے لفظ مقتضیٰ حال کیمطابق ہوتا ہے۔ علم کے دو معنی ہیں [۱] علم اس ملکہ کا نام ہے کہ جس کے ذریعے جزئیات کا ادراک کیا جاتا ہے۔ [۲] علم اس اصول اور قواعد معلومہ کا نام ہے جس کے ذریعے جزئیات کا ادراک کیا جاتا ہے۔

قولہ :ولا استعمالهم الخ .....

کہ مصنف نے یعرف کا لفظ استعمال کیا یعلم نہیں کہا اسلئے کہ عرب کے ہاں جزئیات کے ادراک کیلئے یعرف کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور کلیات کے ادراک کیلئے یعلم کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس تعریف میں احوال اللفظ کے بعد التی بھا قید احترازی ہے جسکے ذریعے علم حکمت اور منطق اور فقہ کو نکالدیا اسلئے کہ حکمت میں موجودات کے حالات سے بحث ہوتی ہے منطق میں معانی سے بحث ہوتی ہے فقہ میں احکام تکلف سے بحث ہوتی ہے اس کے علاوہ اعلال، ادغام، رفع، نصب ، جر سے احتراز ہوا اسلئے کہ اس کا تعلق علم نحو اور علم صرف سے ہے مقتضیٰ حال سے ان کا تعلق نہیں ہے اسی طرح محسنات بدیعیہ کو بھی نکالدیا اسلئے کہ اسکا اعتبار ہوتا ہے مقتضیٰ حال کی رعایت کے بعد۔

قولہ : والمراد انه علم الخ۔

یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ کہ احوال کو مضاف کیا لفظ کی طرف اور احوال سے مراد تصورات ہیں لہذا مطلب یہ ہوا کہ تصورات کا ادراک کیا جاتا ہے جبکہ یہاں پر معرفت تصدیقی مراد ہے۔

جواب : یہ ھیکہ یہاں حیثیت کی قید ملحوظ ہے کہ علم معانی وہ علم ہے کہ جس کے ذریعے لفظ عربی کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اس حیثیت سے کہ وہ احوال مقتضیٰ حال کے مطابق ہو لہذا احوال موضوع ہے حیثیت محمول ہے اور موضوع محمول سے تصدیق وجود میں آتی ہے۔

قولہ : وبهذا يخرج الخ۔

کہتے ہیں کہ اس حیثیت سے بیان بھی نکل گیا اسلئے کہ بیان میں احوال لفظ سے اس حیثیت سے بحث نہیں ہوتی بلکہ اس حیثیت سے بحث ہوتی ہے کہ معنی واحد کو کئی طریقوں سے اس طریقے پر لایا جاتا ہے۔

قولہ : ومقتضى الحال فی التحقيق الخ۔

اس عبارت سے شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مقتضیٰ حال سے مراد وہ کلام کلی ہے جو کیفیت مخصوصہ پر مشتمل ہونہ کہ صرف کیفیات وخصوصیات ہیں اسلئے کہ اگر مقتضیٰ حال سے خصوصیات

اور کیفیات مراد لے لیں تو مطلب یوں بنے گا کہ علم معانی وہ علم ہے جس کے ذریعے لفظ عربی کے کیفیات کو کیفیات کے مطابق بنایا جائے یہ غلط ہے اسلئے کہ مطابِق اور مطابَق کا اتحاد لازم آرہا ہے شارح کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کی صراحت کی ہے شرح مطول میں۔

قوله : وَاحوال الاسنادالخ۔

سوال: یہ ہیکہ علم معانی میں جب لفظ عربی کے احوال سے بحث کی جاتی ہے تو احوال اسناد سے بحث نہیں کرنی چاہئیے اسلئے کہ یہ معانی کے قبیل سے ہے جبکہ اس کتاب میں بحث کی گئی ہے۔

جواب : شارح نے جواب دیا کہ احوال اسناد درحقیقت لفظ کے احوال میں سے ہے اس طور پر کہ احوال اسناد کا تعلق جملے سے ہے اور جملے کا تعلق لفظ سے ہے تو لہذا جملے کے واسطے سے یہ بھی لفظ کے متعلق ہوا گویا کہ تعریف میں تعیم ہے کہ معانی وہ علم ہے کہ جس میں لفظ عربی کے احوال سے بحث کی جاتی ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ جن احوال کے ذریعے لفظ مقتضی حال کے مطابق ہوتا ہے۔

فائدہ : لفظ عربی کی تخصیص قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔وجہ تخصیص یہ ہے کہ معانی کو لغت عرب کیلئے وضع کیا ہے اس لئے قرآنی اعجاز اور اسرار کو سمجھنا لغت عرب پر موقوف ہے۔

قوله : وينحصرالمقصودالخ۔

معانی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔علم معانی کو آٹھ ابواب پر منحصر کرنا ایسا ہے جیسا کہ کل کو جزء پر منحصر کرنا ایسا نہیں جیسا کہ کلی کو جزئیات پر منحصر کرنا ہے اسلئے کہ کل کا جزء پر حمل نہیں ہوتا ہے جبکہ کلی کا جزئیات پر حمل ہوتا ہے جیسے کل کی مثال دودھ کو چائے نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ دودھ جزء ہے اور چائے کل ہے، البتہ زید کو انسان کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ زید جزئیات میں سے ہے اور انسان کلی ہے۔لہذا ابواب ثمانیہ کا مجموعہ معانی ہے ہر ایک باب کو علم معانی پر حمل نہیں کیا جاسکتا۔ان آٹھ ابواب کے درمیان وجہ حصر اس طرح ہے کہ کلام یا تو خبر ہوگا، یا انشاء ہوگا۔اگر خبر ہے تو خبر کیلئے مسند الیہ ،مسند اور اسناد کا ہونا ضروری ہے پہلا پہلا ہے دوسرا دوسرا ہے تیسرا تیسرا ہے۔مسند جب یا شبہ فعل ہو تو وہ اپنے متعلقات کے ساتھ ہوتا ہے یہ چوتھا باب ہے ہر اسناد کا تعلق یا تو حصر کے ساتھ ہوگا یا بغیر قصر کے ہوگا۔اگر بغیر قصر ساتھ ہے تو پانچواں باب

۔اگر بغیر قصر کے ہے تو ایک جملے کا اقتران یا تو عطف کے ساتھ ہوگا یا بغیر عطف کے۔اگر عطف کے ساتھ ہے تو وصل،اور اگر بغیر عطف کے ہے تو یہ فصل ہے یہ چھٹا باب ہے۔

قوله : والكلام البليغ الخ۔

کلام بلیغ اگر زیادتی پر مشتمل ہو اور وہ زیادتی کسی فائدے کیلئے ہو یا کلام بلیغ زیادتی پر مشتمل نہ ہو تو یہ باب سابع ہے ۔اگر زیادتی کے ساتھ ہو تو اطناب کہا جاتا ہے ،اگر بغیر زیادتی کے ہو تو ایجاز اور مساوات،اور اگر انشاء ہے تو آٹھواں باب ہے۔

قوله : لان كلام اما خبر او انشاء الخ۔

اس عبارت میں کلام خبر،اور انشاء کی تعریف میں اختلاف کا بیان ہے اس بحث کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے پہلی بات یہ ہے کہ نسبت کی تین قسمیں[۱] نسبت کلامیہ[۲] نسبت ذہنیہ [۳] نسبت خارجیہ۔

نسبت کلامیہ کی تعریف : مسند اور مسند الیہ کے تعلق سے جو مفہوم حاصل ہوتا ہے اس کو نسبت کلامیہ کہتے ہیں۔

نسبت ذہنیہ کی تعریف : اس مفہوم کا ذہن میں حاضر ہونا نسبت ذہنیہ کہلاتا ہے۔

نسبت خارجیہ کی تعریف : اس نسبت کا خارج میں پایا جانا نسبت خارجیہ کہلاتا ہے۔

(دوسری بات) کلام مقید پر جب نفی داخل ہوتی ہے تو وہ عام طور پر قیود کی طرف متوجہ ہوتی ہے نہ کہ مقید کی طرف اور کبھی دونوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

نسبت کی تعریف : نسبت کہا جاتا ہے مسند کا مسند الیہ کے ساتھ ایسا تعلق ہو جس پر سکوت صحیح ہو۔بعض حضرات نے یہ تعریف بیان کی ہے کہ محکوم بہ کو محکوم علیہ کیلئے ثابت کرنا یا سلب کرنا۔یہ تعریف درست نہیں ہے اسلئے کہ یہ انشاء کو شامل نہیں ہے ان تمہیدات کے بعد اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ خبر کی تعریف یہ ہوگی کہ اگر کلام کیلئے نسبت کلامیہ ہو اور اس نسبت کلامیہ کیلئے ازمنہ ثلاثہ میں کوئی نسبت خارجیہ ہو وہ نسبت کلامیہ اس نسبت خارجیہ (نسبت خارجہ چاہے ثبوتی ہو،یا سلبی ہو) کے مطابق ہو یا نہ ہو۔اگر مطابق ہو تو خبر ورنہ انشاء ہوگا۔

قوله : وتحقيق ذلك الخ۔

سے شارح خبر اور انشاء کی تعریف میں اختلاف اور اپنا مسلک بیان کرر ہے ہیں۔

منجملہ خبریۃ : اس کلام میں مقید نسبت کلامیہ ہے اور نسبت خارجیہ۔اور مطابقت اور عدم مطابقت اس کیلئے دو قید ہے۔اور الاحرف نفی ہے۔اس حرف نفی کو اگر دونوں کی طرف متوجہ کریں گے تو ترجمہ یوں ہوگا کہ خبر وہ ہے جس کیلئے نسبت کلامیہ ہو اس نسبت کلامیہ کیلئے نسبت خارجیہ ہو چاہے ثبوتی ہو، یا سلبی اور وہ نسبت کلامیہ نسبت خارجیہ کے مطابق ہو یا نہ ہو اگر ہو تو خبر ہے ورنہ انشاء گویا کہ انشاء کیلئے نہ نسبت کلامیہ ہے اور نہ نسبت خارجیہ، اور نہ مطابقت، اور نہ عدم مطابقت ہے۔ مگر یہ تعریف صحیح نہیں ہے اسلئے کہ انشاء کیلئے نسبت تو ہوتی ہے مگر غیر یقنی ہوتی ہے۔

[۲] اگر نفی کو حرف قیود کی طرف متوجہ کریں تو تعریف یوں ہوگی کہ نسبت کلامیہ کیلئے نسبت خارجیہ تو ہوتی ہے مگر مطابقت، وعدم مطابقت نہیں ہوتی یہ تعریف تو صحیح ہے مگر شارح کی تحقیق کیخلاف ہے شارح کی تحقیق یہ ہے کہ انشاء میں نسبت کلامیہ بھی ہوتی ہے ،اور نسبت خارجیہ بھی اور مطابقت وعدم مطابقت بھی مگر فرق صرف قصد اور عدم قصد کا ہے۔کہ اگر نسبت کلامیہ سے نسبت خارجیہ پر مطابقت کا قصد کیا جائے یا عدم مطابقت کا قصد کیا جائے تو خبر ہے ورنہ انشاء ہے۔

مطابقت کا مطلب : کہ نسبت کلامیہ بھی ثبوتی ہو، یا دونوں سلبی ہو جیسے زیدٌ قائمٌ اور واقع میں بھی ایسا ہو یا زیدٌ لَیس بِقائِمٍ اور واقع میں بھی ایسا ہو۔

عدم مطابقت : نسبت کلامیہ ثبوتی اور خارجیہ سلبی یا اسکا عکس۔

قولہ : لان النسبت المفہومۃ من الکلام الخ۔

یہ کلام نسبت خارجیہ کے ثبوت پر دلیل ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ نسبت کلامیہ کا جو مفہوم ذہن میں پایا جاتا ہے ذہن سے قطع نظر کرتے ہوئے خارج میں اس کا دو چیزوں کے درمیان پایا جانا ضروری ہے۔اور وہ دو چیزیں موضوع اور محمول ہیں کیونکہ ان کے وجود کے بغیر کلام حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

فائدہ : اعراض نسبیہ کے وجود کے بارے میں حکماء کا مسلک ہے کہ انکا وجود خارج

میں نظر آنا ممکن ہے جبکہ عند اہل سنت اس کا وجود نہیں بلکہ اعتبار کیا جاتا ہے۔

قوله : لانه لامحال الخ۔

نسبت کی تین قسمیں ہیں [۱]نسبت کلامیہ [۲]نسبت ذہنیہ [۳]نسبت خارجیہ۔مسند کا مسند کے ساتھ ملنے سے جو تعلق پیدا ہوا سکے مفہوم کو نسبت کلامیہ کہا جاتا ہے۔اور اس مفہوم کا ذہن میں پایا جانا نسبت ذہنیہ کہلاتا ہے۔اور اس کا خارج میں پایا جانا نسبت خارجیہ ہے اس مقام پر نسبت سے مراد نسبت کلامیہ ہے جس کا نفس،یا ذہن میں متکلم ادراک کرتا ہے یہی مطلب ہے ''قائمة بنفس المتكلم'' کا نسبت کہا جاتا ہے مسند اور مسند الیہ کے ایسے تعلق کو جس پر سکوت صحیح ہوتا کہ انشاء کو بھی شامل ہو اور نسبت کی تفسیر ثبوت محکوم بہ للمحکوم علیہ،یا سلبیہ سے کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ مقام تقسیم میں انشاء کو شامل ہے۔

قوله : ان كان نسبته خارج الخ۔

خبر کی تعریف : کہ کلام کیلئے نسبت کلامیہ ہو اور اس نسبت کلامیہ کیلئے خارج میں (ازمنہ ثلاثہ) نسبت خارجیہ ہو چاہے وہ ثبوتی ہو،یا سلبی ہو اور نسبت کلامیہ اس نسبت خارجیہ کے مطابق ہو،یا نہ ہو تو خبر ہے۔

قوله : والاای لم يكن الخ۔

اگر ایسا نہ ہو تو انشاء ہے الاحرف نفی ہے جو مقید پر بھی داخل ہوتا ہے اور قید پر بھی داخل ہوتا ہے یہاں نسبت کلامیہ مقید ہے ،اور خارجیہ اور مطابق وعدم مطابق قید ہے ۔اگر حرف نفی کو دونوں پر داخل کریں تو مطلب ہوگا کہ انشاء کیلئے تینوں چیزیں نہیں ہے اور اگر حرف قید پر داخل ہو مگر یہ بات درست نہیں ہے اسلئے کہ انشاء کیلئے نسبت کلامیہ ہوتی ہے۔اگر صرف قید پر داخل کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ انشاء کیلئے نسبت کلامیہ ہے مگر نسبت خارجیہ نہیں کہ نسبت کلامیہ اس کے مطابق یا عدم مطابق ہو یہ تعریف صحیح تو ہے مگر شارح کے تحقیق کے خلاف ہے شارح ان دونوں کے درمیان اس طرح فرق کے قائل ہیں کہ تینوں چیزیں دونوں کیلئے ثابت ہے البتہ خبر کیلئے مطابقت،اور عدم مطابقت کا قصد متکلم ہوتا ہے۔اور انشاء کیلئے قصد وارادہ نہیں ہوتا۔

قوله : لان النسبة المفهومة الخ۔

نسبت خارجیہ کے ثبوت کی دلیل یہ ہے کہ جو نسبت مسند اور مسند الیہ کا ذہن میں ہوتی ہے اس سے قطع نظر ان دونوں کا خارج میں پایا جانا ضروری ہے چاہے نسبت امور خارجیہ میں سے ہو جیسے کہ حکماء کا مذہب ہے یا امور اعتباریہ ہو۔ جیسے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، کمامرّ۔

قوله : لاوجه تخصيص الخ۔

شارح کہتے ہیں کہ ماتنؒ کا خبر کو مسند الیہ، مسند اور اسناد کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ نہیں ہے اس لئے کہ انکا انشاء کے ساتھ بھی تعلق ہوسکتا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ خبر کے عظیم الشان ہونے کی طرف اشارہ کرنے کیلئے تخصیص کردی ہے اس لئے کہ خبر میں فوائد زیادہ ہیں بنسبت انشاء کے۔

قوله : لفائدة الخ۔

ماتنؒ نے اس لفظ سے احتراز کیا تطول اور حشو سے بچتے ہوئے اسلئے کہ کلام طویل اور حشو فائدے سے خالی ہوتی ہے۔ البتہ تطویل میں لفظ زائد متعین ہوتا ہے اور حشو میں غیر متعین ہوتا ہے۔

قوله : هذا كله الخ۔

شارحؒ ماتنؒ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ مقصود کو ان چیزوں میں منحصر کرنے کیلئے وجہ حصر بیان کرنے کیلئے ضرورت نہیں تھی اسلئے کہ یہ فائدے سے خالی ہے کیونکہ مقصود کو ان سے کم چیزوں پر بھی منحصر کیا جاسکتا تھا بایں طور کہ قصر، فصل، وصل، ایجاز وغیرہ یا تو جملے کے احوال میں سے ہے، یا مسند الیہ کے احوال میں سے ہیں یا مسند کے احوال میں سے ہیں۔ الگ باب گنوانے کی ضرورت نہیں تھی۔

قوله : فالواجب الخ۔

بلکہ اس مقام پر اس بات کی صراحت ضروری تھی کہ قصر، فصل، وصل، اطناب، اور ایجاز کو الگ باب میں کیوں بیان کیا جبکہ مصنف نے اس بات کی صراحت نہیں کی جبکہ بندہ نے شرح مطول میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔

تنبیه : تنبیہ سے ماقبل اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہیں اجمال یہ تھا اگر نسبت کلامیہ خارجیہ

کے موافق ہو، یا عدم موافق تو وہ خبر ہے اور خبر وہ ہوتا ہے جو صدق اور کذب کا احتمال رکھتا ہے خبر کی صدق اور کذب کے منحصر ہونے میں اختلاف ہے جو جمہور اور نظام معتزلی اور جاحظ کے درمیان

جمہور اور نظام معتزلی کا مذہب : یہ ہے کہ خبر صدق اور کذب میں منحصر ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔

جبکہ امام جاحظ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے علاوہ ایک اور قسم ہے جس کو لا صادق ولا کاذب کہا جاتا ہے پھر ان کے درمیان صدق و کذب کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور کا مسلک : یہ ہے کہ صدق وہ خبر ہے جو واقع کے مطابق ہو اور کذب وہ خبر جو واقع کے مطابق نہ ہو جب کہ۔

نظام معتزلی کا مسلک : یہ ہے کہ صدق وہ خبر ہے جو مخبر کے اعتقاد کے موافق ہو اگر چہ خلاف واقع ہو اور کذب وہ ہے جو مخبر کے اعتقاد کے موافق نہ ہو اگر چہ واقع کے موافق ہو چنانچہ "اسماء تحتنا" اگر مخبر کے اعتقاد کے موافق ہے تو صدق ہے حالانکہ یہ خلاف واقع ہے اور "اسماء فوقنا" اگر مخبر کے اعتقاد کے موافق نہیں ہے تو کذب ہے اگر چہ واقع کے مطابق ہے۔

قولہ : المراد باعتقاد الخ۔

اعتقاد سے مراد حکم ذہنی ہے چاہے وہ حکم ذہنی یقین کے صورت میں ہو یا ظن کی صورت میں ہو۔ لہذا یہ علم اور ظن کو بھی شامل ہے۔

قولہ : وھذا یشکل بخبر الشاک الخ۔

کہتے ہیں کہ ھذا یشکل سے مخبر کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا خبر شاک صدق ہے، یا کذب ہے۔

تو اس کا جواب دیا کہ یہ کذب میں شامل ہے اسلئے کہ یہ مخبر کے اعتقاد کے موافق نہیں ہے۔

قولہ : والکلام فی ان المشکوک الخ۔

جواب کی طرف اشارہ ہے کہ نظام معتزلی نے اپنے مسلک کے تائید میں اس آیت سے استدلال کیا ہے پوری آیت کتاب میں مذکور ہے۔ اس آیت میں "انك لرسول الله" منافقین کا قول ہے جو واقع کے مطابق ہے مگر منافقین کے اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے

ان کوکاذب قرار دیا حالانکہ یہ واقع کے موافق ہے۔

جمہور نے نظام معتزلی کے استدلال کو تین طریقوں سے رد کیا۔[۱] کہ کاذب ہونے کا تعلق شہادت سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب شہادت میں کی اسلئے کہ شہادت دل زبان کے موافق ہونے کا نام ہے جبکہ منافقین کی زبان ان کے دل کی موافق نہیں تھی لہذا اس کو شہادت کہنے میں کاذب ہیں۔

[۲] کہ کذب کا تعلق نشھد سے ہے اپنے اس قول کو شہادت کا نام رکھنے میں کاذب ہیں اسلئے کہ شہادت اس کو کہتے ہیں جو متکلم کے اعتقاد کے موافق ہو جبکہ یہ خبر انکے اعتقاد کے موافق نہیں ہے

[۳] کہ کذب ہونے کا تعلق مشھود بہ سے ہے یعنی "انک لرسول اللہ" ہے مگر اسلئے نہیں کہ یہ بات خلاف واقع ہے بلکہ ان کے گمان فاسد اور اعتقاد باطل کے مطابق۔ یہ خبر واقع ہے اور وہ اپنے اعتقاد میں کاذب ہے اس لئے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ واقع کے مطابق نہیں۔

قولہ : وَالجاحظ الخ۔

یہاں سے دوسرا مسلک علامہ جاحظ کا ہے کہ خبر صدق اور کذب میں منحصر نہیں ہے ان دونوں کے درمیان واسطہ ثابت ہے۔ علامہ جاحظ کے نزدیک صدق کی تعریف یہ ہے کہ خبر واقع کے مطابق ہو اور مخبر کے اعتقاد کے بھی موافق ہو۔ اور کذب یہ ہے کہ خبر واقع کے مطابق نہ ہو اور مخبر کے اعتقاد کے بھی موافق نہ ہو ان دوقسموں کے علاوہ چار قسمیں وہ ہیں جو نہ صدق اور نہ کذب ہے۔

[۱] خبر واقع کے مطابق ہو مگر مخبر کو مطابقت کا اعتبار نہ ہو۔[۲] خبر واقع کے مطابق ہو مگر مخبر کو مطلقاً اعتقاد نہ ہو نہ مطابقت کا اور نہ عدم مطابقت کا۔[۳] خبر خلاف واقع ہو اور مخبر کو خلاف واقع ہونے کا اعتقاد ہو۔[۴] خبر خلاف واقع ہو اور مخبر کو مطلقاً اعتقاد نہ ہو نہ مطابقت کا اور نہ عدم مطابقت کا۔

پہلی دونوں قسمیں صادق اسلئے نہیں کہ وہ اعتقاد کے خلاف ہے اور کاذب اسلئے نہیں کہ وہ مطابق واقع نہیں دوسری دوقسمیں صادق اسلئے نہیں کہ وہ خلاف واقع ہیں۔ اور کاذب اسلئے نہیں کہ وہ اعتقاد کے موافق ہے گویا کہ علامہ جاحظ کی تعریف خاص ہے اور جمہور کی تعریف عام ہے خاص

کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔

قوله : بناء علی ان اعتقادالخ۔

اس عبارت سے مقصدیہ ہے کہ اعتقادمطابق اورمطابق اعتقادمیں توافق (تساوی) ہے لہذاایک دوسرے کومستلزم ہے اسی طرح اعتقادعدم مطابقت مستلزم ہے عدم مطابقت اعتقادکولہذاایک کوذکرکیا گیااوردوسرے کوچھوڑدیا گیابوجہ استلزام کے علامہ جاحظ کی دلیل "اِفۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ" جب نبی کریمؐ نے حشرونشر کی خبردی یعنی احیاء بعدالموت تو کفار نے کہا کہ یہ بات یاتواللہ تعالیٰ پرافتراء ہے۔اوریاحالت جنون میں خبردیتا ہے گویا کہ یہ دوباتیں قضیہ منفصلہ حقیقیہ کے طور پرہیں ان دوباتوں میں سے ایک کاہوناضروری ہے نہ دونوں جمع ہوسکتے ہیں اورنہ خالی لہذااخبارحالت جنون کذب کی قسیم ہوگئی اورقسیم اپنے قسم کاغیرہوتاہے گویا کہ "ام بہ جنۃ" کذب نہیں ہے اسلئے کہ کذب کی قسیم اورصدق بھی نہیں اسلئے کہ کفارنے حضورؐ کوصادق ماننے کاارادہ نہیں کیالہذاواسطہ ثابت ہوا۔

قوله : ولوقال انهم اعتقدوا الخ۔

شارح کہتے ہیں کہ ماتنؒ نے "لم یعتقدوا" کے بجائے "اعتقدوا" وعدم صدق کہہ دیتے تومدعیٰ کیلئے زیادہ ظاہرہوتااسلئے کہ "لم یعتقدوا" کامطلب یہ ہوسکتاہے کہ کفارکوحضوراکرمؐ کے بارے میں اعتقادصدق نہیں ہے اورہوسکتاہے کہ اس خبرمیں صادق ہوکیونکہ عدم اعتقادصدق اورعدم صدق کومستلزم نہیں ہے۔

قوله : وعلی هذالایتوجه الخ۔

شارحؒ کہتے ہیں کہ ہماری اس تشریح سے علامہ خلخالی کااعتراض بھی دفع ہوگیاان کااعتراض بھی یہی تھاکہ اس دلیل سے عدم صدق لازم نہیں تھالہذاصدق لازم آئے گااورواسطہ ثابت نہیں ہوگا۔

ہم نے جواب دیاکہ یہ دلیل ہے عدم ارادہ صدق کی کہ کفارنے حضوراکرم ﷺ کوصادق ہونے کاارادہ نہیں کیا۔

قوله : وَردهذاالاستدلال الخ۔

جمہور کی طرف سے جاحظ کو جواب یہ دیا گیا کہ اس آیت میں مجاز مرسل ہے اور مجاز مرسل کہا جاتا ہے کہ ملزوم بول کر لازم مراد لینا چنانچہ اس مقام میں اخبار حالت جنون بول کر لم یفتر مراد لیا گیا (بغیر قصد کے جھوٹ بولنا) اور لم یفتر لازم ہے اخبار حالت جنون کو گویا کہ کفار کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے اس کلام یا تو قصداً جھوٹ بول رہا ہے (معاذ اللہ) یا بغیر قصد کے (معاذ اللہ) لہٰذا واسطہ ثابت نہیں ہوا اسلئے کہ کذب کی دو قسمیں ہوگئی۔[۱] کذب عمد [۲] کذب غیر عمد۔

قوله : احوال اسنادالخبرالخ۔

اسناد خبری۔ اسناد کہا جاتا ہے ایک بات کا فائدہ پہنچنے کہ ان میں سے ایک دوسرے کیلئے ثابت ہے یا نفی ہے۔

قوله : وانماقدم الخ۔

خبر کی بحث کو انشاء سے مقدم کیا خبر کی عظمت شان کی وجہ سے اور کثرت کی مباحث پر مشتمل ہونے کی وجہ سے عظیم الشان اسلئے ہے کہ تمام اعتقادات اور اکثر محاورات اسی قبیل سے ہے اور کثرت مباحث والی اسلئے ہے کہ وہ نکات اور خواص جنکا بلغاء اپنے تراکیب میں اعتبار کرتے ہیں خبر میں پائے جاتے ہیں اسناد کے احوال کو مقدم کیا مسند الیہ اور مسند سے باوجود اس کے کہ یہ ان دونوں سے مؤخر ہے اسلئے کہ ان دونوں کی پہچان اس پر موقوف ہے کیونکہ خبر کے اندر ذات طرفین مراد نہیں ہوتے بلکہ وصف مراد ہوتا ہے یعنی مسند اور مسند الیہ ہونا اور وصف کی پہچان اسناد کے بعد ہوتا ہے۔

قوله : لاشک ان قصدالمخبرالخ۔

مُخبر کا مقصود خبر سے خبر دینا اور اطلاع دینا ہے اس بحث میں ورنہ خبر اس کے علاوہ کیلئے بھی آتی ہے۔ مثلاً اظہار غم کیلئے جیسا کہ حکایت" امراۃ العمران " اظہار حیرت کیلئے" رب انی وھن العظم منی الخ" اظہار مسرت کیلئے جیسے حضرنی العلماء :۔

خلاصه : یہ ہے کہ خبر سے اصل مقصود دو چیزیں ہیں۔

[۱] فائدہ حکم مخاطب کو حکم کا فائدہ پہنچانا جبکہ وہ خالی الذہن ہو۔[۲] اپنے عالم بالحکم ہونے

کو بتلانا جبکہ مخاطب کو اسکی خبر پہلے سے ہو۔

قولہ : والمراد بالحکم ھھنا الخ۔

یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حکم سے مراد وقوع النسبت ،اور لاوقوع النسبت ہے۔یہی اہل عربیت کی اصطلاح ہے ورنہ عند المناطقہ ایقاع النسبت اور انتزاع النسبت کو بھی حکم کہا جاتا ہے۔

قولہ : وکونہ مقصودا للمخبر الخ۔

مخبر کے ذریعے حکم کا فائدہ پہنچانے کیلئے اس حکم کا خارج میں تحقیق ضروری ہے۔

قولہ : وھذا مراد الخ۔

اور یہی مراد ہے ان لوگوں کے اس قول کا جنہوں نے کہا ہے کہ خبر ثبوت معنی اور انتفاع معنی پر دلالت نہیں کرتا مثلاً زَیْدٌ قَائِمٌ ایک حکم ہے اس کا مقصد ثبوت قیام للزید کا خبر دینا ہے قطع نظر اس کے عدم ثبوت کا اسلئے کہ وہ احتمال عقلی ہے جس کا یہاں اعتبار نہیں ہے۔

قولہ : ویسم الاول الخ۔

مخبر کا مقصود اگر حکم کا فائدہ پہنچانا ہے تو اس کو افادۃ الحکم کہا جاتا ہے اور فائدۃ الخبر بھی کہا جاتا ہے اسلئے کہ حکم خبر کا فائدہ دیتا ہے اور اگر مخبر کا مقصود عالم بالحکم کو بتلانا مقصود ہے تو اسکو لازم فائدۃ الخبر کہا جاتا ہے اسلئے کہ یہ دونوں کو شامل ہے۔فائدۃ الخبر کو بھی اور عالم بالحکم کو بھی جبکہ فائدۃ الخبر کیلئے لازم فائدۃ الخبر ضروری نہیں اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ مخاطب کو خبر سے پہلے حکم معلوم ہو مثلاً کوئی شخص دوسرے سے کہتا ہے جس نے قرآن یاد کیا ہو کہ "قد حفظت القرآن" جبکہ مخاطب کو حفظ قرآن کا پہلے سے علم ہو۔

قولہ : والمراد بکونہ عالماً الخ۔

یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : متکلم کو اپنے خبر میں شک ہو یا گمان ہو یقین نہ ہو تو اس میں افادہ خبر تو ہے مگر لازم فائدہ نہیں ہے۔

جواب : حکم یا خبر سے مراد حکم ذہنی ہے چاہے علم ہو یا ظن ہو یا شک ہو۔

قوله : وقدينزل المخاطب الخ ۔

احوال اسناد میں سے ایک حال یہ ہے کہ کبھی متکلم فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کے عالم کو جاہل کا درجہ دیتا ہے اور وہ کلام کرتا ہے جو ایک جاہل سے کیا جاتا ہے کہ وہ عالم مقتضی علم پر عمل نہیں کرتا ہے جیسے تارک صلوۃ سے کہا جائے کہ نماز واجب ہے۔

نوٹ : کبھی مطلق عالم کو جاہل کے مرتبے میں اتارا جاتا ہے اس کو ایک شیئی کا علم ہو یا دونوں کا اور کبھی دونوں کے جاننے والے کو جاہل کا درجہ دیا جاتا ہے۔

قوله : وتنزيل العالم الخ ۔

اور کبھی عالم بالشیئ کو جاہل بالشیئ کا درجہ دیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ کے اس کلام میں ہے آیت " وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ الخ ۔" اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا کہ بے شک یہود جانتے ہیں جس کو انہوں نے خریدا ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور بری خریداری ہے اپنے نفسوں کا کاش کہ وہ لوگ جانتے تھے۔ اس آیت میں خریداری سے مراد سحر کے کتاب کو توراۃ کے مقابلے میں خریدنا ہے چنانچہ اس آیت میں عالم بالشیئ کو جاہل کا درجہ دیا اسلئے کہ لقد علموا سے ان کے عالم ہونا معلوم ہوتا ہے لو کانوا یعلمون سے جاہل کا درجہ دیا گیا ہے اور کبھی وجود الشیئ کو عدم الشیئ کا درجہ دیا جاتا ہے جیسے اللہ جل جلالہ کے اس کلام میں ہے کہ " ومارميت اذرميت ولكن الله رمى " کہ حضور ﷺ کی کنکریاں پھینکنے سے جو اثر ظاہر ہوا اس کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے کہ اصل تاثیر اللہ کی ذات کی طرف سے ہے گویا کہ آپ ﷺ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

قوله : فينبغى الخ ۔

فاء تفریعیہ ہے ماقبل کے اصول سے کہ مخبر جو اپنے خبر سے حکم کا فائدہ پہنچانا چاہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے کلام کو بقدر ضرورت تراکیب پر مشتمل کرے لغو سے بچتے ہوئے اور مخاطب کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

[۱] مخاطب خالی الذہن ہو ایجاب حکم سے یا سلب حکم سے یا اس کو تردد ہو ایقاع نسبت، یا انتزاع نسبت کا تو متکلم کلام کو تاکیدات سے خالی کرے۔

قولہ : وبھذاتبین الخ۔

اعتراض : خالی الذہن ہونا تردد کو مستلزم ہے پھر تردد کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب : شارح نے کہا کہ استلزام ثابت نہیں ہے اسلئے کہ حکم سے مراد اذعان ہے جبکہ تردد میں اذعان نہیں ہوتا لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی ہوگئے اور ایک منافی دوسرے کو مستلزم نہیں ہوتا ہے۔

[۲] اگر مخاطب متردد ہے وقوع نسبت، یالاوقوع نسبت میں تو پھر کلام کو مؤکد کرنا مستحسن ہے تاکہ تردد ختم ہو جائے اور حکم اس کے ذہن میں بیٹھ جائے مگر دلائل اعجاز میں اس کے خلاف لکھا ہے وہ اس طرح کہ اگر مخاطب متردد ہے تو کلام کو تاکید سے خالی کرنا ضروری ہے، اور اگر ظن میں مبتلا ہے تو پھر تاکید مستحسن ہے۔

[۳] اگر مخاطب منکر حکم ہے تو پھر کلام کو تاکید کے ساتھ مؤکد کرنا درست ہے بقدر انکار۔ اور انکار میں قوت وضعف کا اعتبار ہے عدد کا اعتبار نہیں۔ مصنفؒ نے پہلی دو قسموں کی مثال نہیں دی بوجہ واضح ہونے اور آسان ہونے کے، اور تیسری قسم کی مثال دی کہ جب حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے دو قاصد یحیؑ، اور بولش اہل انطاکیہ کی طرف پیغام حق کے ساتھ بھیجا تو اہل انطاکیہ نے انکار کیا "انا الیکم لمرسلون" اور پھر ان دو کی تقویت کیلئے شمعون کو بھیجا تو انکا انکار اور بھڑ گیا چنانچہ انہوں نے کہا "ما انتم الا بشر مثلنا الخ ۔۔" تین تاکیدات کے ساتھ انکار کیا تو قاصدوں نے اپنے کلام کو بھی مؤکد کرتے ہوئے فرمایا کہ "انا الیکم لمرسلون" حاصل کلام یہ ہے کہ جتنا انکار ہوگا اتنا ہی کلام کو مؤکد کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

قولہ : ویسمی الضرب الاول الخ۔

پہلی قسم کا نام ابتدائیہ ہے جو کلام تاکید سے خالی ہو اور دوسرے کا نام جس میں تاکید مستحسن ہے طلبی ہے، اور تیسرے کا نام جس میں تاکید واجب ہے انکاری ہے، اور کلام کو اس طریقے پر لانا یعنی مذکورہ تین طریقوں پر لانا مقتضی ظاہر کہا جاتا ہے، اور یہ خاص ہوتا ہے مقتضی حال سے گویا کہ ہر مقتضی ظاہر مقتضی حال ہوتا ہے مگر ہر مقتضی حال مقتضی ظاہر نہیں ہوسکتا۔

قولہ : وکثیراما یخرج الکلام الخ۔

بسااوقات کلام کو مقتضی ظاہر کے خلاف لایا جاتا ہے چنانچہ غیر سائل کو سائل کا درجہ دیا جاتا ہے اس وقت جب اس غیر سائل کے سامنے ایسا کلام پیش کیا جائے جو کلام کسی دوسرے کلام کی طرف مشیر ہو تو غیر سائل اس دوسرے کلام کے انتظار میں ہوتا ہے مگر زبان سے کچھ کہتا نہیں اس کو سائل کا درجہ دیکر کلام کو تاکید کے ساتھ لایا جاتا ہے گویا کہ وہ متردد ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام سے فرمایا کہ ظالموں کے بارے میں مجھ سے مت پوچھو اور میری نگرانی میں کشتی بناؤ یہ کلام اس بات کی طرف مشیر ہے کہ قوم کا عذاب غرق کی صورت میں ہے۔ تو حضرت نوح کو تردد ہوا کہ غرق مقدر ہو چکا ہے، یا نہیں تو ان سے کہا گیا کہ "انھم مغرقون" ان کے غرق کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس میں کلام کو تاکید کے ساتھ لانا مستحسن ہے

قولہ : غیرالمنکر کالمنکر الخ۔

کبھی غیر منکر کو منکر کا درجہ دیا جاتا ہے جب اس میں علامات انکار پایا جائے اس وقت کلام کو مؤکد کرنا واجب قرار دیا جاتا ہے اسلئے کہ منکر کیلئے کلام تاکید کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ "حجل بن نضلہ" کا شعر ہے "شقیق" کے بارے میں جاء شقیق عارضا رمحہ

ترجمہ: کہ شقیق آیا اپنے نیزے کو عرضا رکھتے ہوئے۔ نیزے کو عرضا رکھنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ دشمن سے بے خوف ہے اور دشمن کے پاس اسلحے کا انکار کر رہا ہے تو چنانچہ کلام کو تاکید کے ساتھ پیش کیا گیا اور کہا "ان بنی عمک فیھم رماح" ترجمہ: بیشک تمہارے چچازاد بھائیوں کے پاس نیزے موجود ہیں بقول تفتازانی کے اس شعر میں شقیق کا مذاق اڑایا گیا ہے جیسا کہ اس کی طرف اشارہ کیا ہے امام مرزوقی نے کہ شقیق اتنا ضعیف اور بزدل ہے کہ اگر اس کو یہ علم ہوتا کہ ان کے دشمن کے پاس اسلحہ ہے تو وہ جنگ کی طرف التفات نہ کرتے اور ان کے ہاتھ نیزہ اٹھانے پر قادر نہ ہوتے مگر انہوں نے معاملہ کو برعکس سمجھ کر نیزہ اٹھایا ہے اور اس کو بھی عرضا رکھا ہے۔

نوٹ: نیزے کو عرضا رکھنا دشمن سے بے خوف ہونے کی علامت ہے۔

قولہ : علی طریقہ الخ۔

اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ابوثمامہ علی براء بن عازب انصاری نے محرز نامی شخص کا جنگ میں مذاق اڑاتے ہوئے کہا "فقلت للمحرز "میں نے محرز سے کہا جسکا تعلق قبیلہ ضبہ سے تھا جنگ کے وقت کہ ہٹ جاؤ اژدھام آپ کو روندھ نہ ڈالے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ محرز جنگی شدائد اور اعلام و مصائب سے بے خبر ہے اور وہ ایسا ہے جیسا کہ بچے اور عورتیں ہیں کہ جس طرح بچوں کا خوف ہوتا ہے انکی کمزوری کی وجہ سے قلت غنی کی وجہ سے اور عورتوں کا خوف ہوتا ہے انکے نازک ہونے کی وجہ سے تو محرز پر خوف آیا کہ یہ بھی جنگی اعلام سے واقف نہیں اسلئے اس کا مذاق اڑایا۔

قوله : يجعل المنكر كغير المنكر الخ۔

خلاف مقتضی ظاہر کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ کبھی منکر کو غیر منکر کا درجہ دیا جاتا ہے ایسے دلائل کی وجہ سے اگر وہ ان دلائل پر غور کرلے تو وہ انکار سے بعض آسکتا ہے۔

قولـه : كونه اذا كان معه الخ ۔۔۔کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلائل اس کو معلوم ہوا ور اس کے مشاہدے میں ہو جیسا کہ منکر اسلام سے کہا جائے کہ "الاسلام حق "اسلام حق ہے بغیر تاکید کے اسلئے کہ اس منکر کے پاس ایسے دلائل ہیں کہ اسلام کی حقانیت پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کا معجز ہونا اور صاحب قرآن کا مسلم فی الصداقت (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)ہونا۔

قوله : قيل معنى كونه معه الخ۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلائل نفس الامر میں موجود ہو اس کو معلوم ہو یا نہ ہو لیکن یہ بات درست نہیں ہے اسلئے کہ نفس الدلائل کا واقع میں موجود ہونا ازالہ انکار کیلئے کافی نہیں ہے جب تک اس کو حاصل نہ ہو اور بعض حضرات نے اس سے عقل مراد لیا ہے کہ اس کے پاس عقل ہو اور عقل میں غور و فکر کرے لیکن یہ بات غلط ہے اسلئے کہ عقل میں غور و فکر نہیں کیا جاتا بلکہ عقل کے ذریعے غور و فکر کیا جاتا ہے اگر مصنف کا مقصود یہ ہوتا تو "یتامل "کہتا۔ حاصل یہ ہے کہ منکر کو غیر منکر کا درجہ دیکر کلام کو غیر مؤکد لایا جائیگا ماتن نے اس کی مثال قرآن سے دی ہے "لاریب فیہ" کہ منکر قرآن کو غیر منکر کا درجہ دیکر کلام

کو بغیر تاکید کے لایا گیا اور فرمایا کہ یہ قرآن محل ریب نہیں ہے اور اس میں شک کرنا مناسب نہیں ہے گویا کہ منکرین قرآن کو غیر منکر کا درجہ دیکر کلام کو تاکید سے خالی لایا گیا ان دلائل کی وجہ سے جو قرآن کے لاریب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

قوله : والاحسن ان يقال الخ ـ

شارحؒ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ لاریب کو مثال قرار دینے کے بجائے وجود شئی کو عدم شئی کا درجہ دینے کی نظیر قرار دینا بہتر ہے گویا کہ ریب المرتابین کو عدم ریب کا درجہ دیا اعتماد کرتے ہوئے ان دلائل پر جو ریب کی نفی کرتی ہیں اور یہ احسن اسلئے ہے کہ اس میں نفی کے اعتبار سے مبالغہ زیادہ ہے کیونکہ مثال کی صورت میں مخاطبین کے اعتبار سے شک کی نفی کی گئی کہ اس میں شک نہیں کرنا چاہیئے اور نظیر کی صورت میں عدم کا درجہ دیکر کہا کہ اس میں شک ہے ہی نہیں۔

قوله : وهكذا الخ ـ

شارحؒ کی غرض اس عبارت سے یہ ہے کہ جو اعتبارات ثلاثہ کلام مثبت میں پائے جاتے ہیں وہی اعتبارات ثلاثہ کلام منفی میں بھی پائے جاتے ہیں نفی ابتدیہ کی مثال "ما زید قائما" نفی طلب کی مثال "ما زید بقائم" نفی منکر کی مثال "واللہ ما زید بقائم"۔

قوله : ثم الاسناد الخ ـ

اسناد چاہے خبری ہو یا انشائی ہو وہ دو قسموں پر مشتمل ہے [۱] حقیقت عقلیہ [۲] مجاز۔

قوله : ولم يقل امّا حقيقة الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے حصر کے ساتھ اس کو بیان نہیں کیا اسلئے کہ مصنفؒ کے نزدیک بعض اسناد ایسی ہے کہ جو نہ حقیقت اور نہ مجاز ہے یہ اس وقت ہوگا کہ جب مسند نہ فعل، اور نہ شبہ فعل ہو جیسے "الحیوان جسم والانسان حیوان"۔

قوله : وَجعل الحقيقة الخ ـ

مصنفؒ نے حقیقت اور مجاز کو اسناد کا صفت بنایا نہ کلام کا اسلئے کہ کلام حقیقت اور مجاز کے ساتھ متصف ہوتا ہے اسناد کے اعتبار سے (یعنی واسطے سے)۔

قوله : واوردهما الخ ـ

حقیقت ومجاز کو علم معانی میں بیان کیا نہ کہ علم بیان میں اسلئے کہ یہ لفظ کے احوال میں سے ہیں اور لفظ کے احوال سے علم معانی میں بحث کی جاتی ہے نہ علم بیان میں۔

قوله : وهی ای الحقیقة العقلیة الخ۔

یہاں حقیقت عقلیہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔

حقیقة عقلیه کی تعریف : حقیقت عقلیہ کہا جاتا ہے فعل یا معنی فعل کو اس شئی کی طرف منسوب کرنا جو فعل یا معنی فعل کیلئے ثابت ہو متکلم کے نزدیک۔ متکلم کے ظاہر حال کے موافق یوں بھی کہا جاتا ہے "اسناد الشئی الی ماهوله" شئی کی اس چیز کی طرف نسبت کرنا جو اس کیلئے ثابت ہو متکلم کے نزدیک متکلم کے ظاہر حال کے موافق۔ فعل سے مراد فعل اصطلاحی ہے معنی فعل سے مراد اسماء مشتقات ہے [ما] سے مراد شئی ہے [ھو] سے مراد فعل یا معنی فعل ہے جیسا کہ فعل معروف کی نسبت کر دینا فاعل کی طرف اور مجہول کی نسبت کر دینا مفعول کی طرف۔

قوله : عند المتکلم الخ۔

اس سے مراد وہ اسناد ہے جو متکلم کے اعتقاد کے موافق ہو اور واقع کے مطابق نہ ہو، یا واقع کے بھی مطابق ہو "فی الظاہر" سے مراد وہ اسناد ہے جو متکلم کے اعتقاد کے موافق نہ ہو واقع کے مطابق ہو، یا نہ ہو فعل یا معنی فعل کی اسناد الی ماهوله کی طرف ایسی ہو کہ متکلم کے ظاہر حال اس کے موافق ہو اور اس کے خلاف کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔

قوله : وحقه ان یسند الیه الخ۔

فعل اور معنی فعل کا اس شئی کے ساتھ قائم ہونا، یا اس کیلئے وصف ہونا۔ وصف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل اور معنی فعل کے مناسبات میں سے ہو کہ جن کی طرف ان کو نسبت کیا جائے چاہے وہ فعل اس کے اختیار میں ہو یا نہ ہو جیسا کہ فعل غیر اختیاری کی مثال "ارتعش زید" فعل اختیاری کی مثال ضرب زید۔

نوٹ : غیر اختیاری عام ہے چاہے وہ اللہ کا فعل ہو جیسے "مات زید" یا بندے کا فعل ہو مگر اختیار سے نہ ہو جیسے "زید مرتعش"۔

حقیقۃ عقلیہ: کے چار اقسام ہیں۔[۱] وہ اسناد جو واقع کے بھی مطابق ہو اور اعتقاد کے بھی مطابق ہو جیسے مؤمن کا قول "انبت اللہ البقل" [۲] اعتقاد کے مطابق ہو واقع کے مطابق نہ ہو جیسے غیر مؤمن کا قول "انبت الربیع البقل" [۳] جو صرف واقع کے مطابق ہو اعتقاد کے موافق نہ ہو جیسے کہ معتزلی کا قول اس شخص سے جو ان کے عقائد سے واقف نہ ہو اور معتزلی اپنے عقائد چھپانا چاہتے ہو "خلق اللہ الافعال کلھا" اللہ تعالیٰ نے تمام افعال کو پیدا کیا ہیں۔ یہ قول واقع کے مطابق ہے مگر متکلم کے اعتقاد کے مخالف ہے اسلئے کہ انکا عقیدہ ہے کہ افعال کا خالق بندہ ہے۔

[۴] دونوں کے موافق نہ ہو۔ نہ واقع کے نہ اعتقاد کے جیسا کہ متکلم کا یہ کہنا کہ زید آیا ہے حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ زید نہیں آیا ہے۔ اور مخاطب کو بھی معلوم نہیں ہے کہ زید آیا ہے یا نہیں اسلئے کہ اگر مخاطب کو علم ہوگا تو پھر یہ حقیقت عقلیہ نہیں ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ متکلم نے کوئی اور مراد لیا ہو اور اس غیر مراد پر علم مخاطب کو قرینہ قرار دیا ہو۔

قولہ : منہ ای من الاسناد مجاز الخ ۔

اسناد کی دوسری قسم اسناد مجازی ہے جس کو مجاز عقلی بھی کہا جاتا ہے مجاز حکمی اور مجاز فی الاثبات بھی کہا جاتا ہے۔ مجاز عقلی اسلئے کہا جاتا ہے کہ مجاز کا معنی ہے تجاوز کرنا چونکہ مسند الیہ ماھولہ سے غیر ماھولہ کی طرف تجاوز کرتا ہے۔ اور عقلی اسلئے کہتے ہیں کہ عقل اس مجاز کو جائز سمجھتا ہے اور مجاز حکمی اسلئے کہا جاتا ہے کہ حکم حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اور مجاز فی الاثبات اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسناد فی الاثبات میں تجاوز کیا گیا اگر چہ نفی میں بھی ہوتا ہے مگر اصل کو ذکر کیا اور اسناد مجازی اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسناد حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے۔

مجاز عقلی کی تعریف : مجاز عقلی کہا جاتا ہے فعل یا معنی فعل کی نسبت کرنا قرینے کیساتھ ایسے ملابس کی طرف جو غیر ماھولہ ہو یعنی اس کیلئے ثابت نہ ہو جیسا کہ مبنی للفاعل میں غیر فاعل کا مسند الیہ ہونا اور مبنی للمفعول میں غیر مفعول کا مسند الیہ ہونا۔

قولہ : سواء کان ذلک الخ ۔

غیر ماھولہ میں تعمیم ہے چاہے وہ متکلم کے نزدیک ہو چاہے واقع میں ہو۔

قوله : وبهذاسقط الخ ۔

ما قبل تعمیم سے یہ اعتراض بھی دور ہو گیا۔

اعتراض : یہ ہے کہ غیر ماھولہ سے کیا مراد ہے اگر عندالمتکلم مراد ہے تو قرینہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئیے اسلئے کہ قرینہ مخاطب کیلئے ہوتا ہے اگر فی الظاہر مراد ہے تو کافر کا یہ قول کہ ''انبت اللہ البقل'' مجاز عقلی سے نکل جائیگا اسلئے کہ واقع میں مسندالیہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جبکہ کافر کی مراد اس سے اسناد مجازی ہے اسلئے کہ وہ ربیع کو مسندالیہ مانتا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں عندالمتکلم بھی اور فی الظاہر بھی مراد ہے لہذا قرینے کی ضرورت ہے اور ''انبت اللہ البقل'' بھی اسناد مجازی ہے عندالکافر عندالمتکلم سے انبت اللہ البقل '' مجاز میں شامل ہو گیا اور فی الظاہر کے قرینے کی ضرورت پڑ گئی اسلئے کہ خارج میں قرینے کا پایا جانا ضروری ہے۔

قوله : بتاول الخ ۔

یہ متعلق ہے اسناد کا تاول کا لغوی معنی ہے رجوع کرنا یہاں تاول سے مراد وہ قرینہ ہے جو حقیقت سے مجاز کی طرف جانے کا سبب ظاہر کرتا ہو حقیقت چاہے حقیقی ہو یا فرض کیا گیا ہو۔

قوله : له ملابسات الخ ۔

اس سے شارح اسناد حقیقی اور مجازی کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فعل کے کئی ملابسات اور متعلقات ہیں۔

[۱] فاعل اسلئے کہ فاعل کے ساتھ فعل کا تعلق ہوتا ہے۔

[۲] مفعول اسلئے کہ فعل اس پر واقع ہوتا ہے۔

[۳] مصدر اسلئے کہ یہ فعل کے مفہوم کا جزء ہے۔

[۴] زمان یہ بھی فعل کے مفہوم کا جز ہے۔

[۵] مکان یہ فعل کیلئے لازم ہے۔

[۶] سبب جسکی وجہ سے فعل قائم ہوتا ہے مفعول معہ، اور حال کو ذکر نہیں کیا اس طرح تمیز، اور مستثنیٰ کو اسلئے کہ فعل ان کی طرف مسند نہیں ہوتا حاصل یہ ہے کہ فعل کو مسند کیا جائے فاعل یا مفعول کی

طرف معروف میں مجہول میں بالترتیب تواسناد حقیقی ہے اگر فعل کی نسبت کی جائے انکے غیر کی طرف جیسا کہ فاعل میں غیر فاعل کی طرف اور مفعول میں غیر مفعول کی طرف تو اسناد مجازی ہے۔

قوله : للملابسات ای لاجل الخ ۔

ملابسات کا مطلب بتانا چاہتے ہیں کہ مسندالیہ مجازی مسندالیہ حقیقی کے مشابہ ہو ملابسات اور تعلقات کے اعتبار سے جیسا کہ عیشۃ راضیۃ

قوله : کقولهم عیشة راضیة الخ ۔

اسناد مجازی کی مثال ہے اس میں فاعل کی نسبت مفعول کی طرف کی گئی ہے اس مثال میں راضیۃ کا فاعل ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے عیشۃ کی طرف اور عیشۃ حقیقت میں مفعول ہے اسلئے کہ زندگی خوش نہیں ہوتی ہے بلکہ صاحب زندگی خوش ہوتا ہے سیل مفعمٌ سیلاب بھرا ہوتا ہے یہ مثال پہلے کا عکس ہے مفعول کے بجائے فاعل کی طرف اسناد کیا گیا ہے اسلئے کہ مفعول کی اسناد مجہول کی طرف ہوتا ہے مفعم کے اندر ضمیر اس کا فاعل ہے لوٹ رہا ہے سیل کی طرف سیلاب بھرا ہوا نہیں ہوتا بلکہ سیلاب بھر دیتا ہے۔

قوله : وشعر شاعر الخ ۔

شعر شاعر ہے اسم فاعل کی نسبت مصدر کی طرف ہے جبکہ ہونا چاہیئے تھا فعل معروف کی طرف۔

قوله : والاولی التمثیل جَدّ جدُّہ الخ ۔

شارح کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ مصدر کی مثال جَدَّ جِدُّہٗ کو بتایا جائے اسلئے کہ شعر شاعر میں شعر کا معنی ہے کلام منظوم لہذا یہ نسبت الی المفعول کی مثال بن سکتی ہے نہ کہ مصدر کی۔

قوله : ونهاره صائم الخ ۔

فاعل کی نسبت زمان کی طرف صائم فاعل ہے ضمیر جو لوٹ رہی ہے نہار کی طرف ہے دن روزہ نہیں ہوتا بلکہ شخص دن میں روزہ دار ہوتا ہے۔

قوله : ونهر جار الخ ۔

نسبت الی المکان کی مثال نہر جاری نہیں ہوتا بلکہ نہر میں پانی جاری ہوتا ہے۔

قوله : بنى الامير المدينة الخ ۔

شہر کے بنانے والا امیر نہیں بلکہ معمار ہوئے ہیں اور حکم اس کا سبب ہوتا ہے۔

قوله : وينبغى ان يعلم الخ ۔

شارح کی غرض اس عبارت سے یہ ہے کہ اسناد مجازی جس طرح نسبت تامہ میں جاری ہوتا ہے اسی طرح غیر تامہ میں بھی جاری ہوتا ہے اس کو نسبت غیر اسنادی کہا جاتا ہے چاہے وہ نسبت غیر اسنادی اضافی ہو یا ایقاعی ہو اضافی کی مثال

"اعجبنى انبات الربيع"

ربیع کے اگانے نے مجھے تعجب میں ڈالدیا انبات الربیع اسناد اضافی ہے اور جیسے "اعجبني جَرْيُ الانهارِ" اسی طرح اللہ تعالٰی کا یہ قول "وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بينهما" شقاق کی اضافت بین کی طرف کی گئی حالانکہ اس کی اضافت زوجین کی طرف ہوتی ہے "وَمَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ" مکر کی اضافت لیل اور نہار کی طرف ہے اصل میں ہے "مكر الناس فى الليل والنهار" یہ تمام مثالیں غیر اسنادی اضافی کی تھی غیر اسنادی ایقاعی کی مثال "نَوَّمْتُ اللَّيْلَ" میں نے رات کو سلادیا اصل میں ہے "نومت الطفل فى الليل" دوسری مثال "اَجْرِيتُ النهر" اصل میں ہے "اجرت الماء فى النهر"۔

قوله : وَلَا تُطِيْعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الخ ۔

اصل میں ہے لا تطیع المسرفین۔

قوله : والتعريف المذكور الخ ۔

یہاں سے ایک سوال جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ اسناد مجازی کی تعریف غیر اسنادی کو شامل نہیں ہے۔

جواب : دیا کہ اسناد مطلق ہے چاہے اسنادی ہو یا غیر اسنادی ہو۔

قوله : وقولنا بتاول الخ ۔

ماتنؒ کہتے ہیں کہ تاوّل کی قید کا فائدہ یہ ہے اس قید کے ذریعے غیر مسلم کا یہ قول "انبت الربيع البقل" اسناد مجازی سے نکل جاتا ہے اسلئے کہ یہ اگر چہ غیر ما ھولہ ہے مگر اس پر کوئی قرینہ

نہیں ہے کیونکہ یہ کافر کا قول ہے جو اس کے اعتقاد کے مطابق ہے یہی تفسیر ہے اور اس کے ذریعے اقوال کاذبہ کو بھی نکالدیا جیسے ''جاء زید'' جبکہ متکلم کو پتہ ہو کہ زید آیا نہیں ہے مگر اس کے جھوٹ پر کوئی قرینہ نہیں ہے اس لئے یہ اسناد حقیقی بن جائیگا نہ کہ مجازی حالانکہ غیر ماھولہ ہے ماتنؒ کی یہ عبارت ''وقولنا بتاول'' درحقیقت علامہ سکاکی پر تعریض ہے اسلئے کہ علامہ سکاکی نے کہا کہ تاول کی قید صرف اقوال کاذبہ کیلئے ہے اور ماتنؒ نے کہا کہ اس کا ایک فائدہ اور بھی ہے کہ غیر مسلم کے اقوال جو اس کے اعتقاد کے موافق ہو خلاف ظاہر ہو وہ بھی نکل جائیگا۔

قوله : ولهذاای ولان الخ۔

مصنفؒ نے کہا تھا ''انبت الربیع البقل'' مجازی ہے اسلئے خارج ہو گیا کہ اسکا ظاہر مراد نہ ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے حالانکہ مجازی عقلی کیلئے قرینہ شرط ہے اسی لئے شاعر کا یہ شعر بھی مجاز عقلی سے خارج ہو جائیگا شعر۔

اشاب الصغیر وافنی الکبیر : کر الغداۃ و مر العشی

ترجمہ : بچوں کو جوان کر دیا اور بوڑھوں کو فناء کر دیا صبح وشام کے انقلاب نے اس شعر میں اشاب اور افنی کی اسناد کر الغداۃ و مر العشی کی طرف ہے مگر اس کا ظاہر مراد نہ ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اسلئے یہ مجاز عقلی ہونے سے نکل جائیگا اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ متکلم کے اعتقاد کے موافق ہو لہذا حقیقت عقلیہ شمار ہوگا اور انبت الربیع البقل کے قبیل سے ہو جائیگا۔

قوله : کمااستدل الخ۔

اور اگر ظاہر مراد نہ ہونے پر کوئی قرینہ موجود ہوگا تو وہ مجاز عقلی میں شمار ہوگا قرینہ موجود ہونے کی مثال ابوالنجم کا یہ شعر ہے۔

میز عنه قنزعا عن قنزع : جذب اللیالی ابطئی او اسرع

ترجمہ : اس کے سر سے جدا کر دیا بالوں کے گچھے نے راتوں کے گزرنے نے اور اختلاف نے اب تو جلدی گزر یا آہستہ سے۔ اس شعر میں [میز] کی اسناد [جذب اللیالی] کی طرف مجازی ہے اور اس پر قرینہ ہے ابوالنجم کا دوسرا شعر جو اس کے بعد آ رہا ہے اور وہ یہ ہے۔

افناه قیل اللہ للشمس اطلعی

ترجمہ : کہ اسکو فناء کر دیا یعنی ابوالنجم کو یا اس کے سر کے بالوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ سورج سے کہا کہ طلوع ہو جاؤ۔ اس شعر میں قرینہ ہے "قیل اللہ" کہ متکلم موحد ہے اور وہ ہر شئی میں موثر حقیقی اللہ کو سمجھتا ہے لہذا پہلے میں ظاہر مراد نہیں ہے۔

قوله : واقسامه ای أقسام المجاز الخ۔

مسند اور مسند الیہ کے اعتبار سے مجاز عقلی کی چار قسمیں ہیں [۱] دونوں حقیقت لغوی ہو جیسے "انبت الربیع" انبت مسند اور الربیع مسند الیہ دونوں اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔

[۲] دونوں مجاز لغوی جیسے "احیی الارض شباب الزمان" زمین کو زندہ کیا زمانے کی جوانی نے مسند "احیی الارض" مجازی ہے اس سے مراد زمین کی قوت نامیہ ہے اور سرسبز و شادابی پیدا کرنا ہے۔ اور "شباب الزمان" مسند الیہ ہے زمانے کی قوت نامیہ ہے اسلئے کہ شباب کی حقیقت حیوان کے اندر حرارت کا قوی اور جوش ہونا ہے۔

[۳] مسند حقیقت ہو اور مسند الیہ مجاز ہو جیسے "انبت البقل شباب الزمان" انبت مسند حقیقی، اور شباب الزمان مسند الیہ مجازی ہے۔

[۴] اسکا عکس ہو یعنی مسند مجازی اور مسند الیہ حقیقی ہو جیسے "احیی الارض الربیع" مسند احیی الارض مجازی ہے اور الربیع مسند الیہ حقیقی ہے یہ چاروں اقسام اگر کسی مؤمن کا قول ہو تو اسناد مجازی کہلائیں گے اگر کسی دہریہ کا قول ہو تو حقیقت عقلیہ کہلائیں گے گویا کہ یہ چاروں اقسام دونوں میں جاری ہو سکتی ہے۔

قوله : ووجه الانحصار الخ۔

چار پر منحصر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک مسند فعل ہوگا یا معنی فعل ہوگا۔ فعل، اور معنی فعل مفرد ہے اور ہر مفرد یا معنی حقیقی میں استعمال ہوگا، یا معنی مجازی میں اس اعتبار سے چار قسمیں ہو جاتی ہیں۔

قوله : وهو فی القرآن کثیر الخ۔

مجاز عقلی قرآن میں بکثرت وارد ہوا ہے کثرت فی نفسہ مراد ہے نہ کہ حقیقت عقلیہ کے اعتبار سے

یہ فرقیہ ظاہریہ پر رد ہے جو قرآن میں مجاز عقلی کے منکر ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مجاز عقلی میں کذب کا شبہ ہے جب کہ قرآن کذب سے پاک ہے۔ جواب یہ ہے کہ جب قرینہ موجود ہو تو پھر کذب پیدا نہیں ہو سکتا اور قرآن کو کثیر پر مقدم کرنے کی وجہ قرآن کی عظمت شان کو بتلانا ہے نہ کہ تخصیص مراد ہے اسلئے کہ مجاز عقلی قرآن کے علاوہ حدیث اور عربی محاورات میں بکثرت مستعمل ہے۔ قرآن میں مجاز عقلی کی مثالیں:-

[۱] واذاتلیت علیهم آیاته زادتهم الخ ۔ زیادتی کی نسبت آیات کی طرف مجازی ہے بوجہ سبب ہونے کے اور حقیقتاً یہ اللہ کا فعل ہے۔

[۲] یُذَبِّحُ اَبْنَائَهُمْ ذبح کی نسبت فرعون کی طرف مجازی ہے حقیقتاً یہ کام فرعون کا لشکر کرتے تھے فرعون کا حکم اس کا سبب ہے۔

[۳] ینزع عنهما لباسهما نزع لباس کی نسبت شیطان کی طرف مجازی ہے حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

[۴] یوما یجعل الولدان شیبا شیب کی نسبت یوم کی طرف مجازی ہے حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ یہ کنایہ ہے اس دن کے کثرت غم و رنج پر مشتمل ہونے سے اسلئے کہ کثرت شدائد کی وجہ سے بڑھاپا جلدی آجاتا ہے۔

[۵] واخرجت الارض اثقالها اخرجت کی نسبت ارض کی طرف مجازی ہے حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

قوله : وغیر مختص بالخبر الخ ـ

یہ عبارت ایک وھم کا ازالہ ہے۔ وہم یہ پیدا ہو رہا تھا کہ مجاز عقلی کا نام مجاز فی الاثبات رکھا گیا اور اس کو احوال اسناد خبری میں لیکر آیا تو مجاز عقلی کا خبر کیساتھ اختصاص کا شبہ پیدا ہو گیا ماتنؒ نے اس کا جواب دیا "بل یجری فی الانشاء" سے کہ مجاز انشاء میں بھی جاری ہوتا ہے جیسے "یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا" یہ جملہ انشائیہ ہے اور نسبت ہے یا ھامان کی طرف جو کہ سبب ہے اور اس کو بنانے والے معمار ہیں اسی طرح یہ قول "فَلْیُنْبِتِ الرَّبِیْعُ مَاشَاءَ" موسم بہار جو بھی چاہے اگائے یہ بھی مجاز فی الانشاء ہے اسلئے کہ فاعل حقیقی اللہ ہے

"والیصم نهارك" یہ بھی مجاز فی الاسناد ہے چاہیئے کہ تمہارا دن روزہ رکھے فاعل حقیقی مخاطب ہے "ولیجد جدك" چاہیئے کہ تمہاری کوشش کرے اس میں بھی فاعل حقیقی مخاطب ہے۔

قوله : وماشبه ذلک الخ۔

اوراس جیسے مثالیں جہاں فعل امر یا فعل نہی کی اسناد اس چیز کی طرف کی گئی ہو جس سے فعل کا صدور اور فعل کا ترک متروک نہ ہو جیسے ماقبل کی مثالیں انشاء کی مثال "لیت النهر جار" کاش کہ نہر جاری ہوتی اصل میں ہے "لیت النماء جارفی النهر" استفہام کی مثال "الصلوة تامرك" کیا آپ کی نماز آپ کو حکم دیتی ہے۔

قوله : ولابدله من قرینة الخ۔

یہاں سے ماتنؒ قرینے کی اقسام بتارہے ہیں کہ مجاز عقلی میں کسی قرینے کا پایا جانا ضروری ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ اسناد ظاہری مراد نہیں ہے اسلئے کہ انتفاء قرینہ کے وقت ذہن حقیقت عقلیہ کی طرف منتقل ہوتا ہے قرینے کی دوقسمیں ہیں قرینہ لفظی لفظ کی صورت میں قرینہ موجود ہو جیسے کہ ابوالنجم کے شعر میں۔

میز جذب اللیالی پر قلیل الله قرینہ موجود ہے یا قرینہ معنوی ہو کہ مسند کا قیام مسندالیہ کیساتھ محال ہو قرینہ معنوی کی دوصورتیں ہیں یا محال عقلاً ہو، یا عادتاً ہوگا۔ عقلی کا مطلب یہ ہے کہ اہل حق اور اہل باطل میں سے کوئی بھی اسناد ظاہری کا قائل نہ ہو اس طور پر کہ عقل اُسکو محال سمجھے جیسا کہ آپ قول "محبتک جائت بی الیک" آپ کی محبت مجھ کو آپ کے پاس لیکر آئی مجئ کی نسبت محبت کی طرف اسناد مجازی ہے جس کا ظاہر میں کوئی بھی قائل نہیں ہے اور اس کی اصل یہ ہے "نفسی جائتنی الیک لاجل محبتک" کہ میں آپ کے پاس آیا آپ کی محبت کی وجہ سے۔

یا محال عادتاً ہوگا جیسا کہ "هزم الامیر الجند" امیر نے لشکر کو شکست دی اکیلئے امیر کا لشکر کو شکست دینا اگرچہ عقلاً ممکن ہے مگر عادتاً محال ہے۔

قوله : وانماقال قیامه الخ۔

مصنف ؒ نے فرمایا کہ مسند کا قیام ہو مسند الیہ کیساتھ یہ تعبیر اسلئے اختیار فرمائی کہ یہ صدور فعل کو بھی شامل ہو اور اتصاف فعل کو بھی شامل ہو صدور فعل کی مثال "ضرب زید" اور اتصاف فعل کی مثال "قرب زید" قرینہ معنویہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ کلام جو اسناد مجازی پر مشتمل ہے اسلئے ایسے شخص سے صادر ہوا ہو جو مؤحد کامل ہو جیسا کہ "اشباب الصغیر وافنی الکبیر اذقال له الؤحد":-

قوله : لایقال هذاداخل الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ مؤحد کامل کا قول قرینہ معنویہ عقلیہ میں داخل ہے پھر اس کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

لانسلم سے جواب: دیا جواب یہ ہے کہ یہ قرینہ معنویہ عقلیہ میں داخل نہیں ہے اسلئے کہ بہت سارے اہل عقل جو اس میں اسناد حقیقی کے قائل ہیں اسلئے تو ضرورت پڑھی ان کی دلیل کو باطل کرنے کا اگر عقلی میں شامل ہوتا تو کوئی بھی اس کا قائل نہ ہوتا۔

قوله : ومعرفة حقیقة الخ۔

یہاں سے مصنف ؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مجاز عقلی کیلئے حقیقت عقلیہ ہوتی ہے یعنی خارج میں فاعل مجازی کیلئے فاعل حقیقی کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اور یہ حقیقت کبھی ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ "فمار بحت تجارتهم" میں ہے اس کا فاعل حقیقی ظاہر اور واضح ہے۔ اور کبھی مخفی ہوتا ہے جو غور وفکر کے بعد سمجھ میں آتا ہے اسلئے کہ وہ کلام فاعل مجازی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور فاعل حقیقی میں کم استعمال ہوتا ہے جیسا یہ قول "سرتنی رؤیتک" آپ کی رویت نے مجھے خوش کر دیا [سرت] کی اسناد رویت کی طرف مجازی ہے اور اس کا فاعل حقیقی اللہ تعالی ہے کہ اللہ تعالی نے مجھے خوش کر دیا آپ کے دیکھنے وقت اسی طرح اس شعر میں ہے۔

وَیزیدك وجهه حسنا : اذامازدته نظراً

ترجمہ: آپ جتنا زیادہ اس کو دیکھیں گے تو اس کا چہرہ اس کے حسن وجمال میں اضافہ کریگا یعنی اس کا حسن آپ کو مزید زیادہ نظر آئیگا اس میں زیادت کی نسبت وجہ کی طرف اسناد مجازی ہے اور فعل

زیادت فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے" ویزك الله حسنافی جهه "کہ اللہ تعالیٰ آپ کیلئے اس کے چہرے کے حسن میں اضافہ کرے۔

قوله : وفی هذاتعریض بالشیخ الخ۔

ماتنؒ کی عبارت ومعرفة حقیقة درحقیقت شیخ عبدالقاہر جرجانی پر چھوٹ اورتعریض ہے کہ شیخ عبدالقاہر کے نزدیک فاعل حقیقی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

شیخ عبدالقاہر جرجانیؒ کا مسلک یہ ہے کہ فعل اگر خارج میں اور نفس الامر میں موجود ہے تو اس کیلئے فاعل حقیقی کا ہونا ضروری ہے اور اگر فعل امر اعتباری ہے تو پھر فاعل حقیقی کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ ایک شئی متوہم کو فاعل حقیقی تصور کیا جائیگا اور پھر اس کی اسناد کو فاعل مجازی کی طرف کریں گے لہٰذا مذکورہ دومثالوں میں عندالشیخ فاعل حقیقی موجودنہیں ہے ،اوراسی طرح اس مثال میں "اقدمتی بلدك حقّ لی علی فلان ' ' کہ مجھے آپ کے شہر میں لیکر آیا میرا وہ حق جوفلاں کے پاس ہے گویا کہ ان تین مثالوں میں فاعل سرور، زیادت، قدوم فعل لازم ہے اور یہ سارے فعل اعتباری ہے۔

قوله : واعترض علیه الخ۔

امام فخرالدین رازی نے شیخ عبدالقاہر پراعتراض کیا ہے کہ شیخ کا مسلک درست نہیں ہے اسلئے کہ ہرفعل کیلئے فاعل حقیقی کا پایا جانا ضروری ہے کیونکہ شئی پہلے اپنے معنی حقیقی میں استعمال ہوتی ہے اور پھر معنی مجازی میں استعمال ہوتی ہے ورنہ فعل کا فاعل کے بغیر پایا جانا لازم آئیگا لہٰذا اگر فاعل حقیقی نہیں ہے تو کسی شئی کو فاعل حقیقی تصور کیا جائیگا علامہ سکا کی اور مصنفؒ نے امام رازی کی پیروی کی اور شیخ کے مسلک کو غلط قرار دیا اور یوں کہا کہ شیخ نے حقیقت عقلیہ کو خفی ہونے کی وجہ سے نہیں پایا اسلئے اس کا انکار کیا شارح کہتے ہیں کہ

قوله : والحق ماذکره الشیخ الخ۔

شیخ کا مسلک درست ہے اسلئے کہ ان مثالوں میں فاعل حقیقی ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ افعال اللہ تعالیٰ سے صادر ہوئے حالانکہ ان افعال کا اللہ کے ساتھ متصف ہونا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے مبرء ہے۔

قولہ : فلمّاالخ۔

یہ ظرف کیلئے ہے[اذ] کے معنی میں استعمال ہوتا ہے[لمّا] میں تین چیزیں ہیں۔

[۱]ظرف زمان کیلئے اس وقت مستعمل ہوتا ہے جب دوایسے جملوں کے درمیان آجائے کہ دونوں میں شرط اور جزاء بننے کی صلاحیت ہو۔

[۲](اذ) کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ظرف زمان[اذا] کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ[اذ] ماضی کیلئے آتا ہے اور[اذا] مستقبل کیلئے آتا ہے اسلئے کہ[لمّا] چونکہ ماضی کیلئے آتا ہے اسلئے[اذ] یہ داخل ہوتا ہے ماضی پر چاہے حقیقتاً ہو جیسے ضَرَب یا معنی ہو جیسے لم یضرب یہ شرط کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

قولہ : کان البلاغۃ الخ۔

اس سے مراد علم معانی، علم بیان، اور علم بدیع ہے اجل العلوم سے ہے بڑے علوم ہیں مرتبے کے اعتبار سے اور دقیق ہے رازوں کے اعتبار سے یہاں دو دعوے ہو گئے۔

[۱]علم بلاغت بڑا ہے مرتبے کے اعتبار سے۔

[۲]دقیق ہے رازوں کے اعتبار سے۔

(دلیل نمبر۱)اسلئے کہ علم بلاغت کیوجہ سے لغت عربی کے دقائق اور اس کے لفظوں کو پہچانا جاتا ہے۔

(دلیل نمبر۲)اور اٹھائے جاتے ہیں اس کے اعجاز کے چہروں سے پردوں کو اس حال میں کہ وہ وجوہ اعجاز نظم قرآن ہے۔

ترجمہ : اس کے ذریعے پہچانا جاتا ہے کہ قرآن معجز ہے اسلئے کہ قرآن بلاغت کے اعلیٰ مرتبے پر ہے اسلئے کہ یہ مشتمل ہے باریک نکتوں پر اور ایسے رازوں پر جو خارج ہے انسانی طاقت سے اور یہ ذریعہ ہے(وسیلہ ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کا اور نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنا کامیابی ہے تمام نیک بختی کے ساتھ (یعنی کامیاب ہونے کا وسیلہ ہے) تو علم بلاغت اجل علوم ہو گیا کیونکہ اس کے معلومات وغایات بلند معلومات اور مقصودات میں سے ہیں اسلئے کہ اس کے معلومات اور غایات بہترین معلومات اور غایات میں سے ہیں اعجاز کے چہروں کو تشبیہ دی

چھپی ہوئی چیزوں کے ساتھ یہ استعارہ بالکنایہ ہے (اور وجوہ کا ذکر ایہاماً ہے) ایہام کہا جاتا ہے اس کلام کو کہ ایک لفظ کے دو معنی ہیں ایک معنی مستعمل اور مشہور ہو دوسرا معنی مشہور اور مستعمل نہ ہو اور قرینہ بھی نہ ہو اگر ہو تو بھی ہو وہ معنی مراد لیکر جو متصور نہ ہو اس کو لے لینا تو یہ وجوہ کو ذکر کیلئے ثابت کرنا ایہام ہے۔

قوله : ونظم القرآن تاليف الخ ـ

وجوہ اعجاز قرآن کے الفاظ ہیں۔ وضاحت :۔ نظم قرآن کہا جاتا ہے اس کے کلمات کو اسطرح ترتیب دینا کہ اس کے معانی ترتیب شدہ ہوان کی دلالتیں مناسب اور موافق ہو عقل کے تقاضے کے نہ کہ ان کے ترتیب کر دینا اس طور پر کہ بعض کو بعض کیساتھ ملایا جائے جس طرح چاہے اسکا نام نظم قرآن نہیں۔

قوله : وكان قسم الثالث الخ ـ

اور تھا قسم ثالث مفتاح العلوم کا جس کی تصنیف کی علامہ ابو یعقوب سکا کی نے (اللہ تعالیٰ ڈھانپے ان کو اپنے مغفرت سے) جو سب سے زیادہ نفع بخش ہے ان کتب مشہورہ میں جو علم بلاغت اور انکے توابع میں لکھی گئی ہیں۔

قوله : وانكره السكاكی الخ ـ

علامہ سکا کی نے مجاز عقلی کا انکار کیا ہے انکار کی وجہ یہ ہے کہ مجاز عقلی خلاف اصل ہے اور خلاف اصل کلام عرب میں غیر معتبر ہے اور بلاغت کے بھی خلاف ہے جبکہ قرآن بلاغت پر مشتمل ہے اب سوال یہ ہوا کہ مذکورہ مجاز عقلی کے مثالوں کو کیا کہا جائے۔

جواب یہ ہے کہ اس کو استعارہ بالکنایہ پر محمول کیا جائے تشبیہ میں مبالغہ کرتے ہوئے۔

استعارہ بالکنایہ کی تعریف : مصنفؒ کے خیال کے مطابق علامہ سکا کی کے نزدیک استعارہ بالکنایہ کی تعریف یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسرے چیز کے ساتھ دل ہی دل میں تشبیہ دی جائے۔ اور کسی قرینے کے واسطے سے مشبہ بہ کو حقیقتاً مراد لیا جائے۔ اور وہ قرینہ یہ ہے کہ مشبہ بہ کے لوازم مساویہ میں سے کسی لازم کو ذکر کیا جائے۔

لوازم مساویہ کا مطلب : کہ وہ لازم کسی مشبہ بہ کی طرف سے وجود میں آسکتا ہو۔

مبالغہ فی التشبیہ کا مطلب : مشبہ کو مشبہ بہ کے افراد میں سے ایک فرد قرار دیا جائے مثلاً "مخالب المنیۃ نشبت بفلان" اس مثال میں منیہ مشبہ ہے سبع مشبہ بہ ہے اور نشبت اس کے لوازم مساویہ میں سے ہے اور یہ قرینہ ہے مذکورہ تفسیر کی بناء پر مجاز عقلی کی مثالوں کو استعارہ بالکنایہ پر اس طرح محمول کریں گے کہ "انبت الربیع البقل" میں ربیع کو مشبہ قرار دیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کی ذات مشبہ بہ ہے اور اس قرینہ پر انبات ہے جو حقیقتاً اللہ کا فعل ہے اور یہ لازم مساوی ہے۔

قولہ : وحاصلہ ان یشبہ الفاعل المجازی الخ۔

علامہ سکاکی کے قول کا حاصل یہ ہے کہ فاعل مجازی کو فاعل حقیقی کے ساتھ تشبیہ دیا جائے وجود فعل کے ایک ہونے کی وجہ سے اور پھر فاعل مجازی کو عقلی الگ ذکر کیا جائے اور فاعل حقیقی کے لوازم میں سے کسی لازم کو اس کی طرف منسوب کی جائے۔

قولہ : فیہ نظر الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ علامہ سکاکی کا مسلک درست نہیں ہے اس لئے کہ اس صورت میں چند خرابیاں لازم آتی ہیں۔

[۱] ظرفیت الشئی لنفسہ لازم آتا ہے جیسے کہ "فی عیشۃ راضیۃ" اس مثال میں راضیۃ کی ضمیر فاعل مجازی ہے اور حقیقی صاحب عشیہ ہے اب فاعل مجازی کو فاعل حقیقی قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا صاحب عیشہ فی صاحب عیشہ اور یہ لازم باطل ہے لہذا اس کو استعارہ بالکنایہ پر حمل کرنا بھی باطل ہے۔

[۲] ہر وہ ترکیب جس میں فاعل مجازی کی اضافت ہو فاعل حقیقی کی طرف اس کا صحیح نہ ہونا لازم آیگا اس لئے کہ اس صورت میں اضافت الشئی الی نفسہ لازم آتا ہے جیسے "نہارہ صائم" اس مثال میں نہار سے بھی صاحب نہار مراد ہو اور [ہ] ضمیر سے بھی صاحب نہار مراد ہو تو یہ اضافت الشئی الی نفسہ ہے جو باطل ہے تو لہذا اس کو استعارہ بالکنایہ پر حمل کرنا بھی باطل ہے حالانکہ قرآن میں اسطرح کی ترکیب موجود ہے جیسے "فما ربحت تجا ہم" ... اسلیئے کہ اسمیں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے

جبکہ نہارہ صائم میں صناعت استخدام کی تاویل کی جاسکتی ہے۔

[۳] یھامان بن لی صرحاً میں حکم ہامان کیلئے ثابت نہیں ہوگا بلکہ معماروں کیلئے ہوگا حالانکہ یہ غلط ہے اسلئے کہ حکم اور نداء ھامان کیلئے ہو اور خطاب معماروں کو ہو لہذا یہ لازم بھی باطل ہے۔

[۴] ہر اس ترکیب میں جس کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہو اس فاعل مجازی کا اطلاق اللہ کے نام پر کرنا لازم آئیگا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سارے نام توقیفی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر اس نام کا اطلاق ہوسکتا ہے جو شرع سے ثابت ہو اور "انبت الربیع البقل" میں ربیع اور "شفی الطبیب المریض" میں طبیب اور "سرتنی رؤیتک" میں رویہ کا اطلاق اللہ پر نہیں ہوسکتا اسلئے کہ یہ شرع سے ثابت نہیں ہے حالانکہ اس ترکیب کے وہ لوگ بھی قائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء کو توقیفی ہونا ضروری قرار دیتے ہیں اور وہ بھی قائل ہیں جو اس کو ضروری نہیں قرار دیتے یہ خرابی ہر اس ترکیب میں واقع ہوسکتی ہے جس کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہو۔

قولہ : واللوازم کلھامنتفیة الخ۔

مصنف فرماتے ہیں کہ مذکورہ چاروں باتیں غلط ہیں لہذا مجاز عقلی کو استعارہ بالکنایہ پر حمل کرنا بھی باطل ہے لہذا علامہ سکاکی کا مذہب بھی باطل ہوگا اسلئے کہ انتفاء لازم انتفاء ملزوم کو ثابت کرتا ہے۔

قولہ : والجواب ان مبنی ھذہ الاعتراضات الخ۔

علامہ تفتازانیؒ علامہ سکاکیؒ کے طرف سے جواب دیتے ہیں کہ مذکورہ اعتراضات علامہ سکاکیؒ پر اسلئے وارد ہوئے کہ مصنفؒ نے سکاکیؒ کے مسلک کو سمجھا نہیں علامہ سکاکیؒ کے نزدیک استعارہ بالکنایہ کی تعریف وہ نہیں ہے جو مصنفؒ نے کی کہ مشبہ بہ حقیقتاً مراد لیا جائے بلکہ صحیح تعریف یہ ہے کہ مشبہ بہ کو مبالغتاً اور ادعاء مراد لیا جائے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مخالب المنیة میں منیہ سے مراد حقیقی درندہ مراد نہیں ہے بلکہ مبالغتاً سبع مراد ہے مصنفؒ چونکہ علامہ سکاکی کے صحیح مسلک پر مطلع نہیں ہوا اس لئے کہ اس پر اعتراض کیا۔ علامہ سکاکی نے اپنے مسلک کی صراحت کی ہے اپنی کتاب میں کہ مشبہ بہ حقیقتاً نہیں بلکہ مبالغتاً مراد ہے۔

قولہ : ولانہ ینتقض بنحو نہارہ صائم الخ۔

یہاں سے مصنفؒ علامہ سکاکی پر ایک اور اعتراض کررہا ہے کہ آپ کے مسلک سے یہ خرابی لازم آتی ہے کہ ہر وہ ترکیب جو فاعل مجازی کے ساتھ فاعل حقیقی پر بھی مشتمل ہو یعنی فاعل مجازی بھی مذکور ہو اور حقیقی بھی مذکور ہو جیسے "نهاره صائم" استعارہ بالکنایہ پر حمل کرنا باطل ہوگا اسلئے کہ استعارہ بالکنایہ میں مشبہ بہ یعنی فاعل حقیقی محذوف ہوتا ہے نہ کہ مذکور کیونکہ ذکر طرفین سے استعارہ مصرحہ ہوتا ہے نہ کہ کنایہ شارح نے علامہ سکاکی کی طرف سے اس کا جواب دیا کہ طرفین کے مذکور ہونے سے کلام کو استعارہ بالکنایہ پر حمل کرنا اس وقت ممنوع ہوتا ہے جب انکا ذکر اس طریقے پر ہو کہ وہ تشبیہ پر دلالت کرتے ہو یعنی تشبیہ کے بغیر ان کا معنی صحیح نہیں بنتا ہو جیسے "زید اسد" اور اگر طرفین کا ذکر اس طور پر ہو کہ وہ تشبیہ پر دلالت نہ کرتے ہو تو پھر اس کو استعارہ بالکنایہ پر حمل کرنا مبالغہ نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ علامہ سکاکی نے اس شعر کو "قد ذراذراه علی القمر" استعارہ بالکنایہ پر حمل کیا ہے حالانکہ ظرفیت موجود ہے قمر مشبہ بہ ہے اور [زراہ] کی ضمیر مشبہ ہے مگر طرفین تشبیہ پر دلالت نہیں کرتے اسلئے باستعارہ بالکنایہ پر حمل کرنا جائز ہے تشبیہ پر دلالت نہیں کرتے کہ بغیر تشبیہ کے بھی ان کا معنی درست ہے پورا شعر اس طرح۔

لاتعجبوامن بلی غلالته ؛ قد ذرا ذراه علی القمر

ترجمہ : تعجب مت کرو اس پر جسکی گریبان چاک ہوگئی ہے اسلئے کہ اس کے بٹن چاند پر لگائے گئے ہیں۔

قوله : لمّالم يقف علی مراد السكاكی الخ ۔

جو لوگ علامہ سکاکی کے صحیح مسلک پر واقف نہیں ہوئے انہوں نے مذکورہ اعتراضات کی ایسی تاویلیں کی جس سے علامہ سکاکی خود راضی نہیں ہے اسلئے ہم نے بھی اس کو چھوڑ دیا۔

﴿احوال المسند اليه﴾

ابواب ثمانیہ میں سے دوسرا باب ہے مسند الیہ کے احوال سے وہ امور مراد ہیں جو مسند الیہ کو مسند الیہ ہونے کی حیثیت سے عارض ہوتے ہیں وہ امور مراد نہیں جو دوسری حیثیت سے اس کو عارض ہو جیسے حقیقت ومجاز یا لفظ ہونے کی حیثیت سے، احوال مسند الیہ کو احوال مسند پر مقدم کیا اس لئے

کہ مسندالیہ رکن اعظم ہے احوال مسندالیہ میں سے پہلا حال اس کا حذف کرنا ہے حذف کو دوسرے احوال سے مقدم کیا اسلئے کہ حذف نام ہے عدم اتیان کا یعنی ذکر نہ کرنے کا اور ذکر نام ہے اتیان کا اور حوادث کے اندر عدم کو تقدم حاصل ہے ذکر پر۔

قوله : وذكره ههنابلفظ الحذف الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے مسندالیہ کیلئے حذف کا لفظ استعمال کیا اور مسند کیلئے ترک کا لفظ استعمال کیا اس بات پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ مسندالیہ ایسا رکن اعظم ہے کہ گویا کہ اس کو ذکر کرنے کے بعد حذف کیا گیا ہے جبکہ مسند کے اندر یہ مرتبہ نہیں ہے اسلئے اس کیلئے ترک کا لفظ استعمال کیا مسند مسندالیہ کو کیوں حذف کیا جاتا ہے ان کی چند وجوہات ہیں۔

[۱] عبث سے بچنے کیلئے ظاہر پر اعتماد کرتے ہوئے اگرچہ کلام کا رکن اعظم ہے لیکن اس کا حذف کرنا معلوم ہونے کی حیثیت سے کیا جاتا ہے نہ رکن اعظم ہونے کی حیثیت سے۔

[۲] متکلم سامع کے خیال اور وہم میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہے کہ اس نے دو دلیلوں میں سے اقوی دلیل کی طرف عدول کیا ہے اقوی دلیل سے مراد عقل اور لفظ میں سے عقل ہے اسلئے کہ ذکر کے وقت ظاہر پر اعتماد ہوتا ہے اور حذف کے وقت عقل پر اعتماد ہوتا ہے اور عقل لفظ سے اقوی ہے اس لئے کہ لفظ عقل کا محتاج ہے مگر عقل لفظ کا محتاج نہیں ہے اسلئے کہ بغیر لفظ کے بھی عقل کو پہچانا جاسکتا ہے۔

قوله : وانماقال تخييل لان الدال حقيقة الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے والعدول الی اقوی نہیں کہا بلکہ تخییل الی اقوی کہا اسطرح اسلئے کہا کہ یہاں پر حقیقی عدول متحقق نہیں ہے اور حقیقی عدول اس وقت ہوتا ہے جب دونوں دلیلیں مستقل ہوں جبکہ یہاں دونوں مستقل نہیں ہے اسلئے کہ حذف کے وقت بھی دال لفظ ہی ہوتا ہے، عبث اور تخییل دونوں کی ایک مثال دی ہے وہ شاعر کا یہ قول ہے "قال لی کیف انت" سائل نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کیسے ہیں "قلت علیل" میں نے کہا کہ میں بیمار ہوں انا علیل نہیں کہا پورا شعر اس طرح ہے۔

قال لی کیف انت قلت علیل : سھر دائم وحزن طویل

ترجمہ : ہمیشہ بیدار رہتا ہوں اور غمگین رہتا ہوں۔

[۳] او اختبار التنبیہ سامع کی بیداری کا امتحان لینے کیلئے قرینے کے وقت کہ وہ بیدار ہے یا نہیں ہے یا مقدار بیداری کے امتحان کیلئے کہ سامع قرائن خفیہ کے ذریعے بات کو سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔

[۴] مسندالیہ کی عظمت کا وہم ڈالنے کیلئے او عکسہ یا مسندالیہ کی تحقیر کا وہم ڈالنے کیلئے۔

قولہ : اوتأتی الانکاراي تیسرہ الخ۔

[۵] پانچواں مرجع مسندالیہ کو حذف کرنے کا بوقت ضرورت انکار کی گنجائش باقی رکھنا جیسے "فاجر فاسق" اور مراد لیلے زید اور ضرورت کے وقت انکار کرے اور یوں کہے ما اردت بک۔

[۶] مسندالیہ کی تعیین کی وجہ سے جیسے کہا جاتا ہے یعلّم یعنی المعلّم یعلّم۔

قولہ : والظاہران ذکرالاحتراز عن العبث الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ یہ صورت احترازعن العبث میں داخل ہے پھر اس کو الگ کیوں ذکر کیا۔

لکن سے جواب دیا کہ دو وجہ سے اس کو الگ ذکر کیا گیا۔

[۱] سوء ادب سے بچتے ہوئے ان مثالوں میں جہاں مسندالیہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں جیسے "خالق لمایشاء، فعال لمایرید" ان مثالوں کو احترازعن العبث میں داخل کرنا سوء ادب ہے۔

[۲] اگلے مرجع کیلئے تمہید ہے کہ مسندالیہ کو حذف کیا جاتا ہے تعیین کی وجہ سے یا ادعاء تعیین کی وجہ سے کہ متکلم متعین ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے جیسے "وھاب الالوف" ہزاروں کو ہبہ کرنے والا امراد بادشاہ ہے۔

قولہ : اونحوذلک کضیق المقام الخ۔

ان کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں جس میں مسندالیہ کو حذف کیا جاتا ہے جیسے مقام کی تنگی دل کی تنگی کی وجہ سے یا اکتاہٹ کی وجہ سے یا فرحت کی فوت ہونے کی وجہ سے یا وزن سجع اور قافیہ کی وجہ

سے اور جوان کے مشابہ ہو جیسے کہ شکاری کا قول "غزال ای هذا غزال" یا سامع کے علاوہ دوسرے حاضرین سے چھپانے کیلئے جیسے جاءَ جب مسندالیہ دونوں کو معلوم ہو یا استعمال کا اتباع کرتے ہوئے ان چیزوں میں جہاں مسندالیہ کو ذکر نہیں کیا جاتا ہے جیسے "رمیة من غیر رام" یہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کسی شخص سے ایسا کام صادر ہو کہ وہ شخص اس کا اہل نہ ہو۔ اور یا اس کے نظائر پر حمل کرنے کی وجہ سے جیسے کہ "من الشیطن الرجیم" رجیم مسند ہے اور اس کا مسندالیہ محذوف ہے ای ھو یہ ترک مسندالیہ کے نظائر میں سے ہے۔

قوله : واما ذکرہ ای ذکر المسند الیه الخ ۔

احوال مسندالیہ میں سے دوسرا ذکر مسندالیہ ہے ذکر مسندالیہ کا پہلا مرجح اس کا اصل ہونا ہے جب حذف کیلئے کوئی مقتضی نہ ہو۔

[۱] قرینے کی کمزوری کی وجہ سے احتیاطاً ذکر کیا جاتا ہے۔

[۳] سامع کے غبی ہونے کی وجہ سے۔ [۴] وضاحت اور تقریر کی وجہ سے جیسے کہ "اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون" دوسرا اولئک محل استشہاد ہے۔

[۵] عظمت کی وجہ سے جیسے "امیر المؤمنین حاضر"۔

[٦] اظہار اہانت کیلئے جیسے "السارق اللئیم حاضر"۔

[۷] برکت حاصل کرنے کیلئے جیسے کہ یوں کہا جائے "هذا قول النبی صلی الله علیه وسلم"، اس شخص کے جواب میں جو کہے "هل قال هذا القول رسول الله صلی الله علیه وسلم"

[۸] لذت حاصل کرنے کیلئے جیسے "الحبیب حاضر"۔

[۹] سامع کی شرافت کی وجہ سے کلام کو طول دینے کیلئے جیسے کہ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی حکایت "قال هی عصای الخ"۔

قوله : وقد یکون الذکر للتهویل الخ ۔

سے کچھ مرجح بتانا چاہتے ہیں [۱] ڈرانے کیلئے جیسے "امیر المؤمنین یامرك"۔

[۲] تعجب کیلئے جیسے "الصبی قاوم الاسد"۔ [۳] کسی فیصلے پر گواہ بنانے کیلئے سامع پر بات کو پکا کرنے کیلئے تا کہ گنجائش باقی نہ رہے۔

قوله : واماتعریفه ای ایرادالمسندالیه معرفة الخ ۔

تیسرا حال مسندالیہ کا کہ مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے اس لئے کہ مسندالیہ محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ کیلئے معرفہ ہونا ضروری ہے جبکہ مسند محکوم بہ ہوتا ہے اور محکوم بہ کا نکرہ ہونا ضروری ہے ورنہ تحصیل حاصل لازم آئیگا۔

قوله : وَانماقدم ههنا التعریف الخ ۔

مصنفؒ نے مسندالیہ کے احوال میں تعریف (یعنی معرفہ ہونے) کو مقدم کیا اور مسند میں تنکیر (یعنی نکرہ ہونے) کو مقدم کیا مذکورہ علت کی وجہ سے

قوله : فبالاضمارالخ ۔

مسندالیہ کو کبھی معرفہ لایا جاتا ہے ضمیر کے ساتھ اگر مقام مقام تکلم ہے تو ضمیر متکلم کے ساتھ ہوگا جیسے "اناضربت" اگر مقام خطاب ہے تو صیغہ خطاب کا ہوگا جیسے "انت ضربت" اگر غائب کا تذکرہ ہے تو صیغہ غائب کے ساتھ ہوگا مگر اس کیلئے شرط ہے کہ اس کے مرجع کا ذکر لفظاً، معناً یا حکماً ماقبل میں مذکور ہو جیسے لفظاً کی مثال جب کہ تحقیقی ہو جیسے "زیدیضرب" اگر تقدیری ہو اسکی مثال "فی دارہ زید" معناً کی بھی دو صورتیں ہیں یا معناً پر قرینہ لفظ ہوگا جیسے کہ "اعدلواهواقرب للتقوی" [ھو] کا مرجع عدل ہے جس پر اعدلوا دلالت کررہا ہے یا اس پر قرینہ حال ہوگا جیسے لابویہ ابویہ کی ضمیر معین ہے جس پر قرینہ حالت کلام ہے حکما کی مثال "ربه رجلاً" میں رب کی ضمیر ہے۔

قوله : واصل الخطاب ان یکون لمعیّن واحد الخ ۔

یہ عبارت اگلی عبارت "قدیترک" کیلئے تمہید ہے کہ خطاب کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ معین ہو چاہے واحد ہو یا تثنیہ ہو یا جمع ہو جیسے "ک، کما، کم" اور اسلئے کہ خطاب کہا جاتا ہے کلام کو حاضر کی طرف متوجہ کردینا۔

قوله : وقدیترک الخطاب مع معیّن الخ ۔

لیکن کبھی خطاب مع المعین کو ترک کیا جاتا ہے غیر متعین کے واسطے تا کہ خطاب ہر اس شخص کیلئے عام ہو جو مخاطب بن سکتا ہے جیسے کہ قرآن کی یہ آیت "وَلَوْ تَرٰی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ الخ"۔ تری سے کوئی خاص مخاطب مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کفار کی شناعت کو ظاہر کرنا مقصود ہے ہر اس شخص کیلئے جو ان کی طرف نظر کرے گا میدان حشر میں لہذا نیہ رویت اور یہ خطاب کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قوله : فلایختص به الخ۔

[بہ] ضمیر کا مرجع خطاب ہے کہ یہ خطاب کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے بعض نسخوں میں [بھا] ہے مرجع رؤیۃ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ رؤیت کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

قوله : وبالعلمية ای تعریف المسند الیه الخ۔

کبھی مسند الیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے علم کے ساتھ اور یہ اسلئے تا کہ اس مسند الیہ کو اسکی شخصیت کے ساتھ شروع ہی سے سامع کے ذہن میں حاضر کیا جائے ایسے نام کے ساتھ جو اس کے ساتھ خاص ہو علمیت کی تشریح میں مصنفؒ نے تین قیود کا اضافہ کیا۔

[۱] بعینہ اس قید سے احتراز مقصود ہے مسند الیہ کا اسم جنس کے ساتھ حاضر ہونے سے جیسے "رجل عالم جاءنی" بعینہ سے مراد یہ ہے کہ وہ جمیع ماعداہ سے ممتاز ہو۔

[۲] ابتداءً یعنی پہلی مرتبہ اس سے احتراز مقصود ہے اس مسند الیہ سے جو دوسری مرتبہ حاضر ہوتا ہے جیسے "جاءنی زیدٌ وهو راکبٌ" اس میں [ھو] ضمیر مسند الیہ ہے جو دوسری مرتبہ ذہن میں آ گیا۔

[۳] باسم مختص بہ احتراز مقصود ہے اس قید کے ذریعے ان صورتوں سے جہاں مسند الیہ کو حاضر کیا جاتا ہے ضمیر متکلم سے یا ضمیر مخاطب سے یا اسم اشارہ سے یا اسم موصول سے یا معرف باللام العہد کے ذریعے، اور اضافت کے ساتھ کہ یہ چیزیں مسند الیہ کے ساتھ خاص نہیں ہوتے باعتبار وضع کے جبکہ علم وضع کے اعتبار سے خاص ہوتا ہے۔

قوله : وهذه القيود لتحقيق المقام الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ قیود مقام علمیت کی تحقیق اور توضیح کیلئے ہے ورنہ آخری قید یعنی باسم مختص

یہ تمام قیود سے مستغنی کر دیتی ہے۔

قوله : وقیل واحترز بقوله ابتداءً الخ ـ

بعض حضرات نے کہا کہ ابتداءً کی قید سے احتراز مقصود ہے اس مسند الیہ سے جس میں اس کے ذکر کا ذکر مقدم ہونا شرط ہو جیسے کہ ضمیر غائب میں ہوتا ہے اس کے مرجع کا مقدم کرنا ضروری ہے اور الف لام عہدی میں ہوتا ہے کہ اس کے معہود کا خارج میں موجود ہونا ضروری ہے۔ اور اسم موصول میں اس کا تقدم بالعلۃ مقصود ہوتا ہے۔

قوله : وفيه نظر لان جميع طرق التعريف الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ قیل فاسد ہے اسلئے کہ تقدم ذکر معرفہ کے تمام صورتوں میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ علم کے اندر بھی یہ بات موجود ہے اس لئے کہ علم مشروط ہے اس بات کے ساتھ کہ اس نام کو اس ذات کیلئے وضع کیا گیا ہو لہذا یہ شرط علم کے اندر بھی ہونی چاہیئے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

قوله : نحوقل هوالله احدالخ ـ

مسندالیہ کو معرفہ لانے کی مثال "قل ھو اللہ احد" لفظ اللہ کی اصل الالہ ہے ہمزہ ثانیہ کو حذف کیا اور اس کے عوض حرف تعریف لایا گیا تو لفظ اللہ بن گیا پھر اس کو علم بنایا گیا ایسی ذات کیلئے جس کا وجود واجب اور ضروری ہو اور عالم کو بنانے والا ہو۔

قوله : زعم بعضهم انه اسم لمفهوم الواجب الخ ـ

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ لفظ اللہ ایک ایسے مفہوم پر دلالت کرتا ہے جو واجب الوجود اور عبادت کا مستحق ہو اور یہ دونوں (واجب الوجود اور مستحق للعبادت) ایسی کلی ہے جن کا ایک فرد پایا جاتا ہے یعنی ذات باری تعالیٰ لہذا یہ علم نہیں ہے بلکہ کلی ہے اسلئے کہ علم کا مفہوم جزئی ہوتا ہے جب کہ اس کا مفہوم کلی ہے۔

قوله : وفيه نظرلانا لانسلم انه اسم لهذا المفهوم الخ ـ

سے شارحؒ نے اس قول کو رد کیا اور فرمایا کہ ہم اسکے مفہوم کلی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اور کیسے تسلیم کریں جب کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" کلمہ توحید ہے اگر یہ کلی

ہوتا تو توحید کا فائدہ نہیں دیتا اسلئے کہ کلی من حیث الکلی کثرت کا احتمال رکھتا ہے
جو کہ یہاں توحید کے خلاف ہے۔

قوله : اوتعظیم اواهانة کما فی الالقاب الصالحة الخ۔

کبھی مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے تعظیم یا اہانۃ کا معنی حاصل کرنے کے واسطے جب ان کے اندر صلاحیت موجود ہو جیسے کہ اچھے القابات مثلاً "رکب علی وهرب خائف" کہ علی سوار ہو گیا اور خائف بھاگ گیا۔ علی کے اندر عظمت کا معنی موجود ہے اور خائف کے اندر اھانت کا معنی موجود ہے ڈرنے کا۔

قوله : او کنایة الخ۔

کبھی مسندالیہ کو علم کی صورت میں لایا جاتا ہے کنایہ کا معنی حاصل کرنے کے واسطے جب اسمیں کنایہ کی صلاحیت موجود ہو جیسے "ابولهب فعل کذا" یعنی ابولہب نے ایسا کیا اور اس سے مراد ہوتا ہے کہ جہنمی نے ایسے کیا اس معنی کی تفصیل یہ ہے کہ ابولہب کے دو معنے ہیں ایک معنی ہے وضع اول کے اعتبار سے ابولہب کا معنی ہے شعلے کا باپ گویا کہ اس کیلئے شعلہ لازم ہے لہذا اس کا معنی ہوا ملابس النار اور ملازم النار اور اس کیلئے جہنمی ہونا لازم ہے تو ابولہب ملزوم ہے جہنمی ہونا اس کیلئے لازم ہے اور ملزوم بولکر لازم مراد لینے کو کنایہ کہا جاتا ہے لہذا ابولہب کہنے کا مقصد اس کا جہنمی ہونا بتلانا ہے۔

قوله : وقیل فی هذا المقام الخ۔

اس کا دوسرا معنی ہے وضع ثانی کے اعتبار سے "علم لذات المشخص" اور یہ ایسا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ "جاء حاتم" کہ حاتم آیا اور حاتم سے اس کا لازم یعنی سخی ہونا مراد ہے گویا کہ حاتم ایسی ذات کو کہا جاتا ہے جو جود و کرم کے صفت کے ساتھ متصف ہو کوئی شخص معین مراد نہیں ہوتا جو کہ حاتم طائی کے نام سے مشہور ہے جیسے کہا جاتا ہے "هذا حاتم" یہ سخی ہے اس اعتبار سے ابولہب سے کوئی شخص معین مراد نہیں ہوگا بلکہ ہر جہنمی مراد ہوگا دونوں قولوں کے اعتبار میں فرق ہے قول اول کے اعتبار سے ابولہب اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہے پھر اس سے لازم مراد ہے جبکہ قول ثانی کی بنیاد پر ابولہب نہ معنی اصلی میں مستعمل ہے اور نہ علم بلکہ اس سے

ابتدائًا کنایہ مراد ہوتا ہے یعنی ہر وہ شخص جو اس صفت کے ساتھ متصف ہو شارح نے قول ثانی کو تین وجوہ سے رد کیا۔

[١] قول ثانی کے بنیاد پر یہ استعارہ ہوگا نہ کہ کنایہ اسلئے کہ ابولہب اور حاتم غیر ماوضع لہ میں مستعمل ہوتے ہیں علاقے کی وجہ سے اور اسی کا نام استعارہ ہے۔

[٢] ولو کان المراد قول ثانی کی بنیاد پر "جاء حاتم" اور ابوجہل فعل کذا کنایہ ہونگے سخی اور جہنمی سے جبکہ کوئی بھی انکے کنایہ کا قائل نہیں ہے۔

[٣] ممّایدل علی فسادذلک کہ علامہ سکاکی اور دوسرے اہل علم وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول "تَبّت یَدَاابی لَہب وَّتب" کنایہ کی مثال میں پیش کی ہے اور اس سے مراد ہی شخص مسمّی ہے نہ کہ کوئی دوسرا کافر جبکہ قول ثانی کے اعتبار سے دوسرا شخص مراد ہوگا۔

قوله : وایهام استلذاذه الخ ۔

مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے اس بات کا وہم ڈھالنے کیلئے کہ اس کے ذکر سے لذت حاصل ہوتی ہے جیسے کہ شاعر کا یہ شعر ۔

بالله یاظبیات القاع قلن لنا : لیلی منکن ام لیلی من البشر

ترجمہ : اے چٹیل میدان کے ہرنیوں ذرا مجھ کو بتلاؤ کہ میری لیلی آپ میں سے ہے یاانسانوں میں سے ہے۔ یہاں محل استشہاد دوسرا لیلی ہے کہ اس کی ضرورت نہیں تھی مگر لذت حاصل کرنے کیلئے اس کا ذکر کیا۔

قوله : والتبر ک به الخ ۔

مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے برکت کے حصول کیلئے جیسے کہ "الله الهادی" و "محمد الشفیع"

قوله : ونحوذلک الخ ۔

اور مختلف وجوہات کیلئے مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے جیسے کہ نیک فالی کیلئے "سعید فی دارك"۔

قوله : والتطیر الخ ۔

اور بدفالی کیلئے جیسے "السفاح فی دار صدیقک" یا سامع پر بات کو پکا کرنے کیلئے،
اور ہر وہ مقام جو علم کے مناسب ہو وہاں مسندالیہ کو معرفہ لایا جاسکتا ہے۔

قوله : وبالموصولة الخ۔

کبھی مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے بصورت اسم موصول کے اور یہ اس وقت لایا جاتا ہے جب مخاطب کو صلہ کے علاوہ اور احوال مخصوصہ کا علم نہ ہو تو دوسرے احوال کو بتلانے کیلئے مسندالیہ کو اسم موصول ذکر کیا جاتا ہے جیسے "الذی کان معنا امس رجل عالم" کل جو شخص ہمارے ساتھ موجود تھا وہ عالم تھا مخاطب کو اس رجل کا علم تھا مگر عالم ہونے کا علم نہیں تھا اسلئے مسندالیہ کو الذی کے ساتھ ذکر کیا۔

قوله : ولم يتعرض لما لا يكون للمتكلم الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ ان صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور ہیں جن کو ماتنؒ نے ذکر نہیں کیا۔

[۱] متکلم کو صلے کے بغیر اور احوال کا علم نہیں ہوتا جیسے "الذین فی بلاد الشرق لا اعرفهم" جو لوگ مشرق کے شہروں میں رہتے ہیں میں ان کو نہیں جانتا ہوں۔

[۲] متکلم اور مخاطب دونوں کو صلہ کے علاوہ دوسرے احوال کا علم نہیں ہوتا اور یہی مثال ہے لا تعرفهم کے ساتھ چونکہ یہ دو قسمیں نادر الوقوع ہیں اسلئے ان کو ذکر نہیں کیا۔

قوله : واستهجان التصريح اوزيادة التقرير الخ۔

کبھی مسندالیہ کو اسم موصول کے ساتھ اسلئے ذکر کیا جاتا ہے کہ اسکی صراحت کو برا سمجھا جاتا ہے اور کبھی اپنے مقصود کو زوردار طریقے سے بتلانے کیلئے اسم موصول کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

قوله : و قيل تقرير المسند وقيل تقرير المسند اليه الخ۔

بعض لوگوں نے کہا کہ مسند کو زوردار طریقے سے بیان کرنے کیلئے اس طرح کیا جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ مسندالیہ کو پرزور طریقے سے بیان کرنے کیلئے اسم موصول کے ساتھ لایا جاتا ہے جیسے "وراودته التی هو فی بيتها عن نفسه" کہ پھسلایا اس عورت نے اس کو جو اس کے گھر میں تھا اپنی نفس کی طرف۔ اس کلام سے حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کی عصمت اور پاکدامنی کو پرزور طریقے سے بیان کرنا مقصود ہے [راودته] باب مفاعلہ سے ہے اس کا مجرد

[راد، یرود] جس کا معنی ہے آنا جانا اور یہاں دھوکہ کے معنی میں مستعمل ہوا ہے دھوکے سے مراد مخاطب سے اس چیز کو لینا ہوتا ہے جس کو وہ دینے سے انکار کرتا ہے لہذا [راودتہ] کا مطلب یہ ہوا کہ زلیخا حضرت یوسفؑ کو اپنے اوپر قدرت دینا چاہتی تھی اس مقام پر کلام کو تین طریقوں سے بیان کیا جا سکتا تھا۔

[۱] اسم جنس کے ساتھ "راودته امراة العزيز":-

[۲] "راودته زليخا" [۳] مذکورہ کلام ہے اور مذکورہ کلام ماقبل دونوں سے پرزور طریقے سے پاکدامنی کو بیان کرتا ہے کہ گھر میں ہونے کے باوجود اور موقع ملنے کے باوجود حضرت یوسفؑ اس کام سے باز آگئے اور ماقبل دو صورتوں میں یہ احتمال اور ابہام موجود ہو سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ موقع نہیں مل رہا ہو۔

[۲] یہ تقریر مسند کیلئے ہے یعنی مراودت کیلئے کہ حضرت یوسفؑ کا زلیخا کے ساتھ شدت اختلاط کے باوجود اور الفت ہونے کے باوجود حضرت یوسفؑ اس کام سے باز رہا اگر اس مقام پر امراۃ العزیز ذکر کیا جاتا یا زلیخا ذکر کیا جاتا تو کلام میں وہ زور نہیں ہوتا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ عزیز کی کوئی دوسری بیوی جس کے گھر میں حضرت یوسفؑ نہ رہتا ہو یا کوئی دوسری زلیخا ہو مگر "التي هو في بيتها" سے اس امکان کو بھی ختم کر دیا کہ گھر میں موجود ہونے کے باوجود اور اختلاط کے باوجود حضرت یوسفؑ باز آگئے۔

[۳] تقریر مسند الیہ کیلئے مسند الیہ ہی کو اسم موصول لایا جاتا ہے کہ یہ تقریر مسند الیہ کے تقریر کے واسطے ہوا سلئے کہ "التي هو في بيتها" کی جگہ امراۃ العزیز ہوتی یا زلیخا ہوتی تو اس میں ابہام اور اشتراک کا امکان موجود تھا اس طور پر کہ کونسی امراۃ عزیزہ ہوگی یا کون سی زلیخا ہوگی [التي] سے ابہامات اور امکانات ختم ہو گئے کہ وہ زلیخا مراد ہے جسکے گھر میں حضرت یوسفؑ رہتا تھا۔

قوله: وظني انها مثال لها الخ۔

یہاں سے شارحؒ فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ مثال زیادہ تقریر کے واسطے ہے فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں کی مثال ہے یعنی زیادہ تقریر کی اور نام کے صراحت نہ کرنے کے بھی

جب صراحت کو برا سمجھا جاتا ہے اسلئے کہ عورت کا نام لینا اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

قوله : اوالتفخيم اى التعظيم والتهويل الخ ۔

کبھی مسندالیہ کو اسم موصول کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اسکی عظمت کو اور خوفناک ہونے کو بتلانے کیلئے جیسے قرآن کی آیت "فَغَشِيَهُم مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُم "فرعون اور اہل فرعون کو ڈھانپ لیا جس جس چیز نے ڈھانپ لیا اس مثال میں ما اسم موصول ہے جو فاعل ہے غشیہ اول کا اور "من اليم " ما کا بیان ہے اس کلام کا مقصد پانی کی کثرت کو بیان کرنا ہے کہ پانی کی کثرت نے زبردست طریقے سے ان کو ڈھانپ لیا۔

قوله : اوتنبيه المخاطب على الخطاء الخ ۔

کبھی مسندالیہ کو اسم موصول کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے مخاطب کو غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے جیسے کہ اس شعر میں ہے ۔

ان الذين ترونهم اخوانكم : يشفي غليل صدورهم ان تصرعوا

ترجمہ : کہ جن لوگوں کو آپ اپنا بھائی گمان کرتے ہو ان کے دل کا کینہ اور حسد اس بات سے شفایاب ہوتا ہے کہ تم بچھاڑے جاؤ اس شعر میں الذین کے ساتھ مسندالیہ کو لیکر آیا "القوم الفلان " لیکر نہیں آیا اس لئے کہ القوم الفلان صرف اظہار عداوت ہے جب کہ اسم موصول میں عداوت کے ساتھ ان کو اپنا بھائی سمجھنے پر تنبیہ ہے کہ آپ اپنے گمان میں غلطی پر ہیں۔

قوله : اوالايماء الى وجه بناء الخبر الخ ۔

کبھی مسندالیہ کو اسم موصول کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے وجہ بناء خبر کے واسطے یعنی خبر کی بنیاد کی نوعیت بیان کرنے کیلئے یعنی وہ خبر ثواب کے قبیل سے ہے یا عقاب کے قبیل سے ہے یا ذم کے قبیل سے ہے یا مدح کے قبیل سے ہے وغیر ذلک جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "اِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي " اس اسم موصول میں ایماء اور اشارہ ہے کہ آنی والی خبر کا تعلق عقاب اور تذلیل سے ہے اسلئے کہ تکبر عن عبادۃ کفران نعمت ہے جو موجب دخول النار ہے اسلئے فرمایا کہ "سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ "۔

قوله : ومن الخطاء فى هذاالمقام الخ ۔

بعض حضرات جیسے کہ علامہ خلخالی نے بناء وجہ خبر کی علت اور سبب کے ساتھ تفسیر کی مگر یہ تفسیر درست نہیں ہے اسلئے کہ علت اور سبب قرار دینے کی صورت میں بعض مثالیں اس قسم سے خارج ہو جاتی ہیں اسلئے کہ ایماء کے اندر علت اور سبب کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

قوله : ربمايجعل ذريعةً الخ۔

کبھی اس ایماء سے خبر کے عظیم الشان ہونے کی طرف اشارۃ ہوتا ہے جیسے "ان الــــذی سمک السماء بنی لنابیتادعائمه اغرواطول"

ترجمہ : جس ذات نے آسمانوں کو بلند کیا اس ذات نے ہمارے لئے ایسا گھر بنایا جس کے ستون معزز ہیں اور طویل ہیں اس شعر میں "الـذی سمک السماء" سے اشارہ ہے بیت کے عظیم الشان ہونے کی طرف اسلئے کہ اس کا بنانے والا رفیع الشان ہے کبھی اس سے اشارہ ہوتا ہے غیر خبر کے عظیم الشان ہونے کی طرف جیسے "اَلَّذِینَ کَذَّبُواشُعَیبًا کَانُواهُمُ الــخَــاسِرِیـنَ" اس آیت میں اسم موصول کے ذریعے خسران کی خبر دی گئی ہے جس کی بنیاد حضرت شعیب ؑ کی تکذیب ہے جس سے حضرت شعیب ؑ کا عظیم الشان ہونا معلوم ہوتا ہے اور حضرت شعیبؑ اس آیت میں خبر نہیں ہے جیسے "ان الــذی لایـحـسـن مـعـرفةالـفقـه قدصنف فیـه" کہ جس شخص کو فقہ کی معرفت نہیں ہے اس نے فقہ میں کتاب لکھ ڈالی اس مثال میں تصنیف کتاب کی اہانت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی تصنیف لایعبا کے درجہ میں ہے اور کبھی غیر خبر کے اہانت کی طرف اشارہ ہوتی ہے جیسے "ان الذی یتبع الشیطـان فهوخـاسر" اس میں شیطان کی اہانت کی طرف اشارہ ہے جو کہ غیر خبر ہے اور کبھی یہ ایماء ذریعہ بنتا ہے تحقیق خبر کا یعنی خبر کے مستحکم اور یقینی ہونے کا جب کہ اس میں یہ صلاحیت موجود ہو جیسے "ان التی ضـربـت بیتامهاجرة بکوفةالجند غالت ودّها غول" کہ جس عورت نے کوفۃ الجند میں گھر بنالیا اس کی محبت کو بت پر بت اٹھا کر لے گئے اس شعر میں ضرب بیت دلیل ہے زوال محبت کی اسلئے کہ ہجرت اس وقت ہوتی ہے جب وطن سے محبت ختم ہو جائے تو اس ایماء میں خبر کے ساتھ ساتھ خبر کی دلیل بھی ہے اور دلیل دلیل لمی اسلئے کہ ضرب بیت حقیقتاً زوال محبت کی دلیل ہے مگر زوال محبت ضرب بیت کیلئے حقیقتاً دلیل لمی

نہیں ہوسکتی ہاں دلیل انی ہوسکتی ہے۔

قوله: وهذامعنى تحقيق الخبرالخ۔

تحقیق خبر سے مراد خبر کا مستحکم اور یقینی ہونا ہے ایجاد خبر اور تحصیل خبر مراد نہیں ہے اور یہ بات مفقود ہے "ان الذی سمک السماء" میں سلئے کہ سمک السماء علت اور دلیل نہیں ہے بناء بیت کیلئے جبکہ ضرب بیت دلیل ہے زوال محبت کا۔

قوله : فظهر الفرق بين الايماء وتحقيق الخبرالخ۔

کہ ایماء میں صرف خبر ہوتی ہے اور تحقیق میں خبر کے ساتھ اس کی دلیل بھی ہوتی ہے بنی لنا بيتا سے مراد یا تو کعبہ ہے، یا بزرگی، اور شرافت والا گھر مراد ہے اور اس شعر میں فرزدق جریر پر فخر کررہا ہے کہ میرا گھر کعبہ کے قریب بھی ہے اور میرا خاندا قریش ہے جو خادم بیت اللہ ہیں جبکہ آپ دونوں صفات سے محروم ہیں۔

قوله : وبالاشارة لتميّزه الخ۔

مسند الیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے اسم اشارہ کے ساتھ اور اسم اشارے کے ساتھ اسلئے لایا جاتا ہے تا کہ مسند الیہ کو ممتاز کیا جاسکے اور ممتاز اسلئے کیا جاتا ہے کہ اس میں مبالغہ پیدا کیا جائے مدح کی صورت میں ہو یا ذم کی صورت میں وغیرہ جیسے شاعر کا یہ شعر ہے۔

هذاابوالصقرفردافى محاسنه : من نسل شيبان بين الضال والسلم

ترجمہ : یہ ابوصقر ہے جو اپنے محاسن میں یکتا ہے اور شیبان قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور یہ قبیلہ ضال اور سلم درختوں کے درمیان واقع ہے۔ ضال بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور سلم کانٹوں والا درخت یہ دونوں جنگل میں ہوتے ہیں اس شعر میں ھذا کے ساتھ مسندالیہ کو ذکر کیا ممتاز کرنے کیلئے اور یہ امتیاز علم یعنی نام لینے کی صورت میں نہیں پایا جاتا اور یہ لوگ جنگل میں ہونے کی وجہ سے معزز ہے اسلئے کہ حکام کے معاملات سے بے نیازی ہے جو شہر والوں کو حاصل نہیں ہے۔

قوله : اوالتعريض بغباوة السامع الخ۔

کبھی مسندالیہ اسم اشارہ کے ساتھ اسلئے ذکر کیا جاتا ہے کہ سامع کی کندذہنی پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے گویا کہ سامع غیر محصوص شئی کا ادراک نہیں کرپاتا اسلئے ھذا کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے فرزدق کا یہ شعر۔

اولئک ابائی فجئنی بمثلهم : اذاجمعتنایاجریرالمجامع

یہ ہمارے آباء ہیں ان کا مثل پیش کرو جب افتخار کی مجلسیں ہمیں جمع کرے اے جریر۔اس شعر میں مسندالیہ کو محسوس کے طور پر ذکر کیا گیا سامع کو کندذہن بتانے کیلئے اور اس پر چوٹ لگانے کیلئے۔

قوله : اوبيان حاله ای المسند اليه الخ ـ

یا مسندالیہ کے حالت کو بیان کرنے کیلئے اس کو اسم اشارہ کے ساتھ لایا جاتا ہے جیسے کہ قریب ہونا، دور ہونا اور متوسط ہونا اور انکے مطابق ھذا، ذالک، اور ذاک لانا ہے۔اور ذاک کو جو متوسط کیلئے ہے مؤخر کیا اسلئے کہ اس کا وجود طرفین کے وجود کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

قوله : وامثال هذاالمباحث ينظر فيها الخ ـ

اس عبارت سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ ھذا، ذلک وغیرہ کو بیان کرنا اہل لغت کا کام ہے جو اصل مراد کو بیان کرتے ہیں اور علم معانی والوں کا کام زائد علی اصل کو بیان کرنا ہوتا ہے تو یہاں انکے معانی کو کیوں بیان کیا۔

جواب : یہ ہے کہ معانی بیان کرنا اہل لغت والوں کا کام ہے جو اصل مراد ہے اور انکی حالتوں کو بیان کرنا اور حالات کے موافق اسماءِ اشارات لانا اہل معانی کا کام ہے جو اصل مراد سے زائد ہے۔

فلااشكال عليه

اصل مراد سے مراد مسندالیہ پر جو حکم لگا ہے اس حکم کو کسی بھی طریقے سے بیان کرنا چاہے اشارہ کے ساتھ ہو یا موصول کے ساتھ ہو اور اس کو حالت کے مطابق بنانا زائد علی اصل المراد ہے۔کبھی تحقیر کیلئے مسندالیہ کو اسم اشارہ لایا جاتا ہے جیسے کہ ملعون ابوجہل نے حضور اکرم ﷺ کی

تحقیر کیلئے کہاتھا"اَھٰذَا الَّذِی یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُم " اور کبھی مسندالیہ کے رفیع الشان ہونے کو بتلانے کیلئے اسم اشارہ بعید کے ساتھ لایا جاتا ہے جیسے "الم ذٰلِکَ الْکِتَابُ" اور یا مسند الیہ کے حقیر ہونے کو بتلانے کیلئے اسم اشارہ بعید کیساتھ لایا جاتا ہے جیسے مجلس میں حاضر شخص کے بارے میں کہا جائے "ذلک اللعین فعل کذا" کبھی اس معنی کیلئے جو حاضر اور اسم اشارہ سے مقدم ہو بیان کرنے کیلئے ذلک لایا جاتا ہے اسلئے کہ وہ معنی غیر مدرک بالحس ہے گویا کہ وہ بعید ہے۔

قوله اوللتنبيه عند تعقيب المشار اليه الخ۔

کبھی مسندالیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ لایا جاتا ہے اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ اسم اشارہ کے بعد مشارالیہ پر جو حکم لگا ہے وہ حکم ان اوصاف کی وجہ سے ہے جو اوصاف مشارالیہ کے بعد ذکر کئے جاتے ہیں جیسے "اولئک علی هدی من ربهم واولئک هم المفلحون " ان آیات میں اشارہ دو [اولئک] ہے مشارالیہ متقون ہیں اور اوصاف ایمان بالغیب اقامۃ الصلوۃ وغیرہ ہیں اور حکم فلاح دارین ہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ ان افراد پر فلاح کا حکم اسلئے لگایا گیا کہ وہ اس بات کے مستحق ہیں اسلئے کہ وہ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہیں اور جو ایسا ہوگا تو ان کیلئے فلاح ہوگی۔

قوله : وبهذاظهرفسادماقيل الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ باوصاف [باء] متاخر پر داخل ہے یعنی اوصاف مشارالیہ سے مؤخر ہوتے ہیں اور یہی معنی لغت کے مطابق ہے بعض لوگوں نے اوصاف کو مشارالیہ سے مقدم مانا ہے یہ معنی لغت کے بھی خلاف ہے اور تکلفات سے بھی خالی نہیں ہے۔

قوله : وباللام للاشارة الى معهودالخ۔

کبھی مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے الف لام کی صورت میں (یعنی معرف باللام کی صورت میں) معرف باللام کی بحث کو سمجھنے سے پہلے لام کے اقسام کو سمجھنا ضروری ہے بقول مصنفؒ لام کی اولاً دو قسمیں ہیں [۱] الف لام عہدی [۲] الف لام حقیقت پھر لام عہدی کی تین قسمیں ہیں لام عہدی وہ لام ہوتا ہے جس کا مصداق خارج میں موجود ہو اگر وہ صراحتاً مذکور ہے

تواس کو عہد صریحی کہتے ہیں اگر وہ کنایۃً مذکور ہو تو اس کو عہد کنائی کہتے ہیں اگر مخاطب کے ذہن میں قرینہ مذکور ہو تو اس کو عہد علمی کہتے ہیں، پھر لام حقیقت کی بھی تین قسمیں ہیں۔

[۱] لام حقیقت من حیث الحقیقت جس کا دوسرا نام الف لام جنسی ہے یعنی اپنے مفہوم کے اعتبار سے قطع نظر افراد سے۔

[۲] عہد ذہنی جس کا مصداق ذہن میں ہو اور اسکے ذہنی ہونے پر کوئی قرینہ بھی ہو اور اس کا مصداق متکلم اور مخاطب کو معلوم نہ ہو۔

[۳] استغراقی یعنی الف لام من حیث الافراد پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔

[۱] استغراقی حقیقی جو اپنے تمام افراد کو شامل ہو بحسب اللغو۔

[۲] استغراق عرفی جو اپنے تمام افراد کو شامل ہو من حیث العرف اس تمہید کے بعد اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ کبھی لام سے اشارہ کیا جاتا ہے معہود خارجی کی طرف چاہے وہ ایک فرد ہو یا دو افراد ہو یا جماعت ہو اور وہ مصداق صراحتاً مذکور ہو یا کنایۃً مذکور ہو دونوں کی مثال قرآن کی یہ آیت ہے "ولیس الذکر کالانثی" اس آیت میں انثی کا لام معہود خارجی صریحی ہے اور اس کا مصداق "رَبِّ اِنِّی وَضَعتُهَا اُنثٰی" چونکہ مسند الیہ نہیں ہے لہذا یہ مثال نہیں ہوگی بلکہ نظیر ہوگی۔ الذکر میں الف لام عہد کنائی ہے اور اس کا مصداق خارج میں [ما] ہے [ما] اگرچہ عام ہے مگر محرر کے قرینے سے اس سے لڑکا مراد ہے کہ بیت المقدس کی خدمت لڑکا کر سکتا ہے نہ کہ لڑکی عہد علمی کی مثال جیسے "خرج الامیر" جبکہ شہر میں ایک ہی امیر ہو یہ بیان تھا الف لام عہد خارجی کا۔

قوله : اوللاشارة الى نفس الحقيقة الخ ـ

یہاں سے بیان ہے الف لام جنسی کا کہ کبھی الف لام کے ذریعے اشارہ ہوتا ہے نفس کی طرف قطع نظر افراد سے جیسے "الرجل خير من المرأة" حقیقت مرد حقیقت عورت سے بہتر ہے اگر کوئی فرد مراۃ فرد رجل سے بہتر ہو جیسے کہ آیت میں مذکور ہے تو وہ اس قانون کے منافی نہیں ہے۔

قوله : وقد یاتی المعرف بلام الحقيقة لواحد الخ ـ

یہاں سے الف لام عہد ذہنی کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کبھی الف لام معرف باللام آتا ہے حقیقت افراد میں سے کسی فرد پر دلالت کیلئے جو کہ معہود فی الذہن ہوتا ہے بایں معنی کہ وہ فرد اپنی حقیقت کے موافق ہے اور حقیقت اس پر حمل ہوتا ہے جیسے کلی طبعی ہے کہ کلی طبعی کا خارج میں اپنے افراد میں سے کسی فرد پر حمل کیا جاتا ہے ایسی طرح الف لام عہد ذہنی ہوتا ہے کہ اپنے فرد کی صورت میں پایا جاتا ہے جیسے کہ ”وَاَخَافُ اَن یَّاکُلَه الذِّئبُ “ اس کیلئے شرط یہ ہے کہ اس کے معہود ذہنی ہونے پر کوئی قرینہ ہو۔ اور قرینہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس لام کو دوسرے لام پر حمل کرنے میں معنی صحیح نہ بنتا ہو۔

قوله : وهذافی المعنی کالنکرة الخ۔

یہ (یعنی الف لام عہد ذہنی) نکرہ کے معنی میں ہوتا ہے اگرچہ لفظاً اس پر معرفہ کے احکام جاری ہوتے ہیں جیسے کہ اس کا مبتداء واقع ہونا ذوالحال بننا وغیرہ۔

قوله : وانماقال کالنکرة لما بینهما من تفاوت الخ۔

کہ مصنفؒ نے ”کالنکرۃ“ کہا ”نکرۃ“ نہیں کہا اسلئے کہ ان میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ ہے کہ یہ اپنے قرینے کے ساتھ نکرے کے مساوی ہے اسلئے کہ دونوں صورتوں میں فرد غیر معین مراد ہوتا ہے اور بغیر قرینے کے یہ اپنی حقیقت پر محمول ہوتا ہے اور حقیقت اس کی معلوم ہوتی ہے اسلئے ”کالنکرۃ“ کہا اور اس مشابہت کی وجہ سے کبھی اس کے ساتھ نکرہ والا معاملہ ہوتا ہے اور یہ جملے کیلئے موصوف بنتا ہے اور جملہ اس کیلئے صفت بنتا ہے جبکہ جملہ نکرہ ہوتا ہے جیسے کہ شاعر کا یہ شعر ہے۔

ولقدامرعلی اللئیم یسبنی : فمضیت ثمه قلت لایعنینی

ترجمہ : کہ میں ایک کمینہ کے پاس سے گزرتا ہوں جو مجھے گالی دے دیتا ہے اور میں اس سے ایسا گزرتا ہوں گویا کہ وہ مجھے گالی نہیں دے رہا۔ اس شعر میں ”اللئیم“ معرف باللام ہے اور موصوف ہے چونکہ جملہ نکرہ کے درجہ میں ہے لہذا جملے کا صفت بننا درست ہے۔

قوله : وقد یفید المعرف باللام المشاربها الی الحقیقة الخ۔

کبھی الف لام استغراق کا فائدہ دیتا ہے یعنی الف لام کے ذریعے اس حقیقت کی طرف اشارہ

ہوتا ہے جو حقیقت اپنے تمام افراد کے ضمن میں پایا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں "ان الانسان لفی خسر" کہ یہ مستثنیٰ متصل ہے جس میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں دخول ضروری ہے اور دخول اس وقت ہوگا جب مستثنیٰ منہ میں عموم ہو اور عموم کا دوسرا نام استغراق ہے۔

قوله : فاللام التی لتعریف العهد الذهنی الخ۔

اس عبارت کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ جو لام عہد ذہنی کے طور پر ہوتا ہے یا استغراق کیلئے آتا ہے یہ درحقیقت لام جنسی ہوتا ہے لیکن مقام قرینہ اور حالت کے تقاضے کے موافق ہو اس کو کبھی ذہنی پر حمل کیا جاتا ہے کبھی استغراق پر حمل کیا جاتا ہے۔

قوله : ولابد فی لام الحقیقة من ان یقصد بها الاشارة الخ۔

یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ الف لام کے ذریعے جس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس حقیقت سے کیا مراد ہے حقیقت من حیث الحقیقة مراد ہے قطع نظر افراد معینہ فی الذہن سے یا حقیقت معینہ فی الذہن مراد ہے اگر مراد حقیقت ہے تو پھر مصدر معرف باللام اور مصدر منکر میں کوئی فرق نہیں رہے گا جیسے "الرجعی ورجعی" جبکہ ان دونوں میں فرق ہے ایک معرفہ ہے دوسرا نکرہ ہے اور اگر اس سے مراد حقیقت معینہ فی الذہن ہے تو الف لام عہد خارجی اور لام حقیقت میں کوئی فرق نہیں رہے گا اسلئے کہ دونوں سے اشارہ ہوتا ہے حاضر فی الذہن کی طرف۔

جواب : یہ ہے کہ شق ثانی مراد ہے یعنی حاضر فی الذہن کی طرف اشارہ ہوتا ہے رہا دونوں میں فرق تو وہ اس طرح ہے کہ لام عہدی سے اشارہ ہوتا ہے اس فرد کی طرف جو حقیقت کا ایک فرد ہے اور لام حقیقت سے اشارہ ہوتا ہے حقیقت فی الذہن کی طرف حقیقت معینہ اور حقیقت فرد کے درمیان فرق واضح ہے اور یہی فرق ہے الرجعی، اور رجعی میں کہ رجعی میں حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ اور الرجعی میں حقیقت کے فرد کی طرف اشارہ ہوتا ہے چاہے وہ فرد ایک ہو یا دو ہو یا کثیر ہو پھر استغراق کی دو قسمیں ہیں۔

[۱] حقیقی جو تمام افراد کو بحسب اللغة شامل ہو جیسے "عالم الغیب والشهادة" اور اس کا معنی ہے "عالم کل الغیب والشهادة"۔

[۲] استغراق عرفی جو تمام افراد کو بحسب العرف شامل ہو جیسے "جمع الامیر الصاغۃ" امیر نے تمام صناروں کو جمع کیا اس سے عرفاً اس کے مملکت کے صنار مراد ہیں نہ کہ پوری دنیا کی۔

قوله : قيل المثال مبنى على مذهب المازنى الخ۔

بعض حضرات نے کہا کہ استغراق عرفی کی مثال امام مازنیؒ کے مسلک کے مطابق تو صحیح ہے مگر جمہور کے مسلک کے مطابق درست نہیں ہے اسلئے کہ

امام مازنی کا مسلک : یہ ہے کہ جو الف لام اسم فاعل اور مفعول پر داخل ہو وہ تعریف کیلئے ہوتا ہے چاہے اسم فاعل یا مفعول معنی حدوث پر دلالت کرے یا دوام پر جبکہ

جمہور کا مسلک : یہ ہے کہ اگر اسم فاعل اور مفعول معنی دوام پر دلالت کرے جیسے "المؤمن ،الکافر" تو یہ لام تعریف کیلئے ہے اور اگر معنی حدوث پر دلالت کرے تو لام اسم موصول کا ہوگا نہ کہ تعریف کا اسلئے کہ اسم فاعل فعل معروف کے معنی میں ہوتا ہے اور مفعول فعل مجہول کے معنی میں ہوتا ہے اور یہ صلہ واقع ہوتے ہیں لہذا ان کا جملہ ہونا ضروری ہے اور جملہ اس وقت ہوگا جب یہ فعل پر داخل ہو اور فعل پر لام تعریف داخل نہیں ہوتا ہے۔

قوله : وفيه نظر لان الخلاف انما هو فى اسم الفاعل الخ۔

شارحؒ نے اس کا ایک جواب یہ دیا کہ صاغۃ معنی دوام پر دلالت کرتا ہے لہذا یہ دونوں مسلک کے مطابق استغراق کیلئے ہوسکتا ہے اور اختلاف صرف مفرد حدوث میں ہے یہ جواب تھا علی سبیل الانکار اور

دوسرا جواب : علی سبیل التسلیم ہے کہ اس مقام پر استغراق کی تقسیم مطلق تقسیم ہے چاہے وہ استغراق صرف تعریف یا اسم موصول کے ذریعے ہو اسلئے کہ اسم موصول بھی استغراق کیلئے آتا ہے جیسے "اضرب القائمين الا عمرا" تمام قائمین کو مارو سوائے عمر کے۔

قوله : واستغراق المفرد اشمل الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ استغراق فی المفرد استغراق مثنی اور استغراق مجموع میں زیادہ بلیغ ہے اسلئے کہ استغراق مفرد تمام افراد کو شامل ہوتا ہے جبکہ استغراق مثنی فرد واحد کو شامل نہیں ہوتا اور استغراق مجموع فردین کو شامل نہیں ہوتا جیسے "لا رجل فى الدار" سب کو شامل ہے کہ گھر میں کوئی

فرد نہیں ہے "لا رجلین فی الدار" واحد کو شامل نہیں ہے اگر گھر میں ایک فرد ہو تو یہ اس پر صادق نہیں آتا "لا رجال فی الدار" گھر میں دو فرد ہو تو یہ ان پر صادق نہیں آیگا۔

قوله : وهذافی النكرة مسلم الخ ـ

مصنفؒ کا یہ اصول نکرہ منفیہ میں تو مسلم ہے مگر اثبات کے اندر جاری نہیں ہو سکتا اسلئے کہ "المسلمات، المسلمین" جو استغراق جمع فی المثبت ہے تمام افراد کو شامل ہے جیسے کہ آئمہ اصول نے اور آئمہ نحو نے اس اصول کو بیان کیا ہے اور استقراء بھی اس کی تائید کرتا ہے اور مفسرین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے مصنفؒ کی طرف سے یہ جواب دیا کہ مفرد سے مراد مطلق مفرد ہے چاہے لفظاً ہو یا معناً ہو لہذا المسلمات وغیرہ میں دخول الف لام کے بعد جمعیت کے باطل ہونے کی وجہ سے معناً مفرد ہو گیا بقول علامہ دسوقی کے کہ اس بات میں علماء معانی اور دوسرے علماء کا اختلاف ہے علماء اہل معانی جمعیت کے بطلان کے قائل نہیں ہے جبکہ دوسرے علماء بطلان کے قائل ہیں اسلئے مصنفؒ کا قول علماء معانی کے مسلک کے مطابق ہے۔

قوله : ولاتنافی بین الاستغراق وافرادالاسم الخ ـ

اس مقام پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ اسم جنس مفرد پر الف لام داخل نہیں ہونا چاہیئے (مراد الف لام استغراق ہے) اسلئے کہ اسم جنس مفرد تو حد پر دلالت کرتا ہے۔ اور استغراق متعدد پر دلالت کرتا ہے لہذا دونوں میں منافات ہے۔

قوله : ولاتنافی الخ ـ

مصنفؒ نے اس کا جواب کہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے لیکن جب اسم مفرد پر الف لام داخل کیا جاتا ہے تو اس وقت اس مفرد کو وحدت کے معنی سے خارج کیا جاتا ہے۔

قوله : وامتناع وصفه الخ ـ

ایک اعتراض کا جواب دے رہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ جب اسم مفرد کو وحدت سے خالی کیا گیا اور اس میں استغراق کا معنی پیدا ہوا تو اس کی صفت صیغہ جمع کے ساتھ آنی چاہیے جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔

جواب (۱): جمع کے ساتھ صفت اسلئے نہیں لائی جاتی کہ وہ لفظاً مفرد ہوتا ہے اور اس مشاکلت کے اعتبار سے صفت واحد لائی جاتی ہے۔ اور کبھی جمع بھی لائی جاتی ہے "الطفل الذین لم یظهر"۔

قوله : ولانه الخ۔

یہاں سے دوسرا جواب دے رہے ہیں۔

جواب (۲): کہ دخول الف لام کے بعد وہ لفظ مجموعہ افراد پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ وہ کل فرد کے معنی میں ہوتا ہے یعنی علی سبیل البدلیت دلالت کرتا ہے اسلئے جمع کے ساتھ صفت لانا ممنوع ہے عندالجمہور جبکہ امام اخفش اس کے قائل ہیں جیسے "الدینار الصرف ،والدرهم البیض دینار اور درہم کی صفت صیغہ جمع کیساتھ لایا۔

قوله : وبالاضافة ای تعریف المسند الیه الخ۔

کبھی مسندالیہ کو معرفہ لایا جاتا ہے اضافت کیساتھ اسلئے کہ اضافت کی صورت میں کلام مختصر ہوتا ہے جیسا کہ شاعر کا یہ شعر۔

هوای مع الرکب الیمانین مصعد : جنیب وجثمانی بمکة موثق

ترجمہ : کہ میرا محبوب یمانی سواریوں کیساتھ دور مقام پر ہے اور وہ لوگ میرے محبوب کے پیچھے جا رہے ہیں اور میرا جسم مکہ میں قید ہے۔ اس شعر میں [هوای] موضع استشہاد ہے اس کو اضافت کے ساتھ بیان کیا اسلئے کہ یہ مقام مقامِ افسوس ہے اور تنگ دلی کا مقام ہے اور ایسے مقام پر کلام کو مختصر کیا جاتا ہے کیونکہ شاعر قید میں ہے۔

[۲] کبھی مضاف الیہ کے شان کو بتلانے کیلئے آتا ہے جیسے "عبدی حضر" کہ میں ایسا شخص ہوں کہ میرے پاس غلام بھی ہے اور کبھی مضاف کیلئے آتا ہے جیسے کہ "عبدالخلیفة رکب" کہ خلیفہ کا غلام سوار ہے۔ کبھی غیر مضاف الیہ اور غیر مضاف کی تعظیم کیلئے آتا ہے جیسے "عبدالسلطان عندی" کہ بادشاہ کا غلام میرے پاس ہے۔ محل استشہاد عندی ہے۔

قوله : وان کان مضاف الیه الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ اس مثال میں [ی] مضاف الیہ ہے جب کہ مثال غیر ھما میں کی دی گئی ہے؟
جواب : یہ ہے کہ غیر ھما سے مراد وہ مسند الیہ کے مضاف اور مضاف الیہ کے علاوہ ہو مطلق مراد نہیں ہے کبھی یہ اضافت تحقیر بتلانے کیلئے آتی ہے جیسے "ولد الحجام حاضر" اس میں مضاف کی تحقیر ہے۔ کبھی مضاف الیہ کی تحقیر کیلئے آتی ہے جیسے "ضارب زید حاضر" مضروب زید کو بتلانا ہے جس میں تحقیر ہے کبھی کبھی غیر مضاف الیہ اور غیر مضاف کی تحقیر کیلئے آتا ہے جیسے "ولدالحجام جلیس زید" زید کی تحقیر کی ہے کہ اس کا جانشین حجام کا لڑکا ہے۔

قوله : ولاغنائها عن تفصيل متعدد الخ ـ

کبھی شئی کی تفصیل سے مستغنی کرنے کیلئے آتی ہے اسلئے کہ تفصیل دشوار ہوتی ہے جیسے "اتفق اہل الحق علی کذا" ان تمام کا نام لینا متعذر تھا یا تمام کا نام لینا مشکل ہوتا ہے اس سے مستغنی کرنے کیلئے آتا ہے جیسے "اہل البلد فعلوا کذا" اور کبھی خلجان سے بچانے کیلئے آتی ہے جیسے "علماء البلد حاضرون" اگر کسی کا نام لیا جائے تاتقدیم اور تاخیر کے اعتبار سے تو دوسروں کی ناراضگی کا خطرہ تھا اسلئے اضافت کیساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

قوله : واماتنکیره ای تنکیر المسند الیه الخ ـ

یہاں سے مصنفؒ مسند الیہ کے نکرہ ہونے کے مقاصد کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مسند الیہ کو نکرہ ذکر کیا جاتا ہے افراد کے واسطے یعنی وحدت شخصیہ کو بتلانے کیلئے جیسے "وجاء رجل من اقصی" الخ۔ اس آیت میں [رجل] مسند الیہ نکرہ ہے یہ وحدت شخصی ہے کہ شہر کے اطراف سے ایک شخص آیا نہ کہ دو یا زیادہ۔ اور کبھی وحدت نوعی کو بتلانے کیلئے آتا ہے جیسے کہ "وعلی ابصارهم غشاوة" کہ کفار کی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ہے اس آیت میں غشاوۃ نوع کو بتلانے کیلئے آیا ہے اور وہ پردہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اندھا ہونا ہے یہ تشریح صاحب کشاف کے نزدیک ہے اور علامہ سکاکی نے "مفتاح العلوم" میں [غشاوة] کو تعظیم کیلئے لیا ہے کہ انکی آنکھوں پر ایک بڑا پردہ ہے۔ اور بعض حضرات نے دونوں میں تطبیق کی ہے کہ غشاوۃ نوع کیلئے بھی ہے اور تعظیم کیلئے بھی ہے اور مراد یہ ہوگا کہ انکی آنکھوں پر ایک خاص قسم کا ایک بڑا پردہ ہے۔ اور کبھی مسند الیہ نکرہ ہوتا ہے تعظیم اور تحقیر کے واسطے جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

له حاجب عن كل امر يشنيه : وليس له عن طالب العرف حاجب

ترجمہ : کہ محبوب کے واسطے ایک بڑا پردہ ہے ہر اس چیز سے جو اس کو عیب دار بنادے ،اور طالب احسان کے واسطے چھوٹا سا پردہ بھی نہیں ہے۔اس شعر میں پہلا "حاجب" تعظیم کیلئے ،اور دوسرا تحقیر کے واسطے ہے۔

قوله : اوالتكثير الخ۔

اور کبھی مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے تکثیر یا تقلیل بتلانے کیلئے۔تکثیر کی مثال اہل عرب کا یہ قول ہے "ان لہ لابلاوان لہ لغنما" فلاں کیلئے بہت سارے اونٹ اور بہت سارے مویشی ہیں۔ابل اور غنم تکثیر کو بتلانے کیلئے آیا ہے۔

تقلیل کی مثال یہ آیت ہے "ورضوانٌ مِنَ اللهِ اكبرُ" اللہ کی خشنودی بھی ہر شئی سے بڑی ہے۔

قوله : والفرق بين التعظيم والتكثير الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ تکثیر اور تعظیم ایک ہی چیز ہے اسی طرح تحقیر اور تقلیل بھی ایک چیز ہے لہذا ان دونوں کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

جواب : شارحؒ نے اس کا جواب دیا اور مصنفؒ نے بھی "قد جاء" سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔وہ فرق یہ ہے کہ تعظیم باعتبار کیفیت کے ہوتا ہے اور تکثیر باعتبار کمیت کے ہوتا ہے یعنی کسی شئی کا مرتبہ بتلانے کیلئے تعظیم کا لفظ آتا ہے۔اور اس کی کثرت بتلانے کیلئے قطع نظر تعظیم کے کثرت کا لفظ آتا ہے۔اور یہی حال ہے تقلیل اور تحقیر کا کہ تقلیل کیفیت کی کمی کو بتلاتی ہے ۔اور تحقیر کمیت کی کمی کو بتلاتی ہے۔

فائدہ : کم کی دو قسمیں ہیں[۱] کم منفصلہ جو عددی چیزوں میں ہوتا ہے جیسے کہ سو اخروٹ زیادہ ہیں پچاس اخروٹ سے اسکی طرف اشارہ کیا ہے باعتبار کمیات۔

[۲] کم متصلہ جو مکیلی اور موزونی چیزوں میں ہوتا ہے جیسا کہ دس رطلیں زیادہ ہیں ایک رطل سے۔

مقادیر کی دو صورتیں ہیں[۱] تحقیقی جیسے اونٹوں کا زیادہ ہونا[۲] تقدیری "رضوان من الله

"جو غیر محسوس شئی ہے اور تقدیراً مقدار پایا جاتا ہے۔

قوله : وقد جاء التنكير للتعظيم والتكثير الخ ـ

یہاں سے اس بات کو مثالوں سے بیان کیا ہے کہ نکرہ تعظیم اور تکثیر دونوں کیلئے آتا ہے "وَان يُّكَذِّبُوكَ فَقَد كُذِّبَت رُسُلٌ مِن قَبلِكَ " الخ۔ اس آیت میں [رسل] نکرہ ہے تعظیم کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا۔ اگر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو تحقیق وہ آپ سے پہلے بھی بہت بڑے رسولوں کو جھٹلائے ہیں۔

اور تکثیر کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ بہت سارے رسولوں کو جھٹلائے ہیں۔

قوله : وقدتكون للتحقير والتقليل الخ ـ

اور کبھی تحقیر اور تقلیل دونوں کیلئے آتا ہے "حصل لی منه شیء" اس میں شئی تحقیر کیلئے بھی اور تقلیل کیلئے بھی۔ کہ مجھے حقیر سی شئی یا قلیل شئی حاصل ہوگئی۔

قوله : ومن تنكير غيره الخ ـ

کبھی غیر مسندالیہ کو ان مقاصد مذکورہ کیلئے نکرہ لایا جاتا ہے۔ وحدت شخصی اور نوعی کی مثال "وَاللّٰهُ خَلَقَ كُل دابةمن مَّاء " کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کو ایک خاص پانی سے پیدا فرمایا۔

وحدت شخصی کے اعتبار سے ترجمہ یوں ہوگا کہ ایک خاص شخص کو ایک خاص نطفہ سے پیدا کیا ہے یعنی بیٹے کو باپ سے۔

نوعی کی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ ہر ایک نوع کو اس نوع کے نطفہ سے پیدا کیا۔ اس آیت میں [دابة] اور [ماء] غیر مسندالیہ نکرہ ہے۔

قوله : ومن تنكيره غيره للتعظيم الخ ـ

کبھی نکرہ غیر مسندالیہ کے تعظیم کیلئے آتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے "فَأذَنُوا بِحَرب مِّن اللّٰهِ وَرَسُولِه" اس آیت میں حرب نکرہ غیر مسندالیہ ہے اور تعظیم کیلئے آیا ہے سود کے بارے میں نفرت دلانے کیلئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ عظیم کا اعلان ہے۔

قوله : وللتحقير الخ ـ

اور کبھی غیر مسندالیہ کی تحقیر کیلئے آتا ہے "وان نظن الا ظنا" ہم گمان نہیں کرتے مگر چھوٹا سا گمان۔

قولہ : وبھذا الاعتبار الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال جواب سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

[ا] اس مثال میں [ظنا] مستثنیٰ مفرغ ہے اسلئے کہ اس کا مستثنیٰ منہ عام ہوتا کہ مستثنیٰ کو بھی شامل ہو جائے۔

[۲] دوسری بات ظن ان چیزوں میں سے ہے جو شدت اور ضعف کو قبول کرتی ہے اس تمہید کے بعد اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اس مثال میں استثناء الشئی من نفسہ لازم آتا ہے کہ ہم گمان نہیں کرتے مگر گمان اور یہ ایسا ہوگا جیسا "ماضربتک الا ضربا":۔

جواب : اس اعتراض کا یہ ہے کہ اس مثال میں ظن تاکید کیلئے نہیں ہے بلکہ نوع کیلئے ہے کہ ہم کوئی بڑا گمان نہیں رکھتے البتہ چھوٹا سا گمان ہے اور ظن کے اندر اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ قوی بھی ہو سکتا ہے اور ضعیف بھی لہذا ظن ضعیف سے استثناء نہیں ہے بلکہ ظن قوی سے استثناء ہے اور یہی تاویل "ماضربتک الاضربا" میں بھی چل سکتی ہے۔

قولہ : کما ان التنکیر الذی فی معنی البعضیۃ الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ نکرہ جو بعضیت کے معنی کو متضمن ہو تعظیم کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح لفظ بعض بھی تعظیم کا فائدہ دیتا ہے صراحتاً جیسے اس آیت میں "وَرَفَعَ بَعضَھُم فَوقَ بَعضٍ دَرَجَات" اس آیت میں بعض سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اور اس آیت سے آپ کی عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے۔

قولہ : واما وصفہ ای وصف المسند الیہ الخ۔

اور مسندالیہ کو کبھی صفت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے اور وصف کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

[ا] اس تابع پر ہوتا ہے جو متبوع کیلئے صفت بنتا ہے۔

[۲] معنی مصدری پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی کسی شئی کی صفت لانا کسی شئی کا وصف ذکر کرنا اس

مقام پر وصف سے کیا مراد ہے تو شارحؒ نے فرمایا کہ معنی مصدری مراد لینا اصح ہے اور صفت مراد لینا احسن ہے پہلی صورت اصح دو وجھوں سے ہے۔

[۱] مصنفؒ نے آگے جو احوال ذکر کیا ہے وہ معنی مصدری کے ساتھ کیا ہے جیسے " واما بیانہ واما الابدال ":-

[۲] دوسری وجہ [فلکونہ] سے علت بیان کرنا چاہتے ہیں۔اور علت معنی مصدری کا بیان کیا جاتا ہے نہ کہ لفظ کا اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ مسندالیہ کی صفت لائی جاتی ہے اس کی وضاحت کیلئے اور احسن کی وجہ یہ ہے کہ یہ فن بدیع کی صناعت استخدام کو شامل ہوگا کہ لفظ ذکر کر کے اس سے وصف یعنی صفت مراد لیا اور [لکونہ] ضمیر ذکر کر کے اس سے وصف بمعنیٰ تابع مراد لیا اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا کہ مسندالیہ کو صفت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے "الجسم الطویل العریض العمیق یحتاج الی فراغ یشغلہ " اس مثال میں جسم کی وضاحت کیلئے تین صفات ذکر کیے طویل ،عریض ،عمیق کہ جسم ان تین چیزوں کو قبول کرتا ہے۔

قولہ : ونحوہ فی الکشف الخ۔

اور کبھی صفت غیر مسندالیہ کی وضاحت کیلئے آتی ہے جیسے شاعر کا یہ شعر۔

ان الذی جمع السماحۃ والنجدۃ والبر والتقی جمعا : الالمعی الذی یظن بک الظن کان قد رای وقد سمعا

ترجمہ : جس شخص نے سخاوت کو بزرگی کو نیکی کو اور تقوی سب کو جمع کیا ایسا ذہین اور ہوشیار شخص ہے جو تمہارے بارے میں ایسا گمان کرتا ہے جیسا کہ اس نے دیکھ لیا اور سن لیا۔

اس شعر میں موضع استشہاد [الالمعی] ہے جو کہ مسندالیہ نہیں ہے اسلئے کہ یہ مرفوع ہے یا تو [انّ] کی خبر ہونیکی وجہ سے لہذا یہ مسند ہوگا یا یہ منصوب ہے [انّ] کی اسم کی صفت ہونیکی وجہ سے یا [اعنی] فعل محذوف کا مفعول ہے۔

قولہ : اولکونہ مخصصا للمسندالیہ الخ۔

کبھی مسندالیہ کی صفت لائی جاتی ہے تخصیص کیلئے یا رفع احتمال غیر کیلئے اگر نکرہ کی تخصیص ہے

اس کو قلت اشتراک کہا جاتا ہے۔اور اگر معرفہ کی صفت لائی گئی ہے تو رفع احتمال غیر ہے اہل بیان کے نزدیک اور توضیح ہے نحات کے نزدیک جیسے "جاء رجل عالم "نکرہ کی مثال ہے "زید التاجر عندنا" معرفہ کی مثال ہے۔

قوله : اولکونه مدحاأوذماألخ ـ

کبھی مسندالیہ کی صفت لائی جاتی ہے مدح اور ذم کے واسطے جب مسندالیہ پہلے سے معلوم ہو ورنہ تخصیص کیلئے ہوگا جیسے "جاءنی زید العالم" مدح کی مثال ہے۔اور "جائنی زید الجاہل "ذم کی مثال ہے۔

قوله : اولکونه تاکیداالخ ـ

کبھی مسندالیہ کی صفت لائی جاتی ہے تاکید کے واسطے جیسا کہ "امس الدابر کان یوما عظیما" کہ گذشتہ کل ایک عظیم دن تھا۔اس مثال میں [دابر] صفت تاکید کیواسطے ہے۔

قوله : وقدیکون الوصف لبیان المقصود الخ ـ

اور کبھی صفت لائی جاتی ہے مقصود کو بیان کرنے کے واسطے اور مقصود کی تفسیر کے واسطے جیسے کہ اس آیت میں "ومامن دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه" اس آیت میں [فی الارض] اور [بجناحیه] مقصود کی تفسیر کے واسطے ہے کہ جنس دابۃ اور جنس طائر مراد ہے کوئی مخصوص فرد مراد نہیں ہے۔

قوله : بهذاالاعتبار افاد هذا الوصف الخ ـ

اس معنی کے اعتبار سے (کہ صفت بیان مقصود کیلئے ہے) اس صفت نے تعمیم اور احاطہ کی زیادتی کا فائدہ دیا۔

قوله : واماتوکیده ای توکید المسند الیه الخ ـ

کبھی مسندالیہ کی تاکید لائی جاتی ہے مسندالیہ کے مفہوم کو محقق اور ثابت کرنے کیلئے :اعنی جعله :اس طور پر کہ غیر کا احتمال باقی نہ رہے ازالہ خفاء مقصود نہیں ہے جیسے "جاءنی زید زید" اس مثال میں مخاطب کی غفلت کو دور کرنے کے واسطے اور مسندالیہ کو ثابت کرنے کے واسطے زید کی

تاکید لائی گئی ہے۔

قوله : اوعن حمله علی معناه الخ۔

یامسندالیہ کی تاکید اسلئے لائی جاتی ہے کہ مخاطب کواس بات پر تنبیہ ہوجائے کہ مسندالیہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے نہ کہ مجازی میں جیسا کہ "جاءاسداسد" دوسرا[اسد] معنی حقیقی کوبتلانے کیلئے لایا گیاہے۔

قوله : وقیل المرادبه تقریرا للحکم الخ۔

بعض حضرات نے کہا کہ تاکید مسندالیہ کے حکم کی تاکید کیلئے یامحکوم علیہ کی تاکید کے واسطے لائی جاتی ہے نہ کہ صرف مسندالیہ کی تاکید کے واسطے جیسے حکم کی مثال "انا عرفت" کہ مسندالیہ [انا]اور[تُ] دوبارہ ذکرکرکے حکم کی تاکید کی ہے۔

محکوم علیہ کی مثال جیسے "اناسعیت فی حاجتک وحدی اولاغیری "آپ کی ضرورت کے واسطے میں نے ہی کوشش کی کسی اور نے نہیں کی اس مثال میں بقول بعض [وحدی][انا] کی تاکید ہے۔

قوله : وفیه نظر لانه لیس من تاکید المسند الیه الخ۔

شارحؒ یہ بتاناچاہتے ہیں کہ مذکورہ اصول توصحیح ہے مگراس کی مثال صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اس مثال میں[وحدی] تاکید نہیں ہے بلکہ حال ہے۔

قوله : وتاکیدالمسندالیه الخ۔

اس عبارت سے اس مسلک کی تردید کرناچاہتے ہیں کہ تاکید مسندالیہ کبھی تاکید حکم کے واسطے ہوتاہے بلکہ تقریرحکم کافائدہ تقدیم مسندالیہ دیتاہے۔مثال مذکور(یعنی اناعرفتُ)میں جوتقریرحکم کا فائدہ حاصل ہواہے وہ تقدیم مسندالیہ سے ہواہے نہ کہ تاکید سے۔

قوله : اودفع توهم التجوّز الخ۔

کبھی تاکید اسلئے لائی جاتی ہے کہ مخاطب کی ذہن سے مجاز کے احتمال کوختم کیاجائے جیسے "قطع اللص الامیرالامیراونفسه اوعینه " چورکابازوامیرنے کاٹ دیا،یہاں تاکید لایااس وہم کوختم کرنے کیلئے کہ یہاں قطع کی اسنادامیرکی طرف مجازی ہوتاکیدلایاکہ یہ

اسناد حقیقۃً ہے نہ کہ مجازاً۔

قوله : اولدفع سهوالخ ۔

یا مخاطب کی ذہن سے بھول کا ازالہ کیا جائے جیسے "جاء نی زیدزید"۔

قوله : اولدفع الشمول الخ ۔

یا تاکید مسندالیہ اسلئے لائی جاتی ہے کہ مخاطب کے ذہن سے اس بات کا ازالہ کیا جائے کہ مسندالیہ سب کوشامل نہیں ہے جیسے "جاء نی القوم کلهم اجمعون" کہ تمام قوم میرے پاس آئی نہ کہ بعض اسلئے کہ ہوسکتا تھا کہ مخاطب قوم سے بعض افراد مراد لیتے ان کے درمیان اتحاد اور تعاون کی وجہ سے۔

قوله واما بیانه ای تعقیب المسندالیه الخ ۔

کبھی مسندالیہ کا بیان لایا جاتا ہے ایسے اسم کے ساتھ جو مسندالیہ کی وضاحت کرے اور اسکے ساتھ خاص ہو جیسے "قدم صدیقک خالد" آپ کا دوست خالد آیا ہے۔ خالد عطف بیان ہے صدیق کی وضاحت کے واسطے۔

قوله ولایلزم ان یکون الثانی الخ ۔

اس عبارت سے شارحؒ مصنفؒ پر تین اعتراضات ذکر کر رہے ہیں۔

[۱] کہ مصنفؒ کی اس عبارت "فلایضاحه باسم مختص به" سے یہ لازم آتا ہے کہ عطف بیان مبین سے واضح ہو اسلئے کہ ایضاح تب حاصل ہوگا جب وہ زیادہ واضح ہو حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے اسلئے کہ کبھی مبین اور بیان کے اجتماع سے واضاحت حاصل ہوتی ہے جیسے "جاء زید عبداللہ"۔

[۲] اس عبارت سے یہ لازم آتا ہے کہ عطف بیان مبین کے ساتھ خاص ہو حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے جیسا کہ شاعر کا یہ شعر۔

والمؤمن العائذات الطیر یمسحها

ترجمہ : اس ذات کی قسم جو پناہ دینے والا ہے ان پرندوں کو جو پناہ چاہتے ہیں اور جن کو قافلے والے چھوتے ہیں۔ اس مثال میں [عائذات] مبین [طیر] عطف بیان ہے۔ [طیر] [عائذات] کیساتھ خاص نہیں ہے۔

[۳] کبھی عطف بیان ایضاح کے علاوہ کیلئے بھی آتا ہے جیسے مدح وغیرہ کیلئے جیسے اس آیت میں "جعل الله الكعبة البيت الحرام " اس آیت میں [البیت الحرام] عطف بیان مدح کے واسطے ہے نہ کہ ایضاح کے واسطے اسلئے کہ کعبہ پہلے سے اوضح ہے ان تینوں اعتراضوں کا جواب یہ ہے کہ مصنفؒ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے نہ کہ ہمیشہ

قوله : واماابدال منه ای من المسند اليه الخ ۔

کبھی مسندالیہ کا بدل لایا جاتا ہے مسندالیہ کو زیادہ مضبوط کرنے کے واسطے جیسے "جاء اخوک زید" زیادتی تقریر بدل الکل میں تو واضح ہے اور بدل البعض میں اس طرح ہے کہ مبدل منہ اجمالاً بدل کو شامل ہے لہذا بدل کا ذکر زیادتی تقریر کے واسطے ہوگا جیسے "جاء نی القوم اکثرهم" اور بدل الاشتمال میں اس طور پر ہے کہ مبدل منہ کے ذکر سے بدل کا انتظار رہتا ہے جیسے "سلب زيدثوبه ،اعجبنی زيدعلمه " اس مثال میں تعجب میں ڈالنے والی چیز زید نہیں ہے بلکہ اس کا علم ہے اسلئے زید کے اس بات کا انتظار رہتا ہے کہ کس چیز نے تعجب میں ڈالا۔اور پھر بدل الاشتمال کو ذکر کیا جاتا ہے۔ مصنفؒ نے بدل الغلط کو ذکر نہیں کیا اس لئے کہ وہ فصیح کلام میں نہیں آتا۔

قوله : وهذامن عادةافتتان صاحب المفتاح الخ ۔

عبارت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ مصنفؒ نے تاکید کو بیان کرتے ہوئے "للتقریر" کہا اور بدل کو بیان کرتے ہوئے "لزيادة التقرير" کہا اس واسطے کہ مصنفؒ نے علامہ سکاکیؒ کی پیروی کی ہے اور علامہ سکاکی کلام میں جدت پیدا کرنے کیلئے مختلف عبارات لیکر آتے ہیں ساتھ ساتھ اس میں ایک باریک نکتہ بھی ہے کہ بدل میں مقصود بدل ہی ہوتا ہے اور زیادتی تقریر تبعاً حاصل ہوتی ہے جبکہ تاکید میں مقصود نفس تقریر ہوتا ہے اسلئے وہاں تقریر کہا۔

قوله : واماالعطف الخ ۔

اور کبھی مسندالیہ کو عطف کے ساتھ لایا جاتا ہے مسندالیہ کی تفصیل اور اختصار کے واسطے جیسے "جاءنی زید وعمر" اس مثال میں فاعل کی تفصیل ہے مگر فعل میں اختصار ہے اس بات سے کہ وہ ایک ساتھ آئے یا یکے بعد دیگرے تراخی کیساتھ آئے یا بغیر تراخی کے آئے۔ لفظ اختصار سے

احتراز کیا مصنفؒ نے "جاء نی زیدو جاء نی عمر" سے اس لئے کہ اس میں تفصیل مسند الیہ تو ہے لیکن مسند الیہ کا عطف مسند الیہ پر نہیں بلکہ جملے کا عطف جملے پر ہے۔

قوله : و مایقال من انه احتراز الخ۔

سے بعض لوگوں کا قول ذکر کر رہے ہیں بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ لفظ اختصار سے احتراز کیا "جاء نی زیدجاء نی عمر" بغیر عطف کے مگر یہ بات درست نہیں ہے اسلئے کہ اس میں تفصیل مسند الیہ نہیں ہے بلکہ اس میں احتمال ہے اس بات کا کہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے اعتراض ہے گویا کہ پہلا جملہ معدوم کے درجے میں ہے۔

قوله : اولتفصیل المسندالخ۔

کبھی عطف ہوتا ہے تفصیل مسند کے واسطے اختصار کیساتھ جیسے "جاء نی زیدفعمر" یا "ثم عمر" یا "جاء نی القوم حتی خالد" یہ تینوں مثال تفصیل مسند میں مشترک ہیں مگر یہ کہ ان تینوں میں تھوڑا سا فرق ہے کہ [فاء] تعقیب کے ساتھ تفصیل کیلئے ہے۔ اور [ثم] تراخی کے ساتھ تفصیل کیلئے ہے۔ اور [حتی] اجزاء ذہنیہ کی ترتیب کے واسطے سے ہے اضعف سے اقوی کی طرف، یا اقوی سے اضعف کی طرف مثلاً "جاء نی القوم حتی خالد" اگر خالد ذی شرف آدمی ہے تو ترتیب اضعف سے اقوی کی طرف ہے۔ اور اگر اس کا عکس ہے یعنی اگر خالد غیر ذی شرف ہے تو ترتیب اقوی سے اضعف کی طرف ہے اجزاء خارجی کا اعتبار نہیں ہے اسلئے یوں کہنا درست ہے "مات ابائهم حتی آدم علیه الصلوة والتسلیم" حالانکہ خارجی کے اعتبار سے حضرت آدمؑ کی موت پہلے واقع ہوئی ہے۔

قوله : فان قلت فهذاالثلاثة ایضاً الخ۔

اس عبارت سے ایک اعتراض اور اس کا جواب نقل کر رہے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ مذکورہ تین مثالوں میں جس طرح تفصیل مسند ہے اسی طرح تفصیل مسند الیہ بھی ہے لہذا مصنفؒ کو چاہیئے تھا کہ عبارت یوں لاتے "اوتفصیلهما"۔

قلت سے اس کا جواب : دیا کہ تفصیل مسند مقصود بالذات حاصل ہے جبکہ تفصیل مسند الیہ بالطبع

حاصل ہورہی ہے اسلئے کسی شئی کا مقصود ہونا اور شئی ہے اور اس کا مفہوم ہونا اور شئی ہے۔

قوله : لان الکلام اذا اشتمل علی قید زائد الخ۔

سے اس بات کی دلیل بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب کلام اثبات اور نفی کے علاوہ کسی اور قید پر مشتمل ہوگا تو وہ قید مقصود بالذات ہوتا ہے غالباً اور مذکورہ تین مثالوں میں قید زائد داخل ہے مسند پر نہ کہ مسندالیہ پر اور قید زائد سے مراد [فاء]، [ثم] اور [حتی] ہے جو تعقیب، تراخی، اور ترکیب کا فائدہ دیتے ہیں۔

قوله : وانماسیق الکلام لبیان ان مجیء الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کلام کو چلایا گیا ہے مذکورہ تین باتوں کو بیان کرنے کے واسطے لہذا یہی مقصود بالذات ہے۔

قوله : اوردالسامع عن الخطاء فی الحکم الخ۔

کبھی عطف ذکر کیا جاتا ہے سامع کو درست بات کی طرف متوجہ کرنے کیلئے جب سامع غلطی پر ہو جیسے "جاء نبی زید ولا عمرو" زید آیا ہے نہ کہ عمرو۔ یہ کلام اس شخص کیلئے بولا جاتا ہے جو عمرو کے آنے کا اعتقاد رکھتا ہو یا دونوں کے آنے کا اعتقاد رکھتا ہو گویا کہ قصر افراد بھی ہے اور قصر قلب بھی ہے۔

نـــوٹ : قصر افراد شرکت کی نفی کرنے کا نام ہے۔ اور قصر قلب سامع کے ذہن کے برعکس کو بیان کرنے کا نام ہے۔

قوله : ولکن ایضا للرد الی الصواب الخ۔

اور حرف (لکن) بھی اسی مقصد کیلئے آتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ (لکن) قصر افراد کیلئے نہیں آتا صرف قصر قلب کیلئے آتا ہے جیسے "ماجاء نی زید لکن عمر" اس شخص کیلئے جو زید کے آنے کا معتقد ہو نہ کہ دونوں کے آنے کا اور نحاۃ کا کلام اس بات کی طرف مشیر ہے کہ لکن اس شخص کیلئے لایا جاتا ہے جو دونوں کے آنے کا معتقد نہ ہو۔

قوله : اوصرف الحکم الی حکم الاخر الخ۔

اور کبھی عطف حکم کو ایک مسندالیہ سے دوسرے مسندالیہ کی طرف پھیرنے کیلئے آتا ہے جیسے "جاء

نی زیدبل عمرٌوأوماجاء نی زیدبل عمر "صرفِ حکم کامطلب جمہور کے نزدیک کلام مثبت میں یہ ہوتا ہے کہ حکم کو تابع کیلئے ثابت کیا جائے۔اور متبوع یعنی معطوف الیہ کو مسکوت عنہ کے حکم میں کردیا جائے اور یہ صرفِ حکم حرف بل کرتا ہے بشرطیکہ اس سے پہلے [لا] نہ ہو۔اگر کلام منفی ہے تو اس میں تین مسلک ہیں۔

[ا] امام مبرد کا مسلک کہ حکم کی تابع سے نفی کی جاتی ہے اور متبوع مسکوت عنہ ہوتا ہے۔

[۲] علامہ ابن حاجبؒ کا مسلک کہ حکم کی تابع سے نفی کی جاتی ہے اور متبوع کیلئے ثابت کیا جاتا ہے۔

[۳] جمہور کا مسلک کہ حکم تابع کیلئے ثابت کیا جاتا ہے اور متبوع مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے

قوله : ففيه اشكال الخ۔

جمہور کا یہ مسلک منفی میں نہیں چل سکتا اسلئے کہ جمہور کے مسلک کے مطابق تابع کے واسطے ثبوت حکم ثابت ہوتا ہے نہ کہ حکم کی نفی لہذا صرف حکم نہیں ہوا بلکہ صرف ضد حکم ہوا بعض حضرات نے جمہور کی طرف سے یہ جواب دیا کہ صرفِ حکم سے تغییر حکم مراد ہے تو تغییر حکم پایا گیا (یعنی نفی سے اثبات کی طرف حکم کی تغییر ہوئی) لہذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

قوله : اوللشک الخ۔

اور کبھی مسند الیہ کا عطف شک یا تشکیک کیلئے ہوتا ہے جیسے کہ "جـــاء نـــی زیداو عمرو" اگر متکلم کو علم نہیں ہے تو شک کیلئے ہے۔اگر علم ہے تو سامع کی تشکیک کیلئے ہے

قوله : اوللابهام الخ۔

اور کبھی عطف ہوتا ہے سامع سے حکم کو مخفی رکھنے کیلئے جیسے اس آیت میں "اَنَّا اَوایَّاکُم لَعَلٰی هُـدًى أوفِـي ضَـلَالٍ مُبِـين." اس آیت میں محل استشہاد [انا] اور [ایاکم] کے درمیان [او] ہے جو حکم کے اخفاء کیلئے ہے۔

قوله : اوللتخيير والاباحة الخ۔

اور کبھی عطف ہوتا ہے اختیار کے واسطے یا اباحت کے واسطے دونوں کی مثال "لِيأكلِ الطعامَ زيـدٌ أوعـمـرو" دونوں میں فرق۔اباحت میں معطوف اور معطوف علیہ دونوں حکم میں داخل

ہو سکتے ہیں جبکہ تخییر میں جمع نہیں ہو سکتے۔

قوله : واماالفصل الخ۔

احوال مسندالیہ میں سے ایک حالت یہ بھی ہے کہ مسند اور مسندالیہ کے درمیان ضمیر فصل لائی جاتی ہے جیسے "زیدھوقائم"۔

قوله : وانماجعله من احوال المسنداليه الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : اس ضمیر کو مسندالیہ کی حالت کیوں قرار دی گئی جبکہ یہ مسند کے ساتھ بھی متصف ہوتی ہے۔شارحؒ نے اسکے تین جوابات دیے ہیں۔

[۱] کہ یہ ضمیر مسندالیہ کے ساتھ مقترن ہے اولاً اور مسند کیساتھ ہے ثانیاً۔

[۲] یہ معنی مسندالیہ کے ساتھ متصف ہے اسلئے کہ [ھو] سے زید مراد ہے۔

[۳] وفی اللفظ مطابق له کہ یہ ضمیر تثنیہ اور جمع ہونے میں مسندالیہ کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ان وجوہات کی بناء پر اس کو مسندالیہ کے احوال میں ذکر فرمایا۔

قوله : فلتخصيصه الخ۔

ضمیر فصل اسلئے لائی جاتی ہے کہ مسند کو مسندالیہ کیساتھ خاص کیا جائے جیسا کہ "ایاك نعبد" میں ہے۔

قوله : واماتقديمه الخ۔

کبھی مسندالیہ کو مقدم کیا جاتا ہے اس کی اہمیت کی وجہ سے اور اہم اسلئے ہے کہ مسندالیہ اصل ہے بمقابلہ مسند کے اس لئے کہ یہ محکوم علیہ ہے اور محکوم علیہ کا محکوم بہ سے پہلے تحقق ضروری ہے۔

قوله : ولامقتضى للعدول عنه الخ۔

جب اصل کے خلاف کوئی مقتضی موجود نہ ہو اگر موجود ہوگا تو پھر تقدیم ضروری نہیں جیسا کہ فاعل میں ہوتا ہے کہ فاعل مسندالیہ ہونے کے باوجود فعل سے مؤخر ہوتا ہے اسلئے کہ یہ فعل کا معمول ہے اور معمول مؤخر ہوتا ہے۔

قوله : واماالتمكين الخ۔

تقدیم کی وجہ سے سامع کے ذہن میں خبر کو بٹھانا ہے اسلئے کہ مبتداء تقدم کی وجہ سے خبر کیلئے شوق پیدا کرتا ہے جیسے ۔

الذی حارت البریۃفیہ : حیوان مستحدث من جماد

ترجمہ : جس چیز میں مخلوق حیران ہیں وہ ایک جانور ہے جو پیدا ہوتا ہے سڑی ہوئی بوسیدہ ہڈیوں سے ۔ اس شعر میں [الذی] مسندالیہ اپنے صلے سے ملکر مبتداء ہے اور اس بات کا شوق پیدا کرتی ہے کہ لوگ کس چیز میں حیران ہیں تو خبر میں اس کا جواب ملا کہ مخلوق حیران ہیں بعث بعدالموت پر کہ بوسیدہ ہونے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہوتا ہے اور یہ نشور صرف روحانی نہیں بلکہ جسمانی ہوتا ہے اور اس بات پر دلیل ہے کہ حیوان سے مراد بنی آدم ہے ماقبل شعر ہے وہ یہ ہے کہ ۔

بان امرالالہ واختلف : الناس فداع الی ضلال وھاد

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہوگیا اور لوگ اختلاف کرنے لگے بعض نشور کے قائل ہوگئے اور ھدایت پاگئے اور بعض منکر ہوکر گمراہ ہوگئے ۔

قولہ : واماالتعجیل المسرۃ الخ ۔

یا مبتداء (مسندالیہ) کو مقدم کیا جاتا ہے نیک فالی کے واسطے جیسے کہ "سعید فی دارك اذاکان علماً" یا بدشگونی کیلئے جیسے "والسفاح فی دارك" سفاح سے مراد خون بہانے والا ہے

قولہ : واماالابہام الخ ۔

یا اسلئے مقدم کیا جاتا ہے کہ مسندالیہ ذہن سے زائل نہیں ہوتا مطلوب ہونے کی وجہ سے یا مزہ حاصل کیا جاتا ہے محبوب ہونے کی وجہ سے جیسے "الحبیب جاء ،محبوبی جاء"۔

قولہ : واماالنحوذلک الخ ۔

اس جیسے دوسرے وجوہ کے بناء پر بھی تقدیم ہوتی ہے جیسے تعظیم و تحقیر وماشبہ ذلک ، تعظیم کی مثال: "رجل فاضل عندی" تحقیر کی مثال: "رجل جاھل فی الدار" وغیرہ۔

قولہ : قال عبدالقاھرالخ ۔

یہ ہے بحث ماانا قلت کا شیخ عبدالقاہر فرماتے ہیں کہ جس طرح مسندالیہ کو مقدم کیا جاتا ہے اس کے اہم ہونے کی وجہ سے اسی طرح کبھی مقدم کیا جاتا ہے تخصیص کے واسطے اور یہ تخصیص کا فائدہ دے گا دو شرطوں کے ساتھ۔

[ا] خبر فعل ہو [۲] حرف نفی مسندالیہ سے مقدم ہو جیسے ''ماانا قلت ھذا'' میں نے ہی نہیں کہا اس صورت میں تخصیص کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طریقے سے فعل کی نفی ہوگی متکلم سے اس طریقے سے فعل کا ثبوت ہوگا غیر کے واسطے یعنی اگر نفی بطور خاص کے ہے تو ثبوت بطور خاص کے ہوگا غیر کے واسطے اگر نفی عام ہے متکلم سے ثبوت بھی عام ہوگا غیر کے واسطے لہذا اس مثال کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بات جب متکلم نے نہیں کہی ہے خصوصی طور پر تو اسکے غیر نے مخصوصی طور پر یہ بات کہدی ہوگی۔

قوله : ولایلزم الخ۔

یہ عبارت ایک اعتراض کا جواب ہے۔اعتراض : یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں جب حکم کی نفی ہوگی متکلم سے تو متکلم کے علاوہ تمام لوگوں کیلئے اس کا ثبوت ہوگا حالانکہ یہ بات ممکن نہیں ہے۔
جواب : اس کا جواب دیا کہ یہاں حصر حصر اضافی ہے حقیقی نہیں ہے صرف مخاطبین کا اعتبار ہے غیر کا اعتبار نہیں۔

قوله : ولهذا لم يصح الخ۔

جب تقدیم تخصیص کیلئے ہو اور مذکور سے حکم کی نفی کرنا ہو، غیر کیلئے حکم کو ثابت کرنا ہو تو'' ماانا قلت ھذا ولا غیر'' کہنا درست نہیں ہوگا اسلئے کہ ' ماانا قلت ' کا مفہوم غیر متکلم کیلئے ثابت کرنا ہے اور لا غیر اسکی نفی کر رہا ہے۔

قوله : وهما متناقضان الخ۔

اسی طرح ''ماانا رأیت احداً'' کہنا بھی صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ متکلم کے سواء کوئی شخص ایسا ہے جس نے تمام لوگوں کو دیکھا ہو حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے اسی طرح ''ماانا ضربت الا زیداً'' بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس مثال کا مطلب یہ ہوگا کہ متکلم کے سوا کوئی شخص ایسا ہے جس نے زید کے علاوہ سب کو مارا ہو حالانکہ یہ بھی ممکن نہیں ہے۔حاصل یہ

ہے کہ متکلم سے جس طریقے سے نفی ہوگی اس طریقے سے غیر کیلئے حکم ثابت ہوگا اگر نفی خاص ہو تو ثبوت بھی خاص ہوگا۔ اگر ثبوت عام ہو تو نفی بھی عام۔

قوله : فقديأتي التقديم الخ۔

کبھی مسند الیہ کا تقدم تخصیص کیلئے آتا ہے اس شخص پر رد کرنے کے واسطے جو خبر فعل کو غیر متکلم کے واسطے مانتا ہے اور اس شخص کیلئے بھی جو حکم میں متکلم کے ساتھ شریک مانتا ہے (یعنی قصر قلب ،اور قصر افراد کیلئے آتا ہے بالترتیب) جیسے "انا سعیت فی حاجتک "آپ کی ضرورت کیلئے میں نے ہی کوشش کی ہے۔اس سے غیر کی بھی نفی ہوئی ،اور شرکت کی بھی نفی ہوئی۔قصر قلب کی تاکید کیلئے اس جملے کے ساتھ لاغیر اور [لا من سواء] کے الفاظ بھی لگا سکتے ہیں اور قصر افراد کے تاکید کے واسطے "وحدی مفردا متفردا" کے الفاظ بھی لگا سکتے ہیں "ویوکد علی الاول وعلی الثانی" سے یہی مراد ہے تاکید سے صراحت ثابت ہو جائیگی اور شبہ کا ازالہ ہو جائیگا۔

قوله : وقديأتي لتقوية الحكم الخ۔

مسند الیہ کو اسلئے بھی مقدم کیا جاتا ہے کہ وہ تقویت حکم کا اور تقریر حکم کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ "ھو یعطی الجزیل" اس میں تقوی حکم اس طور پر ہے کہ نسبت میں تکرار ہے کہ یعطی کا فاعل ضمیر ہے جو لوٹ رہی ہے ماقبل ضمیر کی طرف۔

قوله : وكذا اذا كان الفعل منفياً الخ۔

یہاں سے دوسری صورت کو ذکر کر رہے ہیں یعنی اگر حرف نفی مسند الیہ سے مؤخر ہو اور مسند پر داخل ہو تو اس صورت تقدیم تقوی حکم کیلئے بھی آتا ہے اور تخصیص کیلئے بھی آتا ہے تخصیص کی مثال "انت ماسعیت فی حجتی " "آپ ہی نے میری ضرورت کیلئے کوشش نہیں کی مخاطب کو خاص کیا عدم سعی کے ساتھ۔تقوی حکم کی مثال "انت لاتکذب " "آپ ہی جھوٹ نہیں بولتے" "انت لاتکذب " میں نفی سخت ہے "لاتکذب" میں سے کیونکہ "انت لاتکذب " میں تکرار اسناد ہے جو "لاتکذب" میں نہیں ہے۔

قوله : واقتصر المصنف على مثال التقوى الخ۔

سوال : یہ ہے کہ مصنفؒ نے تقوی حکم کی مثال تو دیدی مگر تخصیص کی مثال نہیں دی حالانکہ یہ دونوں کیلئے آتا ہے۔

جواب : شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ دراصل سابقہ مثالیں تخصیص اور تقوی کیلئے کافی تھی مگر مصنفؒ نے تقوی حکم کی مثال دیکر اس کے اور تاکید مسندالیہ کے درمیان فرق کو بتلانا چاہتے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے "وکذامن لاتکذب انت" کہ "انت لاتکذب" جس طرح کذب کی نفی کرتا ہے اشد کیساتھ لاتکذب سے بھی اسی طرح "لاتکذب انت" سے تو کرتا ہے اور یہ اسلئے کہ "انت لاتکذب" میں تکرار اسناد ہے جو تقویت حکم کا فائدہ دیتا ہے جبکہ "لاتکذب انت" تاکید مسندالیہ کا فائدہ دیتا ہے اور سہو تجوز اور نسیان کا ازالہ کرتا ہے۔

قولہ :وھذا الذی ذکر من التقدیم الخ......:

یہ بات جو ذکر ہوئی کہ تقدیم مسندالیہ کبھی تخصیص کے لئے اور کبھی تقوی حکم کے لئے ہوتا ہے تو یہ اُس صورت میں ہوگا جب مسندالیہ معرفہ ہو۔

قولہ : وان بنی الفعل علی منکرالخ۔

اگر مسندالیہ نکرہ ہے تو اس کی تقدیم تخصیص جنس یا تخصیص وحدت کا فائدہ دیگی جیسے "رجل جاء نی" اگر مراد تخصیص جنس ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ رجل میرے پاس آیا نہ کہ عورت اگر تخصیص وحدت مراد ہے تو مراد یہ ہوگا ایک مرد آیا نہ کہ دو، یا دو سے زائد۔

قولہ : فاصل النکرۃ المفردۃ ان یکون لواحد من الجنس الخ۔

نکرہ مفردہ اصل میں جنس میں سے ایک کو بتلانے کیلئے آتا ہے لیکن کبھی اس سے مطلق جنس مراد ہوتی ہے اور کبھی اس سے فرد واحد مراد ہوتا ہے۔

قولہ : والذی یشعربہ کلام الشیخ الخ۔

یہ مصنفؒ پر ایک اعتراض ہے کہ مصنف کے کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ جب مسندالیہ نکرہ ہو تو وہ صرف تخصیص کیلئے آتا ہے اور اس کلام کی نسبت ہے شیخ عبدالقاہر کی طرف جبکہ شیخ عبدالقاہر نے دلائل الاعجاز میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ مسندالیہ نکرہ تخصیص کیلئے بھی آتا ہے اور تقویت

کیلئے بھی آتا ہے۔البتہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ عدم ذکر سے عدم شئی لازم نہیں آتا ہے لہذا مصنف" کا یہاں ذکر نہ کرنا اس کے مذہب کی نفی نہیں ہے۔

قوله : ووافقه السكاكي الخ۔

علامہ سکاکی نے تقدیم کے مفید للتخصیص ہونے میں شیخ کی موافقت کی ہے شرائط اور تفصیل میں اسکی مخالفت کی ہے تو تقدیم مسند الیہ میں عقلاً نو[۹]صورتیں ہیں۔

شیخ کے مذہب کی تفصیل یہ ہے کہ:

مسند الیہ یا نکرہ ہو یا معرفہ ظاہرا ہو یا مضمرا پس یہ تین اوران میں سے ہر ایک میں حرف نفی مسند الیہ پر مقدم ہوگا۔یا حرف نفی بالکل نہ ہوگا یا مؤخر ہوگا تو ٹوٹل نو (۹) قسمیں ہوئیں۔پس جب حرف نفی کو مسند الیہ پر مقدم کیا جائے اور مسند الیہ چاہے نکرہ ہو یا معرفہ ظاہرہ ہو یا مضمرہ ہو تو اس صورت میں تقدیم مفید للتخصیص ہوگا۔اور اگر حرف نفی بالکل نہ ہو یا ہو مگر مؤخر ہو مسند الیہ سے اور مسند الیہ چاہے نکرہ ہو یا معرفہ ظاہرہ ہو یا مضمرہ ہو۔تو کبھی تقدیم تخصیص کے لئے ہوتا ہے اور کبھی تقوی کے لئے۔تو پہلے تین صورتوں میں تقدیم تخصیص کے لئے ہوگا۔وہ تین صورتیں یہ ہیں:

(۱) حرف نفی مسند الیہ پر مقدم ہو اور مسند الیہ نکرہ ہو،(۲) حرف نفی مسند الیہ پر مقدم اور مسند الیہ معرفہ ظاہرہ ہو،(۳) حرف نفی مسند الیہ پر مقدم ہوگا اور مسند الیہ معرفہ مضمرہ ہو،اور باقی چھ صورتوں میں تقدیم تخصیص کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور تقوی کے لئے بھی۔

علامہ سکاکی کے مسلک کی تفصیل ہے کہ اگر مسند الیہ نکرہ ہے تو وہ مفید للتخصیص ہوگا جب کوئی مانع موجود نہ ہو بغیر کسی تفصیل کے(کہ حرف نفی کے ساتھ متصل ہے یا نہیں یا حرف نفی بالکل نہیں ہے) اگر مسند الیہ معرفہ ہے اور اسم ظاہر ہے تو وہ صرف تقویت حکم کے واسطے ہوگا بغیر کسی تفصیل کے اور اگر مسند الیہ معرفہ ہو کر اسم ضمیر ہے تو تقویت حکم اور تخصیص دونوں کے واسطے ہوگا بغیر کسی تفصیل کے دو شرطوں کے ساتھ۔

[۱] کہ وہ مسند الیہ اصل میں مؤخر تھا اس کو مقدم کیا گیا یا الفاظ دیگر وہ فاعل معنوی ہو۔

[۲] اس شرط کا اور اس تقدیر کا اعتبار بھی کیا گیا ہو جیسے "انا قمت" اس مثال میں یہ بات ممکن ہے کہ یوں فرض کیا جائے کہ یہ اصل میں "قمت انا" تھا اور [انا] فاعل معنوی ہے اسلئے کہ یہ

تاکید ہے پھر اس کو مقدم کیا گیا اور اس تقدم کا اعتبار بھی کیا گیا تو ان شرطوں کیساتھ یہ مفید للتخصیص ہوگا [والا] اگر مذکرہ شرطیں نہ پائے جائیں تو پھر تقدیم مسندالیہ تخصیص کا فائدہ نہیں دیگا بلکہ تقوی حکم کا فائدہ دیگا جیسے "زید قائم" اس مثال میں مسندالیہ کو یوں فرض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مؤخر تھا اس کو مقدم کیا اسلئے کہ یہ فاعل لفظی ہے۔

قولہ : ولما کان مقتضی هذا الکلام ان لایکون الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ مذکورہ اصول کے تحت ایک صورت کو مستثنیٰ قرار دینا چاہتے ہیں وہ صورت ہے "رجل جاء نی" اس مثال میں [رجل] کو مفید للتخصیص نہیں ماننا چاہیئے اسلئے کہ اگر اس کو مؤخر مانیں گے تو فاعل لفظی ہوگا اور فاعل لفظی کا تقدم جائز نہیں ہے حالانکہ اس کو مفید للتخصیص مانا گیا اسلئے شارح نے فرمایا کہ مصنف نے اس صورت کو مذکورہ اصول سے مستثنیٰ کیا اور اس کو "اسروالنجوی" کے قبیل سے قرار دیا جس طرح "اسروالنجوی" کی ترکیب یوں کی جاتی ہے کہ [واو] فاعل لفظی مبدل منہ ہے اور "الذین ظلموا" اس کا بدل ہے اور فاعل معنوی ہے۔ اسی طرح "رجل جاء نی" اصل میں "جاءنی رجل" ہے [جاء] کی [ھو] ضمیر مبدل منہ ہے اور [رجل] اس کیلئے بدل ہے اور یہ فاعل معنوی ہے لہذا اس کو مقدم کرنا درست ہے۔

قولہ : لئلا ینتفی التخصیص اذ لاسبب له الخ ۔

سوال : یہ ہے کہ مصنفؒ نے ایسا کیوں کیا (یعنی مسندالیہ کو مؤخر فرض کرنا)؟

جواب : یہ ہے کہ [رجل] کو تخصیص کیلئے ماننے کیلئے اس تاویل کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے ورنہ یہ مبتداء نہیں بن سکتا اس لئے کہ نکرہ بغیر تخصیص کے مبتداء واقع نہیں ہوسکتا اور معرفہ کے اندر اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ : فان قیل فیلزم ابراز الضمیر الخ ۔

اعتراض : اگر کوئی اعتراض کرے کہ "جاءنی رجل" میں تبدیلی کرکے اس کو بدل قرار دیا جائے تو پھر تثنیہ اور جمع کے اندر بھی ضمیر کو ظاہر کرنا درست ہونا چاہیئے جیسے "جاءانی رجلان، جاءونی رجال" حالانکہ یہ ترکیب فصاحت کے خلاف ہے اور استعمال کے بھی

خلاف ہے۔

قوله : قلنا ليس مراده الخ ـ

یہاں سے اس کا جواب دے رہے ہیں۔

جواب : کہ "جاء نی رجل" میں [رجل] کو بدل فرض کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ [رجل] حقیقتاً فاعل ہے اور اس کو مقدم کیا گیا ہے اسلئے کہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ حاصل جواب کا یہ ہے کہ ہمارا جواب مفروضہ پر مبنی ہے حقیقت پر نہیں ہے اور یہ فرض کرنا "جاءانی" اور "جاءونی" کے اندر بھی درست ہے۔

قوله : فليتامل الخ ـ

سے بھی اس کہانی کے فرضی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قوله : ثم قال السكاكی الخ ـ

علامہ سکاکی نے فرمایا کہ "رجل جاءنی" کو باب اسروکے قبیل سے اس وقت قرار دیا جاسکتا ہے جب کوئی مانع موجود نہ ہو اگر کوئی مانع موجود ہوگا تو پھر تخصیص کیلئے تقدیم درست نہیں ہوگی جیسے "شراھرذناب" اس مثال میں [شر] کو تخصیص جنس کے واسطے نہیں قرار دیا جاسکتا اسلئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کتے کو جنس شر نے بھڑکایا نہ کہ جنس خیر نے اور یہ بات غلط ہے اسلئے کہ خیر بھڑکانے کا سبب نہیں بن سکتا اور تخصیص وحدت بھی مراد نہیں لے سکتے اسلئے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایک شر نے بھڑکایا نہ کہ دو یا زائد نے اور یہ بات بھی غلط ہے کہ ایک شر کتے کو بھڑکائے نہ کہ دو یا زائد۔

قوله : واذقدصرح الائمة بتخصيصه الخ ـ

یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہے کہ آپ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شر کی تقدیم تخصیص کیلئے نہیں ہے حالانکہ علماء نحات نے اس کو تخصیص کیلئے مانا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ ہماری مراد تخصیص جنس اور تخصیص وحدت ہے یعنی ہم نے ان دونوں کی نفی کی حالانکہ علماء نحات نے اس کو تخصیص تخصیص نوعی مراد لیا کہ انواع شر میں سے شر عظیم نے کتے

کو بھڑ کایا۔

قوله : وفيه نظر اذ الفاعل اللفظى الخ ۔

یہاں سے مصنف" علامہ سکا کی" پر رد کر رہے ہیں۔[فیہ] سے مراد علامہ سکا کی کا مسلک اور اسکے تفاصیل ہے کہ انہوں نے فرمایا"ان التقديم لايفيد التخصيص الااذا كان ذلك المقدم يجوزتقديره مؤخرا الخ ...'' حاصل یہ ہے کہ علامہ سکا کی نے جو کچھ کہا سب میں نظر ہے اسلئے کہ علامہ سکا کی نے فاعل لفظی اور فاعل معنوی میں فرق کیا ہے کہ فاعل معنوی کی تقدیم جائز ہے اور لفظی کی جائز نہیں ہے یہ بات اسلئے غلط ہے کہ فاعل جب تک فاعل ہے اور تابع جب تک تابع ہے ان کو مقدم کرنا ممتنع ہے بلکہ امتناع تقدیم التابع اولی بلکہ تابع کو مقدم کرنے کی امتناع (یعنی ممانعت) فاعل لفظی سے زیادہ اولی ہے تین وجہوں سے۔

(۱) تقدیم فاعل لفظی سے صرف تقدیم معمول لازم آتا ہے جبکہ تقدیم تابع سے دو خرابی لازم آتی ہیں [۱] ایک تابع کو متبوع پر مقدم کرنا۔[۲] تابع کو متبوع کے عامل پر مقدم کرنا۔

(۲) کہ تابع کو مقدم کرنا بالاتفاق ناجائز جبکہ فاعل حقیقی کو مقدم کرنا بعض کوفیین کے نزدیک جائز ہے۔

(۳) تقدیم فاعل کی صورت میں اسکا نائب ضمیر موجود ہوتا ہے جبکہ تقدیم تابع میں کوئی قائم مقام موجود نہیں ہوتا۔

قوله : وكذاتجويزالفسخ فى التابع دون الفاعل الخ ۔

یہ عبارت علامہ سکا کی کے جواب کا جواب ہے علامہ سکا کی نے فرمایا کہ دونوں میں فرق اس طرح ہے کہ تابع کی تابعیت کو فسخ کیا جاسکتا ہے پھر اس کو مقدم کیا جائیگا جب کے فاعل کی فاعلیت کو فسخ نہیں کیا جاسکتا لہذا دونوں میں فرق ہے۔

جواب : اس کا جواب دیا شارح" نے کہ فسخ کو تابع میں جائز قرار دینا اور فاعل میں ناجائز قرار دینا ترجیح بلا مرجح ہے اسلئے کہ فسخ فاعلیت اس وقت ناجائز ہے جب اس کو فاعل مانا جائے ورنہ اس کی فاعلیت کو فسخ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ یوں کہا جائے "زید قائم" اصل میں "قام زید" تھا زید کو مقدم کر کے مبتداء بنایا گیا اور اس کی نظیر موجود ہے

"جـرد قطيـفـة" کہ جرد اصل میں قطیفۃ کی صفت ہے لیکن اس کے معنی صفت کو ختم کر کے مضاف بنایا گیا۔

قوله : وامتناع تقديم التابع حال كونه تابعاً الخ ۔

یہ عبارت بھی علامہ سکاکی پر رد ہے علامہ سکاکی نے فرمایا کہ تابع کو تابع باقی رکھتے ہوئے مقدم کرنا جائز ہے جیسا کہ "علیـل ورحـمـة الله والسلام" اس میں [رحمۃ اللہ] تابع ہے اور [سلام] متبوع سے مقدم ہے شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ تابع کو بصورت تابع مقدم کرنا جائز ہے جس پر نحاۃ کا اجماع ہے مگر یہ کہ ضرورت شعری کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے جیسے کہ مثال مذکورہ۔

قوله : والقول بان فى حالةتقديم الفاعل ليجعل مبتدأ الخ ۔

یہ عبارت بھی علامہ سکاکی پر رد ہے کہ علامہ سکاکی نے فرمایا کہ تقدیم فاعل کی صورت میں فعل کا فاعل سے خالی ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے بخلاف تابع کے کہ متبوع بغیر تابع کے پایا جاسکتا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ فعل کا فاعل سے خالی ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ ضمیر اس کے قائم مقام کے طور پر موجود ہوتی ہے اور آپ کا یہ اعتبار کرنا محض وہم ہے۔

قوله : ثم لانسلم انتفاء التخصيص الخ ۔

یہ عبارت بھی علامہ سکاکی پر رد ہے کہ علامہ سکاکی کا یہ کہنا کہ "رجل جاءنی" میں سوائے اس تقدیر تقدیم کے (تاویل) اور کوئی صورت (سبب) تخصیص کی نہیں ہے غلط ہے اسلئے کہ خود علامہ سکاکی نے اپنی کتاب میں اس بات کو مان لیا ہے کہ اس سبب کے علاوہ اور سبب بھی ہو سکتے ہیں جیسے کہ تعظیم کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو جائے یا تقدیم تاخیر کی وجہ سے۔

قوله : لاسبب للتخصيص سواه الخ ۔

علامہ سکاکی نے اگر چہ صراحت نہیں کی ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی سبب نہیں ہے مگر اس کے کلام سے یہ مفہوم نکلتا ہے اسلئے اس نے فرمایا کہ ہم نے اس وجہ بعید کا ارتکاب اسلئے کیا کہ تخصیص کی وجہ سے مبتداء بنانا درست ہو اور وجہ بعید کا ارتکاب اس وقت کیا جاتا ہے جب تک

اور کوئی وجہ نہ ہو۔

قولہ : ثم لانسلم امتناع ان یراد الخ ۔

یہ عبارت بھی علامہ سکاکی پر رد ہے علامہ سکاکی نے فرمایا کہ شر میں تقدیم کو تخصیص جنس کیلئے نہیں مان سکتے یہ بات غلط ہے اسلئے کہ شیخ عبدالقاہر نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ شر کی تقدیم تخصیص جنس کے واسطے ہے اسلئے کہ کتے کا بھونکنا جنس خیر کے واسطے بھی ہوتا ہے جیسا کہ اپنے مالک کو دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیتا ہے اور جنس شر کے واسطے بھی ہوتا ہے جیسے چور کو دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔

قولہ : قال سکاکی ویقرب من قبیل الخ ۔

علامہ سکاکی نے فرمایا کہ جس طرح ''ھو قائم'' تقوی حکم کے واسطے آتا ہے اس کے قریب قریب ''زید قائم'' بھی آتا ہے اسلئے کہ قائم بھی ضمیر کو متضمن ہے۔

سوال : یہ علامہ سکاکی نے [یقرب] کیوں کہا نظیر اور مثل کیوں نہیں کہا۔

جواب : یہ ہے کہ ''زید قائم'' کی ذو وجہیں ہیں۔

[۱] ایک جہت میں یہ مشابہ ہے ھو قام کے کہ دونوں ضمیر پر مشتمل ہیں اور تکرار اسناد ہے۔

[۲] اور دوسرے اعتبار سے یہ اسم جامد کے مشابہ ہے اسلئے کہ ضمائر کی تبدیلی سے قائم میں تبدیلی نہیں ہوتی جیسے ''انا قائم ، انت قائم ، ھو قائم ، ھو قائم ، انا رجل ، انت رجل اسلئے علامہ سکاکی نے قرب کا لفظ استعمال کیا نہ نظیر کا لفظ استعمال کیا۔

قولہ : ولھذا ای ولشبھه بالخالی عن الضمیر الخ ۔

اور اسی وجہ سے کہ قائم میں شبہ ہے ضمیر سے خالی ہونے کا اس پر جملہ ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا اگرچہ ضمیر فاعل یا ظاہر فاعل کیساتھ ہو اور اس کے ساتھ جملہ والا معاملہ بھی نہیں کیا جائیگا یعنی مبنی نہیں ہوگا بلکہ اعراب کی تبدیلی سے تبدیل ہوتا رہے گا۔

قولہ : ومما یری تقدیمه ای من المسند الیه الخ ۔

جن صورتوں میں تقدیم مسند الیہ کو لازمی قرار دیا جاتا ہے ان کی طرح لفظ مثل اور لفظ غیر بھی ہے بشرطیکہ اس سے کنایہ مراد ہو تعریض مراد نہ ہو جیسے کہ ''مثلک لا یبخل''۔

قوله : وغیرک لایجود الخ ۔

ان مثالوں میں کنایۃً مخاطب کی سخاوت کواور بخیل نہ ہونے کو بیان کیا۔

قوله : کالازم الخ ۔

مصنفؒ نے لازم نہیں کہا بلکہ کالازم کہا اسلئے کہ انکی تقدیم کسی قاعدے کے تحت نہیں ہے بلکہ استعمال کے موافق اور یہ تقدیم مراد کو زیادہ ظاہر کرتی ہے اسلئے کہ کنایہ صریح سے بلیغ ہوتا ہے کیونکہ لازم دلیل کے درجے میں ہوتا ہے لہذا یہ دعوی الشئی ببینۃ کی طرح ہوگیا مثلک اور غیرک میں لازم ہونا اس طور پر ہے کہ مخاطب جیسے شخص سے بخل کی نفی اور وجود کا اثبات ہوگا تو لازمی طور پر مخاطب کیلئے بھی ہوگا۔

قوله : قیل وقد یقدم المسندالیه الخ ۔

اس عبارت کے سمجھنے سے پہلے بطور تمہید چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

[۱] عموم سلب اور سلب عموم ۔عموم سلب کا مطلب ہے ہر فرد سے حکم کی نفی کرنا۔سلب عموم کا مطلب جملہ افراد سے حکم کی نفی کرنا چاہے کل ہو یا بعض۔

[۲] قضیہ مہملہ معدولۃ المحمول سالبہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے کہ بعض افراد سے حکم کی نفی ہوتی ہے اور سالبہ مہملہ سالبہ کلیہ کے حکم میں ہوتا ہے اسلئے کہ اس صورت میں نکرہ حرف سلب کے تحت واقع ہوتا ہے اور نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے اور اسی کا نام سالبہ کلیہ ہے۔

[۳] ایک ہوتا ہے تاکید اور ایک ہوتا ہے تاسیس۔

تاکید : کا مطلب ماقبل حکم کو مؤکد کرنا اور۔

تاسیس : کا مطلب کلام میں جدت پیدا کرنا یا معنی مراد لینا اور تاسیس تاکید سے اولی ہوتا ہے اس تمہید کے بعد مذکورہ عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بعض لوگوں نے کہا اس سے مراد امام ابن مالک وغیرہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ مسندالیہ جو حرف سور کل کیساتھ متصل ہو تو اس کی تقدیم عموم سلب کا فائدہ دیتی ہے جیسے "انسان لم یقم" یہ قضیہ مہملہ معدولۃ المحمول ہے۔اور سالبہ جزئیہ کے حکم میں ہے اس کا مطلب ہے عدم قیام انسان کیلئے ثابت ہے فی الجملۃ گویا بعض سے نفی ہے اور یہی سالبہ جزئیہ ہے اب لفظ کل کو مسندالیہ پر داخل کر کے مقدم کیا جائے تو عموم سلب کا فائدہ

دیگا لہذا ''کل انسان لم یقم'' کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی انسان کھڑا نہیں ہے اور یہ تاسیس ہے اسی طرح لم یقم انسان قضیہ مہملہ سالبہ ہے جو سالبہ کلیہ کے حکم میں ہوتا ہے اسلئے کہ یہ نکرہ تحت النفی ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے لہذا اس کا مطلب ہوگا تمام انسان کھڑے نہیں ہوئے یعنی ''لاشئی من الانسان بقائم'' اور اس پر لفظ کل داخل کریں تو معنی عموم سلب، سلب عموم کی طرف منتقل ہوگا تو لہذا ''لم یقم کل انسان'' کا مطلب یہ ہوگا کہ افراد انسان کھڑے نہیں خواہ بعض ہو یا کل ہو اسی کا نام تاسیس ہے۔

قوله : وفيه نظر لان النفي عن الجملة في الصورة الاولىٰ الخ ـ

مصنفؒ ابن مالک وغیرہ کے ذکر کردہ قول پر تین منع وارد کر رہے ہیں۔

منع اول کا تعلق دونوں صورتوں سے ہے یعنی ''انسان لم یقم'' اور ''لم یقم انسان'' پر جبکہ منع ثانی اور منع ثالث کا تعلق صورت ثانی کے ساتھ ہے پہلے کا حاصل یہ ہے کہ ابن مالک کا بیان کردہ اصول تو ٹھیک ہے مگر دلیل کو ہم تسلیم نہیں کرتے اسلئے کہ ''انسان لم یقم'' اور ''لم یقم انسان'' میں لفظ کل داخل کرنے کے بعد جو معنی مراد لیا جائیگا وہ ہر حال میں تاسیس کیلئے ہوگا نہ کہ تاکید کیلئے اسلئے کہ لفظ کل سے پہلے انسان مسند الیہ ہے اور لفظ کل کے داخل ہونے کے بعد مضاف الیہ ہے لہذا تاکید نہیں ہوا حاصل یہ ہے کہ تاکید سے مراد تاکید اصطلاحی نہیں ہے بلکہ تاکید معنوی ہے کہ دونوں کلام ایک ہی معنی کا فائدہ دیتے ہیں اسلئے ہم نے دوسرے کو تاسیس کیلئے مان لیا۔

قوله : ولان الصورة الثانية الخ ـ

یہ منع ثانی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ صورت ثانیہ میں ''لم یقم انسان'' حکم کی نفی ہر فرد سے ہوتی ہے اور ''لم یقم کل انسان'' میں حکم کی نفی فی الجملہ ہوتی ہے لہذا پہلی صورت خاص ہوئی اور دوسری صورت عام ہوئی۔ اور پہلی صورت میں دوسری صورت خود بخود داخل ہے اسلئے کہ تمام تمام افراد سے نفی ہوگی تو فی الجملہ سے خود بخود ہوگی لہذا اس کلام میں تاسیس پیدا نہیں ہوئی بلکہ تاکید آخر پیدا ہوئی لہذا ترجیح التاکید علی التاکید لازم آتا ہے نہ کہ ترجیح التاکید علی التاسیس۔

قوله : وَمايقال ان دلالة الخ ـ

یہ عبارت ابن مالک کی طرف سے مصنف کو جواب ہے کہ ”لم یقم انسان “میں حکم کی نفی فی الجملہ بطریقہ التزام ہے اور ”لم یقم کل انسان“ بطریقہ مطابقی ہے لہذا اتحاد فی الدلالۃ نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کو تاکید کیلئے نہیں مان سکتے۔

قوله : ففيه نظر اذ لو اشترط في التاكيد الخ۔

کہکر شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ تاکید کیلئے اتحاد فی الدلالۃ شرط نہیں ہے ورنہ ”کل انسان لم یقم“ میں حکم کی نفی فی الجملہ ہے اور مطابقی کے ساتھ ہے جبکہ انسان لم یقم میں نفی فی الجملہ بطریقہ التزام ہے حالانکہ آپ نے دونوں کو تاکید کیلئے مانا ہے۔

قوله : ولان النكرة اذا عمت الخ۔

یہ منع ثالث ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ نکرہ تحت النفی سالبہ مہملہ کے حکم میں ہوتا ہے ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ یہ سالبہ کلیہ کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ سالبہ کلیہ وہ ہوتا ہے کہ کمیت افراد کے واسطے مبین موجود ہو اور اس مقام پر مبین موجود ہے اور وہ ہے نکرہ تحت النفی۔ حرف سور کا ہونا ضروری نہیں ہے

قوله : وقال عبدالقاهر ان كانت كلمة الخ۔

شیخ عبدالقاہر نے فرمایا اگر کلمہ کل نفی کے تحت واقع ہو جائے یعنی حرف نفی سے مؤخر واقع ہو جائے چاہے وہ حرف نفی کا معمول ہو یا نہ ہو اور اس کی خبر فعل ہو یا غیر فعل ہو یا کلمہ کل فعل نفی کا معمول ہو تو اس صورت میں نفی متوجہ ہو گی صرف شمول کی طرف یعنی (عموم کی طرف) فعل کی طرف متوجہ نہیں ہو گی اور کلام اس بات کا فائدہ دیگا کہ فعل کا یا وصف کا ثبوت کل کے مضاف الیہ بعض کیلئے ثابت ہو یا اس بات کا فائدہ دیگا کہ فعل اور وصف کا تعلق مضاف الیہ کے بعض کیساتھ ہوتا ہے خبر فعل ہو اس کی مثال

”ما كل ما يتمنى المرء يدركه تجري الرياح بما لا تشتهي السفن“

یہ بات ضروری نہیں کہ آدمی اس چیز کی آرزو کرلے اس کو پالے اس لئے کہ کبھی ہوائیں کشتیوں کے مخالف بھی چلتی ہے۔ محل استشہاد اس شعر میں [یدرکہ] ہے کہ یہ خبر ہے اور فعل ہے اور شیخ کے مسلک کے مطابق ثبوت بعض کا فائدہ دیتا ہے خبر غیر فعل ہو اس کی مثال ”ما كل متمنى المرئ حاصلا“ یہ بات ضروری نہیں ہے کہ آدمی کی ہر آرزو حاصل

ہوجائے۔محل استشہاد[حاصلاً] ہے جو فعل نہیں بلکہ اسم ہے اس میں بھی نفی شمول ہے۔

قوله : اومعمولة للفعل المنفی الخ۔

معمولہ کی عطف اگر داخلۃ پر کیا جائے تو مطلب صحیح نہیں بنتا اسلئے کہ معطوف معطوف علیہ میں پہلے سے شامل ہے اسلئے کہ جب کل نفی سے مؤخر ہوگا تو وہ فعل منفی کا بھی معمول ہوگا۔اور اگر اس کا عطف اخرت پر کی جائے یہ بھی صحیح نہیں اسلئے کہ یہ صورت بھی معطوف علیہ میں شامل ہے کہ جب کلمہ کل مؤخر ہوگا حرف نفی سے تو فعل منفی کا معمول بھی ہوگا لہذا اس کو کس پر عطف کیا جائے تا کہ معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر پیدا ہوجائے شارحؒ نے ''اللھم الا'' سے اس کا جواب دیا کہ یہ ایک مخصوص صورت کی طرف اشارہ ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ حرف نفی فعل سے مؤخر ہو مگر کلمہ اس فعل کا معمول نہ ہو جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے اور معمول ہونا عام ہے چاہے فاعل، یا مفعول، یا بدل کی صورت میں ہو، یا تاکید کی صورت میں ہو۔

فعل کی مثال ''ماجائنی القوم کلهم'' فاعل کی مثال ''ماجائنی کل القوم ''مفعول کی مثال ''لم اخذ کل الدراهم'' تقویت مفعول کی مثال ''کل الدراهم لم اخذ'':۔

قوله : والحق ان هذا الحكم اكثرى لا كلى الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقاہر کا بیان کردہ اصول کلی نہیں بلکہ اکثری ہے اسلئے کہ قرآن مجید میں بہت ساری مثالیں ایسی ملتی ہیں جہاں نفی فعل کی طرف متوجہ ہے نہ کہ شمول کی طرف جیسے ''واللّٰه لایُحِبُّ كُلَّ مُختَالٍ فَخُور'' اللہ تعالیٰ کسی بھی متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا'' واللّٰه لایُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيم ''اللہ تعالیٰ کسی بھی کافر گناہگار کو پسند نہیں کرتا'' ولا تُطِع كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِين '' ان تمام صورتوں میں فعل کی بالکلیہ نفی ہے ایسا نہیں کہ بعض کو پسند کرتے ہیں اور بعض کو ناپسند کرتے ہیں۔

قوله : والا اى وان لم تكن داخلة فى حيز النفى الخ۔

اگر کلمہ کل نفی کے تحت داخل نہیں ہے اور فعل منفی کا معمول بھی نہیں ہے بلکہ مقدم ہے تو اس بات کا فائدہ دیگا کہ حکم کی نفی ہر فرد سے ہوگی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی ذوالیدین سے

فرمایا تھا کہ جب ذوالیدین نے سوال کیا "أَقُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ أَم نَسِيتَ يارسولَ اللّٰہِ" کہ نماز مختصر ہوگئی یا آپ بھول گئے تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "كُلُّ ذٰلِكَ لَم يَكُن" کہ نہ نماز مختصر ہوگئی ہے اور نہ میں بھولا ہوں۔ لہذا [کل] کی تقدیم یہاں شمول نفی کے واسطے ہے اس بات کی دو دلیلیں ہیں۔

(۱) اَم کے ذریعے جب سوال کیا جائے تو جواب میں دو صورتیں متعین ہیں [۱] دونوں کی نفی کی جائے۔ [۲] ایک کیلئے حکم کو ثابت کیا جائے اور دوسرے سے نفی کی جائے۔ [۳] تیسری صورت ممکن نہیں کہ سوالیہ انداز میں دونوں کی نفی کرنا جیسا کہ "أَزَيدٌ قائمٌ أم عَمرٌو" تو یہ کہنا غلط ہے کہ "لم يقوما معاً" لہذا یا دونوں کی نفی ہوگی یا ایک کا اثبات ہوگا۔

(۲) کہ نبی کریم ﷺ کا قول "كل ذلك الخ" سالبہ کلیہ ہے اور سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ آتا ہے اسی لئے ذوالیدین نے فرمایا کہ "بعض ذلك قد كان" ان دونوں میں سے کچھ تو ہوا ہے۔

قوله : وعليه قول ابى النجم الخ ۔

اور عموم نفی کا فائدہ ابوالنجم کا یہ شعر بھی دیتا ہے۔

قداصبحت ام الخيار تدّعى : علىَّ ذنباً كلّه لم اصنع

ترجمہ : ابوالنجم کہتے ہیں۔ کہ میری بیوی ام خیار نے میرے اوپر ایسے گناہ کا الزام لگایا ہے کہ جس میں سے میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ اس شعر میں محل استشہاد لفظ [کل] جو کلام میں مثبت واقع ہونے کے باوجود عموم سلب کا فائدہ دے رہا ہے اسی لئے شاعر نے اس شعر میں تکلف سے کام لیا ہے کہ کل کے منصوب ہونے سے اعراض کر کے اس کو ضمیر کا محتاج قرار دیکر مرفوع پڑھا اور اس کو مبتداء قرار دیا گویا کہ کلام یوں بنا کہ "كل ذنبي لم اصنع" کہ میں نے کوئی بھی گناہ نہیں کیا ہے گویا کہ ذنب سے مراد ذنوب ہیں اور تکلفات اسلئے کئے گئے تاکہ شاعر کا مقصود ثابت ہو جائے اور شاعر کا مقصد تمام گناہوں سے اپنے کو پاک قرار دینا ہے۔

قوله : واماتاخيره اى تاخير المسنداليه الخ ۔

مسندالیہ کے جتنے احوال اب تک ذکر کئے گئے ہیں وہ سارے کے سارے مقتضی ظاہر کے مطابق

تھے "**واماتاخیرہ**" سے ان احوال کو ذکر کرنا چاہتے ہیں جو مقتضی ظاہر کے خلاف ہو اور مقتضی حال کیمطابق ہو ان میں سے ایک تاخیر مسندالیہ من المسند ہے جب مقام تاخر کا تقاضہ کرے یا مسند تقدیم کا تقاضہ کرے چنانچہ کبھی اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر لایا جاتا ہے جیسے "نعم رجلاً زید" بجائے "نعم الرجل" کے اس مثال میں [نعم] کا فاعل [ھو] ضمیر ہے جبکہ ضمیر مرجع کا سابق میں کوئی تذکرہ نہیں ہے اور اس پر کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے بلکہ یہ ضمیر لوٹ رہی ہے معہود فی الذہن کی طرف اسلئے اس کی تفسیر کی گئی رجلا نکرہ کیساتھ تو مقام کا تقاضہ اسم ظاہر کو لانا تھا مگر ضمیر کو لایا گیا یہ ترکیب اس صورت میں ہے جب اس کی ترکیب یوں کی جائے کہ [نعم] فعل ضمیر [ھو] ممیز اور [رجلا] تمیز۔ اور اگر اس کی ترکیب ان لوگوں کے مطابق کی جائے جو مخصوص کو مبتداء موخر مانتے ہیں اور اس ترکیب کو اس کیلئے خبر مانتے ہیں پھر یہ خلاف ظاہر کی مثال نہیں بنے گی اسلئے کہ اس صورت میں ضمیر لوٹے گی مخصوص بالمدح کی طرف جو رتبتاً مقدم ہے یعنی زید نعم چونکہ یہ افعال جامدہ کے قبیل سے ہے اسلئے اس کے تثنیہ اور جمع کی صورت میں بھی یہ مفرد رہتا ہے یعنی نعما، اور نعموا نہیں ہوتے اسی طرح ضمیر شان اور ضمیر قصہ لایا جاتا ہے شان اور قصہ کی جگہ جیسے "ھو زید عالم، ھی ھند ملیحۃ" یہ خلاف ظاہر اسلئے ہے کہ انکا تذکرہ سابق میں نہیں ہوا۔ مصنف کا "ھی زید عالم" کہنا استعمال کے خلاف ہے البتہ مصنف کا اپنا گمان ہو سکتا ہے کہ جب "ھو زید عالم" ہو سکتا ہے تو "ھی زید عالم" بھی ہوگا۔

قوله : ليتمكن ما يعقبه في ذهن السامع الخ ۔

اسم ظاہر کی جگہ اسم ضمیر اسلئے لائی جاتی ہے تاکہ آنے والی بات سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے اسلئے کہ ضمیر کے تذکرے سے سامع آنے والی شئی کے انتظار میں رہے گا انتظار اور محنت کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ مستحکم اور راسخ ہوتی ہے اس چیز کے مقابلے میں جو بغیر مشقت کے حاصل ہو جائے۔

قوله : ولا يخفى ان هذا يحسن في باب نعم الخ ۔

شارح کا مقصد ولا یخفی سے یہ بتلانا ہے کہ مذکورہ علت باب نعم کے اندر نہیں چل سکتی اسلئے کہ سامع جب تک مفسر نہیں سنے گا تو اس کو ضمیر کا علم نہیں ہوگا لہذا شوق اور انتظار بھی پیدا نہیں

ہوگا بلکہ علت مذکورہ ضمیر شان میں چلے گی، مگر یہ اس وقت ہوگا جب ضمیر شان بارز ہو اور اگر وہ مستتر ہو تو پھر یہ علت نہیں چلے گی۔

قولہ : وقدیعکس الخ۔

اور کبھی اس کا عکس لایا جاتا ہے پھر وہ اسم ظاہر اگر اسم اشارہ ہے تو اسم اشارہ مسندالیہ کی کمال عنایت اور کمال توجہ کے واسطے آتا ہے تا کہ وہ مسندالیہ کو ممتاز کرے اس کی خصوصیت کی وجہ سے اور وہ خصوصیت مسندالیہ کا ایسے حکم کے ساتھ متصف ہونا جو حکم عجیب وغریب ہو جیسے شاعر کا شعر۔

[۱]عاقل عاقل اعیت مذاہبہ [۲]وجاہل جاہل تلقاہ مرزوقا
[۳]ھذاالذی ترك الاوھام حائرۃ [۴]وصیرالعالم النحریرزندیقا

ترجمہ : کتنے کامل العقل ایسے ہیں جن کو انکے طریقہ معاش نے تھکا دیا ہے اور کتنے کٹر جاہل ایسے ہیں جو رزق کے دولت سے مالا مال ہیں یہی چیز ہے جس نے عقلوں کو حیران کر دیا ہے اور متبحر عالم کو کافر بنادیا ہے۔اس شعر میں موضع استشہاد ھذا ہے اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ کتنے کامل العقل لوگ رزق کی تنگی میں مبتلاء ہیں اور پرلے درجے کا جاہل رزق میں لت پت ہے اور اس تقسیم کو دیکھ کر عقلیں حیران ہیں اور اس چیز نے ایک پختہ کار عالم کو کافر بنادیا ہے اسلئے کہ وہ خدا کی تقسیم پر اعتراض کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو غیر عادل سمجھتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ کامل العقل کا تنگ دست ہونا اور جاہل کا خوش عیش ہونا غیر محسوس شئی ہے جس کیلئے ضمیر لانا چاہیئے تھا مگر اس مسندالیہ کو محسوس اور ممتاز کرنے کیلئے اسم اشارہ لایا گیا تا کہ سامع کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ مسندالیہ اپنے حکم کے ساتھ ممتاز اور عجیب ہے۔

قولہ : اولتھکم بالسامع کما اذا کان السامع الخ۔

اور کبھی استہزاء کیلئے اضمار کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے جیسے کہ کوئی نابینا کہدے کہ ”من ضربنی“ جواب میں کہا جائے ”ھذاضربک“ اور کبھی سامع کی کندذہنی پر تنبیہ کیلئے کہ وہ غیر محسوس شئی کو نہیں سمجھ پاتا اسم ظاہر لایا جاتا ہے جیسے کہ ”من عالم البلد“ کسی مشہور عالم کے بارے میں پوچھا جواب میں کہا جائے ”ھذا زید“ یا سامع کی فطانت کی وجہ سے اضمار کی جگہ اظہار لایا جاتا ہے گویا کہ غیر محسوس اس کے نزدیک محسوس کے درجے میں ہے جیسے کہ مشکل

مسئلے کی وضاحت کے وقت کہا جائے هذا ظاهر اور کبھی مسند الیہ کے کمال ظہور کو بتلانے کیلئے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے جیسا کہ کسی مشہور شخص کے بارے میں کہا جائے هذا عالم اور کبھی مسند الیہ کے علاوہ غیر میں بھی ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا جاتا ہے جیسا کہ شعر میں ہے۔

تعاللت کی اشجی ومابک علة : تریدین قتلی قدظفرت بذلک

ترجمہ: آپ باتکلف بیمار ہوگئی تا کہ میں غمگین ہو جاؤں حالانکہ آپ کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہوئی تم میرے قتل کا ارادہ رکھتی ہو جس میں تم کامیاب ہوگئی۔ اس شعر میں موضع استشہاد بذلک ہے ذلک کا مشار الیہ قتل ہے قتل کے مذکور ہونے کی وجہ سے اسم ضمیر لانا چاہیئے تھا (یعنی به) مگر اسم ظاہر لایا گیا اور ذلک مسند الیہ نہیں بلکہ مجرور ہے غیر مسند الیہ میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اسلئے لایا جاتا ہے تا کہ بات سامع کے ذہن میں مستحکم ہو جائے جیسے قل هو الله احد

قوله : وان كان غيره الخ۔

اور اگر اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہو لیکن وہ اسم ظاہر اسم اشارہ کے علاوہ ہو (یعنی علم وغیرہ) اس سے سامع کے ذہن میں مسند الیہ کو راسخ اور مضبوط کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے کہ "قل هو الله احد. الله الصمد" اس آیت میں محل استشہاد [الله الصمد] ہے بجائے [هو الصمد] کے اسم ظاہر علم لیکر آیا صمد اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور باقی سب اسکے محتاج ہو اس بات کی نظیر یعنی اسم اشارہ کے علاوہ کوئی اور اسم ظاہر لانا غیر مسند الیہ میں بھی پائی جاتی ہے بالحق انزلناه وبالحق نزل "جن حکمتوں کیساتھ قرآن کو اتارنا تھا ان حکمتوں کے ساتھ قرآن نازل ہو گیا اس آیت میں محل استشہاد دوسرا الحق ہے اس کا تذکرہ ماقبل میں ہوا تھا "به نزل" کہنا چاہیئے تھا لیکن "بالحق نزل" کہا تا کہ بات مستحکم ہو جائے اسی طرح سامع کے ذہن میں مسند الیہ کی عظمت کو بٹھانے کیلئے یا امر کی تقویت کو ظاہر کرنے کیلئے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر اسم اشارہ کے علاوہ لایا جاتا ہے دونوں کی مثال "امیر المؤمنین یامرك" جب کوئی امر اپنے ماموریں کو حکم دے رہا ہو تو بجائے "انا آمرك" کے "امیر المؤمنین یامرك" کہہ دیتا ہے اور کبھی تقویت امر کو ظاہر کرنے کیلئے غیر مسند الیہ میں اسم ظاہر علم وغیرہ لایا جاتا ہے جیسے "فاذا عزمت فتوكل على الله" جب آپ کسی کام کا مستحکم ارادہ کریں پس اللہ

پر بھروسہ کریں اس آیت کا متکلم خود ذات باری تعالیٰ ہے لہذا "فتوکل علیّ" کے بجائے "فتوکل علی اللہ" کہدیا کہ حکم دینے والی ذات خود قوت کاملہ پر مشتمل ہے اور یہی تقویت کی دلیل ہے اور کبھی شفقت اور رحمت طلب کرنے کیلئے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم بن ادھم کا یہ شعر۔

الھی عبدک العاصی أتاکا : مُقِرًّا بالذنوب وقد دعاکا

فان تغفر فانت لذلک اھل : وان تطرد فمن یرحم سواکا

اس شعر میں محل استشہاد [عبدکَ] ہے بجائے [انا العاصی] کے عبدک کہا اسلئے کہ [انا] میں تکبر کا شبہ ہے عبدک میں عجز و انکساری ہے۔

قوله : وقال السکاکی الخ۔

علامہ سکاکی فرماتے ہیں کہ کلام کو ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف منتقل کرنا مسند الیہ کیساتھ خاص نہیں ہے۔

قوله : ولا النقل بهذا القدر الخ۔

اور نہ تکلم سے غیوبت کی طرف منتقل ہونا کلام کیساتھ خاص ہے بلکہ اسکے علاوہ التفات کے اور طریقے بھی جائز ہیں مصنف کی اس عبارت میں بقول شارح تسامح ہے اس لئے کہ مصنف کے کلام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ متکلم سے غائب کی طرف انتقال متکلم سے غائب کی طرف انتقال کیساتھ خاص نہیں ہے اور یہ سلب الشئی عن نفسہ ہے۔

جواب : یہ ہے کہ "ھذا غیر مختص" سے مطلق انتقال مراد ہے اور "بهذا القدر" سے تکلم سے غیوبت کی طرف انتقال مراد ہے۔

قوله : بل کل من التکلم والخطاب الخ۔

علامہ سکاکی فرماتے ہیں کہ التفات کی اور صورتیں بھی ممکن ہیں۔

[۱] تکلم [۲] خطاب [۳] غیوبۃ اور پھر ان میں انتقال کی چھ صورتیں ہیں۔ [۱] تکلم سے خطاب کی طرف [۲] تکلم سے غیوبۃ کی طرف [۳] خطاب سے تکلم کی طرف [۴] خطاب سے غیوبۃ کی طرف [۵] غیوبۃ سے خطاب کی طرف [۶] غیوبۃ سے تکلم کی طرف۔ اور یہ چھ

صورتیں مسند میں بھی جاری ہوسکتی ہیں اور غیر مسند میں بھی۔عبارت میں مطلق کی قید علامہ سکا کی کی عبارت نہیں ہے۔البتہ اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے۔

قوله : ويسمى هذاالنقل عند علماء المعاني الخ ـ

اس انتقال کا نام علماء معانی کے ہاں التفات کے نام سے مشہور ہے جو ماخوذ ہے انسان کے دائیں بائیں جانب ملتف ہونے سے جیسے کہ امرءالقیس کا یہ شعر۔

تطاول ليلك بالاثمد : ونام الخلي ولم ترقد

ترجمہ : آپ کی رات مقام اثمد میں طویل ہوگی غم سے خالی شخص سوتا رہا دوست اور آپ جاگتے رہے۔اس شعر میں محل استشہاد [لیلک] ہے کی شاعر اپنے نفس سے خطاب کر رہا ہے بجائے [لیلی] کے [لیلک] کہدیا۔

قوله : والمشهوران الالتفات الخ ـ

التفات کہتے ہیں کہ ایک طریقہ کلام سے دوسرے طریقے کی طرف منتقل ہونا جمہور اور علامہ سکا کی کے درمیان التفات کی تعریف میں اختلاف ہے علامہ سکا کی کے نزدیک التفات کی تعریف مطلق ہے کہ کلام کو ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف منتقل کرنا چاہے شروع سے ہو یا درمیان سے ہو۔

جمہور کا مسلک : جمہور کے نزدیک التفات کی تعریف خاص ہے گویا کہ جمہور کے نزدیک سبقت تعبیر شرط ہے یعنی شروع سے کلام ایک طریقے پر جاری ہو اور درمیان سے کلام دوسرے طریقے کی طرف منتقل ہو جائے اور دوسرا کلام مقتضی ظاہر اور امید متکلم کے خلاف ہو مذکورہ تعریفات کی روشنی میں "تطاول ليلك" سکا کی کے نزدیک التفات ہے خلاف للجمہور۔اور "ومالي لااعبدالذي فطرني واليه ترجعون" التفات ہے دونوں کے ہاں جمہور کے اس تعریف کی مدنظر "انا زيدوانت عمرو" التفات سے خارج ہو جاتے ہیں اسلئے کہ یہ نہ خلاف ظاہر ہے اور نہ امید کے خلاف ہے کیونکہ جب ضمیر مبتدا ہوتا ہے تو خبر اسم ظاہر ہوتا ہے اسی طرح "نحن الذين صبحوا اصباحا" یہ کلام بھی التفات سے خارج ہو جائیگا اسلئے کہ ضمیر کے بعد اسم ظاہر الذین لیکر آیا اور اس کا صلہ صبحوا لیکر آیا۔

ترجمہ : ہم وہ لوگ ہیں جو صبح کے وقت غارت گری کرتے ہیں اسی طرح "ایاك نستعین ،اھدنا، انعمت " التفات سے خارج ہو جائیں گے اسلئے کہ ایاک کے بعد کلام خطاب کے طرز پر چل رہا ہے۔

قوله : ومن زعم ان فی مثل یَاأَیُّھَاالَّذِینَ اٰمَنُوا الخ ۔

بعض لوگوں نے "یَاأَیُّھَاالَّذِینَ اٰمَنُوا" کو التفات کے قبیلے سے مانا ہے مگر ان کا یہ قول غلطی سے خالی نہیں ہے اسلئے کہ [ایھا] تام نہیں ہے بلکہ صلہ کے ذریعہ تام ہوتا ہے لہذا [الذین]غائب ہے تو [امنوا] بھی غائب لیکر آیا لہذا التفات نہیں ہوا اور جب موصول صلہ منادی بن جائیں گے تو پھر یہ مخاطب بن جائیگا اسلئے آگے "اذا قمتم الی الصلوۃ" کہا ہے ۔جمہور کی تفسیر اور تعریف علامہ سکاکی کے تعریف سے خاص ہے لہذا جو کلام جمہور کے ہاں التفات ہوگا وہ علامہ سکاکی کے ہاں بھی ہوگا۔

قوله : من غیر عکس الخ ۔

اقسام ستہ کی مثالیں ۔[۱] تکلم سے خطاب کی طرف التفات کی مثال "وَمَالِیَ لاأَعْبُدُ الَّذِی فَطَرَنِی وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ "أرجع کے بجائے [ترجعون] ہے۔

[۲] تکلم سے غیبوبت کی طرف التفات کی مثال "انا اعطینک الکوثر فصل لربک وانحر "فصل لنا ہونا چاہیئے تھا [لربک] کے بجائے۔

[۳] خطاب سے تکلم کی طرف التفات کی مثال شاعر کا یہ شعر ۔

طحابک قلبٌ فی الحسان طروب : بعیدالشباب عصرحان مشیبُ

یکلفنی لیلی وقدشطّ ولیھا : وعادت عوادبیننا وخطوب

ترجمہ : اے نفس تجھے ایسے دل نے ہلاک کردیا جو حسین عورتوں میں گل ملنے کو پسند کرتا ہے جوانی کے کچھ دیر بعد جس وقت بوڑھاپا قریب آگیا دل مجھے لیلہ کے بارے میں تکلیف دینے لگا اور تحقیق لیلہ کے قرب کا زمانہ دور ہوگیا اور ہمارے درمیان موانع اور حوادث لوٹ کر آئے (یا موانع وحوادث دشمن ہوگئے ہمارے درمیان دشمنی ہوگئی ہے) ۔اس شعر میں محل استشہاد [یکلفنی] ہے بجائے [یکلفک] کے اسلئے کہ شروع میں [طحابک] خطاب کیساتھ کلام

کو چلایا ہے اور[یکلفنی] میں غیبوبت کی طرف التفات کیا[یکلف] کو[تکلف] بھی پڑھا جاسکتا ہے پھر[تکلف] کا فاعل اگر[لیلہ] کو قرار دیا جائے تو ترجمہ ہوگا کہ لیلہ نے حوادث اور موانع کے بارے میں مجھے تکلیف میں ڈالدیا اور اگر[تکلف] کو قلب کے واسطے خطاب مانا جائے تو ایک اور التفات ہوگا غائب سے خطاب کی طرف۔

[۴] خطاب سے غیبوبت کی طرف التفات کی مثال ''حَتّٰی اذا کنتم فِی الْفُلْکِ وجَرَیْنَ بِھِمْ'' ''جرین بکم'' کی جگہ [بھم] فرمایا۔

[۵] غیبوبت سے تکلم کی طرف التفات کی مثال ''وَاللّٰہُ الَّذِی أرسَلَ الرِّیَاحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنَاہُ'' اس آیت میں [ساقه] کی جگہ [سقناہ] فرمایا۔

[۶] غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات کی مثال ''مالک یوم الدین ،ایاك نعبد وایاك نستعین'' [ایاہ] کی جگہ [ایاك] فرمایا۔

قوله : وجهه الخ۔

یہاں سے مصنفؒ التفات کی وجہ بتلانا چاہتے ہیں کہ التفات کیوں کیا جاتا ہے فرمایا کہ التفات کلام کے اندر حسن پیدا کرتا ہے۔اور حسن اسلئے ہے کہ اس سے کلام میں جدت پیدا ہوتی ہے جس سے سامع کلام کی طرف زیادہ متوجہ ہوتا ہے اسلئے کہ ''کل جدید لذیذ'' ہوتا ہے اور یہ حسن قسموں میں پایا جاتا ہے۔

قوله : وقدتخصص مواقعه الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں اس وجہ کے علاوہ التفات کی اور خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں جیسا کہ سورۃ فاتحہ مین جب کوئی بندہ مستحق بالحمد کا حضور دل سے ذکر کرتا ہے تو وہ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کرتا رہتا ہے تو یہ صفات اس انسان کو اس بات کی طرف متوجہ کردیتے ہیں۔اور اس بات کا محرک بناتے ہیں کہ بندہ اپنی تمام مہمات میں استعانت کے سلسلے میں خشوع اور خضوع کیساتھ اسی ذات کو مخاطب بنائے نہ کہ کسی اور کو حاصل یہ ہے کہ جب مختلف صفات کے تذکرے میں انسان ایک صفت سے دوسرے صفت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو یہ توجہ انسان کو اس بات کا محرک بنادیتی ہے کہ مستحق حمد ہی استعانت اور عبادت کے لائق ہے تمام مہمات کا معنی

ماخوذ ہے [نستعین] کے مفعول سے جو کہ محذوف ہے اور خصوصیت کا معنی ماخوذ ہے تقدیم مفعول سے لہذا انسان کو سورۃ فاتحہ یا کوئی بھی سورۃ اس طریقے سے شروع کرنی چاہیئے کہ وہ طریقہ انسان کو اس چیز کا محرک بنادے اور اس کے لطف ولذت میں زیادتی ہوتی چلی جائے۔

قوله : ولماانجرالكلام الى خلاف مقتضى الظاهر الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب مصنفؒ کا کلام خلاف مقتضی ظاہر پر چل رہا ہے جسکا تعلق مسندالیہ سے ہے تو اس کے ضمن میں مصنفؒ خلاف مقتضی ظاہر کے ان صورتوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق مسندالیہ سے نہیں ہے چنانچہ فرمایا کہ کبھی متکلم مخاطب کو اس بات کی طرف متوجہ کردیتا ہے جس کا وہ ارادہ نہیں کرتا اور یہ اسلئے کیا جاتا ہے کہ مخاطب کو اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ اس کا مقصد غیر اولی ہے اس مقصد سے جو متکلم چاہتا ہے جیسا کہ ''قبعثری'' کا قول جب اس نے حجاج کو مخاطب کیا تھا۔ اس واقعہ کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ قبعثری ایک مرتبہ اپنے چند ساتھیوں کیساتھ انگور کے باغ میں بیٹھا ہوا تھا درمیان کلام میں حجاج بن یوسف کا تذکرہ چل پڑا تو قبعثری نے کہا ''اللهم سود وجهه واقطع عنقه واسقني من دمه'' یہ بات کسی تیجے نے حجاج تک پہنچادی حجاج نے جب اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میرا مراد انگور تھا حجاج جواب سے مطمئن نہیں ہوا اور دھمکی دیتے ہوئے کہا ''لأحملنک علی الادهم'' کہ عنقریب میں آپ کو بیڑی پہنادوں گا قبعثری نے اس کو دوسرے معنی پر حمل کرتے ہوئے کہا ''مثل الامیر يحمل على الادهم أو الاشهب'' امیر کی شان یہ ہے کہ وہ سیاہ مائل گھوڑے پر سواری کرے یا سفید گھوڑے پر حجاج کی مراد [ادھم] سے قید اور قبعثری نے اس سے سیاہ مائل گھوڑا مراد لیا حجاج نے کہا ''ويلك أنه الحديد'' تیرا برا ہو میری مراد حدید ہے قبعثری نے کہا ''ان يكون حديدا خير من ان يكون بليداً'' تیز رفتار گھوڑا سست رفتار گھوڑے سے اچھا ہوتا ہے حجاج نے حکم دیا کہ اس کو اٹھاؤ جب اس کو اٹھایا قبعثری نے کہا ''سبحن الذي سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين وانا الى ربنا لمنقلبون'' حجاج نے حکم دیا کہ اس زمین پر ڈالدو قبعثری نے کہا کہ ''منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى'' تو حجاج

نے اس کے جرم سے تجاوز کیا۔

قولہ : اوالسائل الخ ۔

اور کبھی متکلم سائل کو غیر سائل کا درجہ دیتا ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ اس سوال سے دوسرا سوال زیادہ اہم اور اولیٰ ہے جیسے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: چاند گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق کہ ایسا کیوں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سوال سے یہ سوال اچھا ہے کہ یہ پوچھا جائے کہ گھٹنے اور بڑھنے کا فائدہ کیا ہے اسلئے کہ پہلے سوال کا تعلق علم ہیئت سے ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں ہے اور دوسرے سوال کا تعلق انسان کی ضروریات زندگی سے ہے، جس سے انسان مختلف چیزوں کے اوقات معلوم کرتا ہے جیسے صوم، وحج وغیرہ اسی طرح صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ "یسئلونک ماذاینفقون" کہ ہم کیا خرچ کرے اور کس جنس سے خرچ کرے حضور اکرم ﷺ نے ان کو وہ جواب دیا جو جواب اس سوال کے جواب سے بہتر ہے جس جواب کا وہ توقع رکھتے تھے جواب دیا کہ خرچ جو بھی کرو اور جس جنس سے بھی کرو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ مصارف اور مواقع صحیح ہونا چاہیئے جیسے "فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ" وغیرہ مراد اس سے صدقہ نفلی ہے۔

قولہ : ومنہ ای و من خلاف مقتضی ظاهرالتعبیرالخ ۔

خلاف مقتضی ظاہر کی صورتوں میں سے ایک یہ صورت بھی ہے کہ استقبال کے معنی کو لفظ ماضی سے تعبیر کرنا ہے یا اسم فاعل کیساتھ تعبیر کرنا ہے یا اسم مفعول کیساتھ تعبیر کرنا ہے اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ اس چیز کا وقوع یقینی ہے گویا کہ واقع ہو چکی ہے جیسے ماضی کی مثال "وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الارضِ" اس مثال میں [صعق] ماضی مستقبل کے معنی میں ہے۔ کہ جس دن صور پھونکا جائیگا تو زمین وآسمان میں موجود ہر چیز پر کپکپی تاری ہوگی۔ اسم فاعل کی مثال "وَاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ" "بے شک یوم جزاء واقع ہو چکا ہے (یعنی واقع ہوگا) یہاں اسم فاعل مستقبل کے معنی میں ہے۔

اسم مفعول کی مثال "ذٰلِكَ يَوْمٌ مَجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ" [مجموع][یجمع] کے معنی میں ہے جس دن لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔

قوله : وههنابحث وهو انّ کلاً من اسمی الفاعل والمفعول الخ ـ

اس مقام پرایک اعتراض واقع ہوتا ہے۔

اعتراض : یہ ہے کہ اسم فاعل اور مفعول کبھی معنی مستقبل میں استعمال ہوتے ہیں لہذا ان کا استعمال موافق ظاہر ہوا نہ کہ خلاف ظاہر۔

جواب : یہ ہے کہ ان کا معنی حقیقی ماضی اورحال ہے اور معنی مجازی مستقبل ہے اور لفظ کا معنی مجازی میں مستعمل ہونا خلاف مقتضی ظاہر ہے عندالاکثرین۔

قوله : وای ومن خلاف مقتضی الظاهرمنه القلبُ وهو ان یجعل الخ ـ

خلاف مقتضی ظاہر کی ایک صورت قلب ہے اور قلب کہا جاتا ہے کلام کے ایک جزء کو دوسری کی جگہ پر رکھنا اور دوسرے کو پہلے کی جگہ پر رکھنا اور مستقل جزء قرار دیدینا جیسے "عَرَضْتُ الناقة على الحوض " میں نے اونٹنی کو حوض پر پیش کیا اصل میں یوں ہونا چاہیئے "عرضت الحوض على الناقة " کہ میں حوض کو اونٹنی کے پاس پیش کیا یہ اصل اسلئے ہے کہ معروض علیہ کا ذی شعور ہونا ضروری ہے تاکہ وہ معروض کی طرف رغبت کرے یا اس سے نفرت کرے۔

قلب سے متعلق علماء میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ سکاکی مطلقاً قلب کے قائل ہیں اسلئے کہ قلب کی صورت میں کلام کے اندر لطف پیدا ہوتا ہے ملاحت پیدا ہوتا ہے جبکہ بعض حضرات مطلقاً قلب کے منکر ہیں اسلئے کہ قلب کی صورت میں عکس مطلوب اور نقیض مقصود لازم آتا ہے۔

قوله : والحق انه ان تضمّن الخ ـ

مصنفؒ نے اعتدال کا مسلک اختیار کیا اور فرمایا کہ اگر قلب کسی نکتے کو متضمن ہے تو پھر جائز ہے جیسے کہ شاعر کے اس شعر میں ہے۔

ومهمة مغبرة اَرجاءُهٗ : كأنّ لونَ ارضه سماءُه

[مهمة] کا معنی جنگل [مغبرة] غبار آلود [ارجاء] کا معنی اطراف، کنارہ۔

ترجمہ : کہ بہت سے جنگل ایسے ہیں جنکے اطراف غبار آلود ہیں گویا کہ اس کی زمین کا رنگ

آسمان کے رنگ کی طرح ہے۔اس شعر کے دوسرے مصرع میں قلب ہے۔ہونا یوں چاہیئے تھا کہ گویا آسمان کا رنگ زمین کے رنگ کی طرح ہے کثرت گرد وغبار کی وجہ سے مگر شاعر کا مقصود مبالغہ ظاہر کرنا ہے اسلئے انہوں نے آسمان کو اصل قرار دیا اور زمین کی اس کے ساتھ تشبیہ دی۔

قوله : والا ای وان لم یتضمّن الخ ۔

اور اگر قلب کسی نکتے کو متضمن نہیں ہے تو پھر جائز نہیں ہے جیسا کہ شاعر کے اس شعر میں۔

فلماان جری سَمِنٌ علیها : کماطیّنت بالفَدَن السَّیَاعا

[سمن] بمعنی موٹاپا [طینت] بمعنی مٹی لیپ دینا [فدن] بمعنی محل اور [سیاع] کا معنی ہے گھارہ جس میں بھوسہ ملا دیا گیا ہو۔

ترجمہ : جب اونٹنی پر موٹاپا چڑھ گیا تو وہ ایسی ہوگئی جیسے کہ آپ نے محل سے گھارے کو لیپ دیا۔یوں ہونا چاہیئے کہ بالسیاع الفدن کہ گویا آپ نے گھارے سے محل کو لیپ دیا۔

قوله : ولقائل ان یقول انه یتضمن من المبالغة الخ ۔

اعتراض : معترض نے اعتراض کیا کہ ماقبل شعر کی طرح اس میں بھی مبالغہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اونٹنی اتنی موٹی ہوگئی کہ موٹاپا اصل ہوگیا اور اونٹنی کا جسم فرع ہوگیا تو پھر یہ شعر بھی نکتے کو متضمن ہوگا۔

جواب : محشی نے اس کا جواب دیا کہ سیاع سے مراد بقول صاحب صحاح کے گھارہ ہی ہیں۔لیکن بقول علامہ زمخشری کے سیاع سے مراد وہ آلہ ہے جس سے گھارہ کو لیپ دیا جائے لہذا آلہ لینے کی صورت میں یہ شعر نکتے سے خالی ہوگیا۔ہوسکتا ہے کہ مصنف کی یہی مراد ہو۔

احوال المسند

مسند الیہ کے احوال سے فارغ ہونے کے بعد مصنفؒ احوال مسند کے بحث کو شروع فرما رہے ہیں احوال مسند میں سے ترک مسند کو مقدم فرمایا اسلئے کہ موجودات میں عدم اصل ہے۔ اور وجود فرع ہے اور ترک عدم کے درجے میں ہے مسند کو حذف کیا جاتا ہے اس کے اسباب وہی ہے جو ترک مسند الیہ کے ہے احتراز عن العبث ،مقام کی تنگی ،اقوی دلیل کی طرف رجوع وغیرہ

۔حذف مسند کی مثال شاعر کا یہ شعر۔

ومن یک امسی بالمدینۃ رحلہ : فانی و قیّارٌ بھا لغریب

[رحل] کا معنی ٹھکانہ، مسکن [قیار] یا تو شاعر کے گھوڑے کا نام ہے یا اسکے دوست کا نام ہے یا اس کے اونٹ کا نام ہے اور شاعر کا نام ضابی بن حارث ہے۔

ترجمہ : جس کا ٹھکانہ مدینے میں ہے میں اور قیار غریب الوطن ہیں (پردیسی ہیں)۔شعر کے الفاظ اگرچہ خبر کے درجے میں ہے مگر معنی کے اعتبار سے اظہار تحسر وافسوس ہے اس شعر میں قیار کا مسند محذوف ہے (اور وہ غریب ہے) اختصار اور احتراز عن العبث کی وجہ سے اور مقام کی تنگی کی وجہ سے ترک کردیا اس شعر میں ترکیبی احتمال چار ہیں دو جائز ہیں، اور دو ناجائز ہیں۔

[۱] انّ مشبہ بالفعل [یاء] اس کا اسم [لغریب] اس کی خبر۔پورا جملہ معطوف علیہ [واو] حرف عطف [قیار] مبتداء عطف انّ ملکر جملہ عاطفہ۔

[۲] انّ مشبہ بالفعل [یاء] معطوف علیہ [واو] حرف عطف [قیار] معطوف۔معطوف علیہ معطوف مل کر انّ کا اسم [لغریب] معطوف علیہ [غریب] محذوف معطوف۔معطوف علیہ معطوف مل کر خبر گویا کہ مفرد کا عطف مفرد پر ہے یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔

[۳] انّ مشبہ بالفعل [یا] معطوف علیہ [قیار] معطوف، معطوف علیہ معطوف مل کر انّ کا اسم [لغریب] دونوں کا خبر۔یہ صورت ناجائز ہے اسلئے کہ اس صورت میں دو عامل ایک معمول کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں یعنی انّ حروف مشبہ بالفعل [قیار] مبتداء بطور عامل [لغریب] پر داخل ہے اسلئے یہ صورت ناجائز ہے۔

[۴] انّ کی خبر محذوف مانی جائے اور [لغریب] کو [قیار] کی خبر قرار دی جائے یہ صورت بھی ناجائز ہے اسلئے کہ لام تاکید کیساتھ خبر حروف مشبہ بالفعل کی ہوتی ہے نہ کہ مبتداء کی جیسے "ان زیدا وعمرو اذاھبان" ممنوع ہے دو عاملوں کا ایک معمول کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے اور "ان زیدا وعمروا لذاھب" جائز ہے اسلئے کہ کہ عمرو کی خبر محذوف مانی جائیگی دوسری مثال حذف مسند کی قیس بن الخطیم کا یہ قول "نحن بما عندنا وانت

بماعندك راض والرای مختلف ''ہم اس چیز پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور آپ اس چیز پر راضی ہیں جو آپ کے پاس ہے اور رائے مختلف ہوسکتی ہے۔اس شعر میں [نحن]مبتداء کی خبر محذوف ہے وہ ہے [راضون]اس مثال اور پہلے مثال میں فرق ہے کہ پہلی مثال میں مسندالیہ ثانی کی خبر محذوف ہے اور یہاں مسنداول کی تیسری مثال'' زید منطلق وعمرو یعنی عمرو منطلق ' 'حذف مسند عبث سے بچنے کیلئے ''من غیر ضیق'' کہ دونوں میں فرق ہے کہ ماقبل میں ضیق مقام تھا یہاں پر نہیں ہے چوتھی مثال '' خرجت فاذازید یعنی موجود.او.واقف''

قوله : مع اتباع الاستعمال الخ ۔

یہ عبارت فرق کرنے کیلئے ہے کہ اس طرح کی مثالیں کلام عرب میں مستعمل ہیں اسلئے کہ [اذا]مفاجاتیہ جب مسندالیہ پر داخل ہوتا ہے تو عرب والے مسند کو حذف کر کے استعمال کرتے ہیں قرینے پر اکتفاء کرتے ہوئے۔

قوله : وهوظرف قطعا لقصد الاختصار الخ ۔

فرق بتلانے کیلئے ماقبل مثال میں ظرفیت متعین نہیں ہے ظرف بھی ہوسکتا ہے اور اسم بھی ہوسکتا ہے جیسے موجود وغیرہ جبکہ یہاں ظرف متعین ہے اور حذف کی وجہ وہی ہے اختصار اقوی دلیلین کی طرف رجوع اور ضیق مقام۔

قوله : ولاتباع الاستعمال لاطراد الحذف الخ ۔

اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ جب اِنّ اور اس کا اسم مکرر ہو تو اہل عرب حذف مسند کیساتھ استعمال کرتے ہیں اسی لئے امام سیبویہ جیسے ماہر الفن نے اپنی کتاب میں اس کیلئے مستقل باب قائم فرمایا''هذاباب مالاوان ولدایعنی مالالنا ولدالینا''

چھٹی مثال ''قل لو أنتم تملكون خزائن رحمة ربی '' اس آیت میں [تملکون]فعل محذوف ہے اصل میں تھا''تملكون تملكون خزائن رحمة ربی '' مفسَّر اور مفسِّر کے اجتماع سے بچنے کیلئے مفسَّر کو حذف اور اس کی ضمیر متصل کو ضمیر منفصل میں تبدیل کردیا تو'' أنتم تملكون '' ہوگیا اور اس بات کی دلیل حرف لو ہے جو فعل پر داخل

ہوتا ہے نہ کہ اسم پر اس مثال میں مسند محذوف فعل ہے ماقبل مثال میں اسم ہے یا جملہ ہے
ساتویں مثال "فصبر جميل "اگر حذف مسند ہے تو "فصبر جميل أجمل " ہے کہ
صبر جمیل اچھی چیز ہے۔ اور اگر حذف مسند الیہ ہے تو "فامری صبر جميل " ہے اور حذف
میں تکثیر کا فائدہ ہے اسلئے کہ کلام کو حذف مسند پر بھی حمل کر سکتے ہیں اور حذف مسند الیہ پر بھی حمل
کر سکتے ہیں بخلاف ذکر کے کہ اس میں ایک صورت متعین ہوتی ہے۔

قوله : ولابد للحذف من قرينة الخ۔

حذف خلاف اصل ہے اور خلاف اصل کیلئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ اس معنی پر دلالت
کرے اور قرینہ کبھی سوال محقق کی صورت میں ہوتا ہے۔ کبھی سوال مقدر کی صورت میں ہوتا ہے
سوال محقق کی مثال قرآن کی یہ آیت "لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ والارضَ
"جواب میں کفار کہتے ہیں "لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ اى خَلَقَهن اللّٰهُ "اس کلام میں مسند محذوف
ہے اور اس پر قرینہ سوال محقق ہے اور سوال محقق اسلئے ہے کہ یہ شرط اور جزاء پر مشتمل ہے۔

قوله : والدليل على ان المرفوع فاعل الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔
اعتراض : یہ ہے کہ لفظ اللہ کو فعل محذوف کا فاعل کیوں بنایا جاتا ہے۔
جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ اس جیسے کلام میں عدم حذف کے موقع پر اس کو فاعل بنایا گیا ہے
نہ کہ مبتداء جیسے "لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ والارضَ لَيَقُولُنَّ
خَلَقَهُنَّ العزيزُ العليمُ "اس آیت میں [العزیز العلیم] کو فاعل بنادیا نہ کہ مبتدا اسی طرح
دوسری آیت میں "قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وهي رميمٌ قل يحييها الذى
أنشاها اول مرة "اس آیت میں صلہ موصول فاعل ہے نہ کہ مبتدا۔

قوله : اومقدر الخ۔

سوال مقدر کی مثال شاعر کا یہ شعر۔

لِيبكَ يزيد ضارع لخصومة : ومختبط مما تطيح الطوائح

ترجمہ : چاہئے کہ یزید پر رویا جائے (کون روئے) ایسا شخص جو خصومت کے وقت اس کا محتاج

ہواور سائل بے وسیلہ جس کا مال ہلاک ہوگیا ہو یا حوادث نے جس کا مال ہلاک کیا ہو۔ اس شعر میں محل استشہاد ضارع ہے جس کا مسند محذوف ہے وہ ہے یبکی اسلئے کہ ماقبل کلام سے سوال پیدا ہوا کہ یزید پر کون روئے اس کا جواب دیا گیا کہ اس پر وہ شخص روئے جو خصومت کے وقت اس کے محتاج ہے اور وہ انکی مدد کیا کرتا تھا اور وہ شخص روئے جو بغیر وسیلے اس سے سوال کیا کرتا تھا اسلئے کہ حوادث نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا ہے۔

قوله : وفضله الخ۔

یہ عبارت بھی سوال کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہے کہ اس فعل کو فعل معروف پڑھا جاتا تا کہ محذوف ماننے کی ضرورت نہ پڑھتی مجہول کیوں پڑھا گیا۔

جواب : مصنفؒ نے راجح ہونے کے تین وجوہ بیان کئے۔

[۱] مجہول پڑھنے میں تکرار اسناد ہے اس طور پر کہ پہلے اجمالاً مذکور ہوا اسلئے کہ جب یوں کہا گیا کہ یزید پر رویا جائے تو پتہ چلا کہ یہاں کوئی مسند الیہ ہے جس کی طرف بکاء کی نسبت کی ہے اور اس کے ذکر سے تکرار اسنادی ہے پھر تفصیلاً اس طرح ہے کہ جب مسند الیہ ذکر کیا گیا تو تکرار خود بخود واضح ہوگیا اور تکرار اجمال سے اوکد اور اقوی ہے تفصیل بعد الاجمال اوقع فی النفس ہے۔

[۲] مجہول پڑھنے کی صورت میں یزید نائب فاعل بنتا ہے فاعل اور نائب فاعل کلام میں اصل ہوتا ہے جبکہ معروف پڑھنے کی صورت میں مفعول ہوتا ہے اور مفعول فضلہ ہوا کرتا ہے اور چونکہ مقام مقام مرثیہ ہے اور یزید مقصود بالذات ہے لہذا اس کو اصل بنایا جائے نہ کہ فضلہ۔

[۳] بکونه معرفة الفاعل اس کو مجہول پڑھنے میں نعمت غیر مترقبہ کا حصول ہے اس لئے کہ کلام فعل اور مفعول سے تام ہوتا ہے اور فاعل کی ضرورت نہیں رہتی اس کے بعد ذکر فاعل نعمت مترقبہ کے درجے میں آگئی جس میں لذت زیادہ محسوس ہوتی ہے اسلئے کہ اس کا انتظار نہیں ہوتا۔

قوله : واماذكره اى ذكر المسند الخ۔

ذکر مسند بھی مسند کے احوال میں سے ہے مسند کو کیوں ذکر کیا جاتا ہے اس کے اسباب وہی ہیں

جو مسند الیہ کیلئے ہیں مثلاً ذکر کا اصل ہونا جب کوئی مقتضی عدول موجود نہ ہو قرینے پر اعتماد کی کمزوری کی وجہ سے جیسے ''خلقهن العزيز العليم'' سامع کے کند ذہنی پر تنبیہ کرنا جیسے ''من نبيكم'' کے جواب میں ''محمد نبینا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم)'' کہد ینا یا مسند کے اسم ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے تاکہ وہ ثبوت پر دلالت کرے یا مسند کے فعل ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے تاکہ وہ حدوث پر دلالت کرے۔

قوله : واما افراده ای جعل المسند غیر جملة الخ۔

مسند کو کبھی مفرد لایا جاتا ہے مفرد جملہ کے مقابلہ میں ہے۔ مسند مفرد اس وقت لایا جاتا ہے جب وہ مسند سببی نہ ہو اور تقویت حکم کیلئے نہ ہو گویا کہ مسند کے افراد کیلئے یہ دو شرطیں ہیں۔ اگر مسند سببی ہوگا جیسے ''زید قام ابوه'' یا تقویت حکم کیلئے ہوگا جیسے ''زید قام'' تو پھر مسند جملہ ہوگا نہ کہ مفرد رہا ''زید قائم'' تو یہ مفرد کے درجے میں ہے اسلئے کہ [قائم] اسم جامد کیساتھ بھی مشابہت رکھتا ہے ''زید قام'' کے قریب قریب ہے اسلئے کہ یہ بھی ضمیر کو متضمن ہوتا ہے۔

قوله : وقوله مع عدم افادة التقوى الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ ''عرفتُ عرفتُ'' اور ''انَّ زيدًا عارفٌ'' مفرد ہے مگر تقویت حکم کیلئے بھی ہے حالانکہ تقویت حکم کیلئے مسند جملہ ہوتا ہے نہ کے مفرد۔ اس سوال کے دو جوابات دیے ہیں۔

جواب : [۱] یہ ہے کہ ان دونوں مثالوں میں نفس ترکیب نے تقویت کا فائدہ نہیں دیا بلکہ پہلی مثال میں تکرار ہے اور دوسری مثال میں حرف تاکید نے تقوی کا فائدہ دیا۔

جواب: [۲] مسند سے مراد ایک مخصوص مسند ہے اور وہ مسند مفرد جسمیں اسناد ہو اور اسناد میں تکرار ہو جیسے ''زید قام'' ایسا مسند تقویت کا فائدہ دیتا ہے اور اس کے علاوہ کا یہ حکم نہیں ہے۔

قوله : فان قلت المسند قد یکون غیر سببی الخ۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ کبھی مسند غیر سببی بھی ہوتا ہے اور تقویت حکم کیلئے بھی نہیں ہوتا اسکے باوجود مفرد نہیں ہوتا حالانکہ جب مسند غیر سببی ہو اور تقویت حکم کیلئے بھی نہ ہو تو اس کو مفرد ہونا چاہیے مثلاً "انا سعیت فی حاجتک ورجل جاء نی وما انا قلت" جب ان دو مثالوں سے مراد تخصیص ہو شارحؒ نے اس کے دو جواب دیے ہیں۔ایک جواب تسلیمی، اور ایک جواب انکاری۔

جواب انکاری : ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان مثالوں میں تقویت حکم نہیں ہے بلکہ ان مثالوں میں تخصیص مقصود ہے اور تخصیص کے ضمن میں تقویت حکم پایا جاتا ہے لہذا یہ کہنا کہ ان میں تقویت نہیں ہے یہ بات غلط ہے۔

جواب تسلیمی : تسلیمی جواب یہ ہے کہ مسند تقویت حکم کیلئے اس وقت ہوگا جب وہ جملہ ہو لیکن ہر جملے کا تقویت حکم کیلئے ہونا ضروری نہیں ہے تقویت حکم کیلئے جملہ ہونا ضروری ہے مگر عکس نہیں۔

فائدہ : مسند سببی اس مذکور کو کہتے ہیں جو ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو مسند الیہ کی طرف راجع ہو۔

قوله : ثم السببی و الفعلی الخ۔

اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ مصنفؒ نے مسند سببی، اور مسند فعلی کی تعریفات کی مثال پیش کئے بغیر جبکہ پہلے تعریف ہوتی ہے پھر مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

جواب : مسند سببی، اور فعلی علامہ سکاکی کے اختر عات اور انکی تعریف مشکل، اور مغلق ہے اسلئے مصنفؒ نے تعریف کی مثالیں پیش کیے بغیر جیسے مسند سببی کی مثال "زید ابوہ منطلق"۔

قوله : ویمکن ان یفسر المسند السببی الخ۔

بعض حضرات نے مسند سببی کی تعریف یہ کی ہے کہ مسند سببی وہ ہے جو جملہ ہو اور ایسی ضمیر پر مشتمل ہو جو مسند الیہ نہ ہو اور مبتداء کی طرف راجع ہو لہذا اس تعریف کی رو سے "زید منطلق ابوہ" مسند سببی سے خارج ہو جائیگا اسلئے کہ یہ مفرد کے حکم میں ہے صیغہ صفت ہونے کی وجہ سے اسی طرح "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" بھی خارج ہو جائیگا اس لئے کہ اس کا تعلق مبتداء کیساتھ بغیر عائد کے ہے اسی طرح "زید قام" اور "زید ھو قائم" بھی خارج ہونگے اسلئے کہ ان

میں ضمیر مسند الیہ نہیں ہے اور درج ذیل مثالیں مسند سببی میں داخل ہو گی جیسے "زید ابوہ قائم ،زید قام ابوہ ،زید مررت بہ" وغیرہ ان سے وہ جملے مراد ہیں جو کسی بھی مبتداء کیلئے خبر واقع ہو اور تقویت حکم کا فائدہ نہ دیتا ہو۔

قولہ : والعمدۃ فی ذٰلک الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ بہتر بات یہ ہے کہ اس بحث اور کلام کو سمجھنے کیلئے علامہ سکا کی کی کتاب کا مطالعہ کیا جائے اسلئے کہ یہ اصطلاح اس کے سواء کسی نے ذکر نہیں کئے ہیں۔

قولہ : واما کونہ ای المسند فعلاً فلتقیید الخ۔

مسند کو کبھی فعل کی صورت میں لایا جاتا ہے اسلئے کہ فعل قید ہوتا ہے احد ازمنہ ثلاثہ کیساتھ۔اور فعل ازمنہ ثلاثہ کا فائدہ دیتا ہے تجدد کیساتھ۔ازمنہ ثلاثہ سے مراد ماضی گزرا ہوا وقت، مستقبل آنے والا وقت، حال موجودہ وقت۔شارحؒ نے حال کی تعریف کی ہے کہ حال وہ زمانہ ہے کہ جو ماضی کے آخری لمحات کے ساتھ اور مستقبل کے شروع کے لمحات کیساتھ مل جائے پے در پے بغیر کسی مہلت اور تراخی کے یہ معنی عرف کے اعتبار سے ہے۔

قولہ : وذلک لان الفعل دالّ بصیغتہ الخ۔

کہ مسند کو فعل لایا جاتا ہے کہ وہ احد ازمنہ ثلاثہ کیساتھ تجدد معنی پر دلالت کرتا ہے بغیر کسی قرینے کے جبکہ اسم کبھی زمانہ پر دلالت کرتا ہے مگر قرینے کیساتھ جیسے "زید قائم الان او امس او غدا" ان مثالوں میں زمانہ تو پایا گیا مگر قرینے کی وجہ سے اور وہ قرینہ [الان، الامس] اور [الغد] ہے۔

قولہ : ولما کان تجدد لازما للزمان االخ۔

تجدد کے دو معانی آتے ہیں۔[۱]عدم کے بعد حصول [۲] کسی شئی کا تھوڑا تھوڑا حصول استمرار کیساتھ۔فعل جس تجدد کو متضمن ہے وہ معنی اول کے اعتبار سے اور معنی ثانی نہ فعل کو متضمن ہے اور نہ اس کیلئے لازم ہے البتہ یہ زمانے کو لازم ہے اس طور پر کہ زمانے کے اجزاء غیر خالی الذات ہے یعنی بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے حاصل ہوتے ہیں اور زمانہ چونکہ فعل میں پایا جاتا ہے اسلئے زمانے کے واسطے سے فعل معنی ثانی کو متضمن

ہوا۔مثال یہ شعر۔

اوکلماوردت عکاظ قبیلۃ : بعثواالی عریفهم وعرف یتوسم

ترجمہ : جب کوئی قبیلے کے لوگ عکاظ میلے کی طرف آتے ہیں تو وہ اپنے لیڈر کو میرے پاس بھیجتے ہیں اور وہ مجھے بغور دیکھتا رہتا ہے۔اس شعر میں محل استشہاد [یتوسم] ہے جس میں تجدد کا معنی پایا جاتا ہے کہ ظریف شاعر اپنے مدح میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عکاظ میلے کے وقت قبیلے کے لوگ اپنے مردم شناس کو میرے پاس بھیجتے ہیں اور وہ مجھے پہچاننے کیلئے بار بار دیکھتا رہتا ہے۔عکاظ ایک مشہور میلہ ہے جو یکم ذی قعدہ سے [۱۵] ذی قعدہ تک مقام نخلہ،اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر منعقد ہوتا تھا۔

قولہ : واما کونہ ای المسند اسماالخ۔

کبھی مسند بذریعہ اسم لایا جاتا ہے تاکہ یہ اسم معنی مذکور کا فائدہ نہ دے (احداز منہ ثلاثہ اور تجدد کا) بلکہ دوام اور ثبوت کا فائدہ دے اسلئے کہ اس دوام اور ثبوت سے کوئی عرض متعلق ہوتا ہے جیسے کہ نظر بن لویہ کا یہ قول۔شعر۔

لایالف الدرهم المضروب صرتنا : لکن یمرعلیهاوَهُومنطلق

ترجمہ : ہمارا تھیلہ مروجہ سکوں سے محبت نہیں کرتا بلکہ وہ مروجہ سکے اس تھیلے پر گزرتے ہیں وہ تھیلہ چلتا رہتا ہے (یعنی خرچ کرتا رہتا ہے)۔اس شعر میں محل استشہاد [منطلق] ہے جو خرچ کے استمرار پر دلالت کر رہا ہے۔

قولہ : قال الشیخ عبدالقاهرموضوع الاسم الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ مصنفؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسم دوام اور ثبوت کیلئے آتا ہے اور شیخ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسم ترکیب میں وضع کے اعتبار سے ثبوت الشئی لشئی کیلئے آتا ہے لہذا دونوں کے کلام میں تعارض نظر آرہا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ شیخ کے کلام اور مسلک باعتبار وضع کے ہے اور مصنفؒ کا کلام باعتبار قرینہ خارجیہ کے ہے۔فلاتعارض

قولہ : واماتقييدالفعل بمفعول الخ ۔

کبھی فعل اور شبہ فعل یعنی اسم فاعل اور مفعول وغیرہ کو کسی مفعول کیساتھ مقید کیا جاتا ہے جیسے مفعول مطلق ،مفعول بہ وغیرہ یا کسی اور متعلق وغیرہ سے مقید کیا جاتا ہے جیسے حال تمییز وغیرہ زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے واسطے اسلئے کہ کلام میں جتنی قیودات کا ضافہ ہوتا چلا جائیگا تو معنی میں بھی فائدہ ہوتا چلا جائیگا مثلاً کسی نے کہا "شيئ ما موجود" کہ کوئی شئی موجود ہے اس کلام میں کوئی فائدہ نہیں بنسبت اس کے کہ یوں کہا جائے کہ زید بن عمرو نے قرآن مجید کو حفظ کیا ۲۰۰۸ء کو شہر کراچی میں وغیرہ۔

قولہ : ولمااستشعرسوالاًوهو ان خبر كان الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایک سوال محسوس ہوتا ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے۔

سوال : یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ فعل کو متعلقات سے مقید کیا جاتا ہے تا کہ زیادتی معنی کا فائدہ دیدے جبکہ "كان زيدمنطلقاً" منطلق مفعول ہے وہ کسی زیادتی معنی کا فائدہ نہیں دیتا اسلئے کہ اس کے بغیر کلام تام نہیں ہوتا حالانکہ یہ [كان] فعل ناقص کیلئے قید ہے۔

جواب : مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ "كان زيدمنطلقاً" میں معاملہ برعکس ہے یہاں منطلقاً مسند ہے اور [كان] اس کیلئے قید ہے جو زمانے پر دلالت کرتا ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ "زيدمنطلق فی الزمان الماضی"۔

قولہ : واماتركه اى ترك التقييد الخ ۔

اور کبھی اس قید کو ترک کیا جاتا ہے صرف فعل ذکر کیا جاتا ہے کسی مانع کی وجہ سے مثلاً کم فرصتی کی وجہ سے یا مخاطبین کو فعل کے زمانے پر مطلع کرنا نہیں چاہتا یا فعل کے مکان کو مخفی رکھنا چاہتا ہے یا متکلم کو اس قید کا علم نہیں وغیرہ۔

قولہ : واماتقييده اى الفعل بالشرط الخ ۔

کبھی مسند کو مقید کیا جاتا ہے شرط کیساتھ ۔اور شرط کیساتھ اسلئے مقید کیا جاتا ہے کہ کلام اس شرط کا تقاضہ کرتا ہے مختلف اعتبارات وحالات کی وجہ سے جیسے "ان تكرمنى اكرمك" مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان اعتبارات وحالات کو سمجھنے کیلئے حروف شرط اور اسماءِ شرط کا تعرف

ضروری ہے جن کو علم النحو میں تفصیل کیساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

قوله : وفى هذاالكلام اشارةٌ الى ان الشرط الخ ـ

مصنفؒ کے کلام سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اہل عربیت کے ہاں شرط جزاء کیلئے قید ہوتی ہے اس کے متعلقات میں شمار ہوتا ہے اور اس قید کے داخل ہونے سے کلام اپنے اصل سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی اگر ادوات شرط سے پہلے خبریہ ہے تو مابعد بھی خبریہ ہوگا۔ اگر انشائیہ ہے تو مابعد بھی انشائیہ ہوگا البتہ حروف شرط کو خبر ہونے سے نکالدیتی ہے جب کہ ایک طبقہ کے ہاں حروف شرط اور جزاء دونوں خبریت سے نکالدیتے ہیں یہ اختلاف درحقیقت دوسری اختلاف پر مبنی ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ اہل عرب کے ہاں اصل کلام جزاء ہے شرط اس کیلئے قید اور متعلق ہے جبکہ اہل مناطقہ کے ہاں شرط اور جزاء کا مجموعہ کلام ہے دونوں میں لزوم ہے جیسے کہ ”ان کانت الشمس طالعةً فالنهار موجود“ اہل عرب کے نزدیک [نہار] محکوم علیہ [موجود] محکوم بہ ہے جبکہ اہل مناطقہ کے ہاں طلوع شمس محکوم علیہ ،وجود نہار محکوم بہ ہے۔

قوله ـ ولكن لابد من النظر ههناالخ ـ

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ درحقیقت حروف شرط اور اسماءِ شرط کے بحث کا تعلق علم نحو سے ہے لیکن ان میں سے [اِنْ ،اِذَا] اور [لَوْ] میں ایسی مباحث ہیں جن کو اہل نحو نے بیان نہیں کیا اسلئے انکا الگ سے تعارف ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ [اِن] اور [اِذا] شرط فی الاستقبال میں مشترک ہے البتہ اصل وضع کے اعتبار سے فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ حرف [اِن] عدم جزم کیلئے آتا ہے یعنی شرط کے عدم وقوع کو ظاہر کرنے کیلئے جبکہ [اِذا] کی اصل وقوع شرط کو ظاہر کرنا ہے برخلاف [لو] کے کہ وہ شرط فی الماضی کیلئے آتا ہے۔

قوله : ولذلک ای لان اصل ان عدم الجزم بالوقوع الخ ـ

اور اسی لئے کہ [اِن] شک کیلئے ہے کہ اس کا استعمال ایسے مواقع میں ہوتا ہے جو نادر الوقوع ہو اور [اذا] یقین کیلئے آتا ہے اسلئے اس کا استعمال ایسے مواقع میں ہوتا ہے جو کثیر الوقوع ہو اور چونکہ زمانہ ماضی میں وقوع کا یقین پایا جاتا ہے اسلئے [اذا] ماضی پر داخل ہوتا ہے اگر چہ اس

کو مستقبل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اور [ان] استقبال کیساتھ استعمال ہوتا ہے اسلئے کہ استقبال میں بھی شک ہے۔

قوله : فلاتقع فی کلام الله الخ۔

[اِن] چونکہ شک کیلئے آتا ہے اس لئے کلام اللہ میں واقع نہیں ہوتا مگر نقل حکایت کے طور پر ہو یا تاویل کے طور پر، ہو تو استعمال ہو سکتا ہے نقل حکایت سے مراد اللہ تعالیٰ کا کسی کے کلام کو قرآن میں نقل کرنا جیسے "ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل" یہ حکایت ہے یوسفؑ کے بھائیوں سے اور ضرب تاویل سے مراد یہ فرض کرنا ہے کہ یہ کلام کسی عربی کا ہے جیسے "وان تصبهم سیئة" نادر الوقوع اور کثیر الوقوع کی مثال "فَاِذَا جَائَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ" اس آیت میں حسنۃ اسم جنس ہے اور معرف باللام ہے اور جنس کثیر الوقوع ہے۔ بکثرتہ اسلئے اس کو [اذا] کیساتھ بیان کیا کہ حسنہ سے مراد تمام اچھے امور ہیں اور سیئۃ نوع ہے اور نوع نادر الوقوع ہے۔ اور آیت میں اس سے مراد قحط سالی ہے اسلئے اس کو [ان] کیساتھ بیان کیا۔

قوله : وقدتستعمل ان فی مقام الجزم الخ۔

اور کبھی خلاف ظاہر صرف [ان] جزم کے مقام میں استعمال ہوتا ہے جیسے غلام کا آقا کے خوف سے کسی سائل سے یہ کہنا "ان کان سیدی فی الدار اخبرك" حالانکہ غلام کو یقین ہوتا ہے کہ آقا گھر میں ہے یا متکلم حرف [ان] کیساتھ اسلئے کلام کرتا ہے کہ مخاطب کو متکلم پر شک ہے جیسے "ان صدقت فماذا تفعل" حالانکہ متکلم کو یقین ہے کہ میں سچ پر ہوں یا وقوع شرط کے عالم کو جاہل کا درجہ دیا جاتا ہے جب وہ مقتضی علم پر عمل نہ کرے جیسے وہ شخص جو اپنے ابو کو تکلیف دے رہا ہے کہ "ان کان اباك فلاتوذی"۔

قوله : اوالتوبیخ ای تعبیر المخاطب علی الشرط الخ۔

اور کبھی مخاطب کو ڈانٹنے کیلئے اور عار دلانے کے واسطے حرف [ان] کیساتھ کلام کو ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ مقام میں شرط کی گنجائش نہیں ہوتی گویا کہ مقام کو محتمل فرض کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن کی یہ آیت "اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ" اس آیت

میں کلام کوحرف [ان] کیساتھ ذکر کیااسلئے کہ کفار کا مسرف ہونا یقینی ہے مگر زوال اسراف کے اسباب موجود ہیں اسلئے عاقل آدمی سے اسراف کا صدور نہیں ہونا چاہیئے گویا کہ اسراف محال ہے مگراس کو محتمل بنایا گیا۔یہ آیت مثال اس وقت بن سکتی ہے جبکہ [اِن] کو بکسر الہمزہ پڑھا جائے۔اگر بفتح الہمزہ ہوتو پھر مثال نہیں بن سکتا۔

قوله : والمحال ان كان مقطوعا بعدم وقوعه الخ ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ اسراف محال کے مرتبے میں ہے اوراس کا عدم وقوع یقینی ہے اور یقین کے موقع پر [ان] کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔

[لكونهم] سے اسکا جواب : دیا کہ محال کے عدم وقوع کے یقینی ہونے کو شک اور محتمل کا درجہ دیا مخاطبین کو خاموش کرنے کیلئے اوران پر الزام ڈالنے کیلئے جیسا کہ اس آیت میں ہے ''قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌفَاَنَااَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ '' کہ رحمٰن کیلئے ولد ہونا محال ہے مگر مخاطبین کو خاموش کرنے کیلئے محتمل کا درجہ دیکر حرف [اِن] استعمال کیا گیا۔

قوله : اوتغليب غيرمتصف به اى بالشرط الخ ۔

اور کبھی غیر متصف بالشرط کو جو مشکوک ہو متصف بالشرط پر غلبہ دیا جاتا ہے جو یقینی ہو جیسا کہ زید کا قیام یقینی ہے عمرو کا قیام مشکوک ہے اور مشکوک کو غلبہ دیکر ''ان قمتما كان كذا'' کہا جاتا ہے اور تغلیب کی مثال قرآن کی یہ آیت ہے ''وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّانَزَّلْنَاعَلٰى عَبْدِنَا'' اس طور پر کہ کفار میں بعض مرتابین تھے اور بعض غیر مرتابین تھے۔تو غیر مرتابین کو مرتابین پر غلبہ دیکر حرف [اِن] استعمال کیا گیا۔

قوله : وهھنابحث وهو انه اذاالخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ تغلیب کی اس مثال پر اعتراض ہے۔

اعتراض : اسلئے ہے کہ جب تمام کو غیر مرتابین کا درجہ دیا تو ان سے شک کا واقع ہونا یقینی ہوگیا اور یقین کے مقام پر [اِن] کو استعمال نہیں کیا جاتا۔اس کا جواب دیا فمجرد التغليب سے۔

جواب : اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پر دو تنزیلیں ہیں۔

تنزیل[۱] غیر مرتابین کو مرتابین پر غلبہ دینا۔

تنزیل[۲] شک نہ ہونے کے یقینی ہونے کو شک کا درجہ دیا یعنی اس مقام پر شک نہ ہونا یقینی ہے مگر کفار کو خاموش کرنے کیلئے اور ان کو الزام دینے کیلئے اس کو شک کا درجہ دیکر چیلنج کیا جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے "فَاِنْ اٰمَنُوا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُم بِهٖ فَقَدِ اهْتَدُوا" اس آیت میں اس طور پر یقین کو شک کا درجہ دیا کہ اگر دین اسلام اور قرآن کے بغیر کوئی اور دین ہے کہ وہ اس سے راہ یاب ہو جائے بلکہ نہیں لہذا اگر راہ یاب ہونا ہے تو مسلمانوں جیسا ایمان لانا ہوگا اور اسی طرح دوسری آیت ہے "ان کان للرحمن ولدا۔ فأنا أوّل العٰبدین" کہ رحمٰن کیلئے ولد محال ہے جسکا نہ ہونا یقینی ہے مگر اس کو شک دیکر [اِن] استعمال کیا۔

قوله : وليس المعنى ههنا على حدوث الارتياب الخ ۔

اس عبارت سے بھی ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ اس آیت میں حرف [ان] داخل ہے ماضی پر (یعنی کانَ پر) اور اس کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اور وقوع ارتیاب (شک) مستقبل میں مشکوک ہے لہذا ان کا شک صحیح ہوا۔

جواب : شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اس مقام پر حرف [اِن کانَ] پر داخل ہے اور [کانَ] کی دلالت ماضی پر قطعیت کے ساتھ ہوتی ہے اور مستقبل کے معنی میں اس ماضی کو کر دیتا ہے جو [کان] کے علاوہ ہو اور علامہ مبرد اور امام زجاج نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حرف [ان کان] کو مستقبل کی طرف تبدیل نہیں کر سکتا یہاں تک کوفیین نے اس مقام پر [اِن] کو [اِذْ] کے معنی میں لیا ہے اس لئے کہ [کان] ماضی پر قطعی الدلالۃ ہے۔

قوله : والتغليب باب واسع الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تغلیب کا باب ایک وسیع باب ہے اور یہ مختلف فنون، تراکیب، اسالیب میں جاری ہوتی ہیں ایک شئی کو دوسرے شئی پر غلبہ دیا جاتا ہے جیسے قرآن کی اس آیت میں "وکانت من القانتین" صفت قنوت مشترک ہے "بین الذکر والانثی" لیکن آیت میں ذکر کو انثی پر غلبہ دیا ہے۔ اسی طرح "بل انتم قوم تجهلون" اس آیت

میں معنی کی جہت کو لفظ کی جہت پر غلبہ دیا اسلئے کہ قوم کے اعتبار سے [یجھلون] ہونا چاہیئے تھا مگر مخاطب ہونے کی وجہ سے [تجھلون]لایا گیا۔اسی طرح [والدین] کو ابوان کہا جاتا ہے حالانکہ [اَبٌ] کا اطلاق [اُمّ] پر نہیں ہوتا۔ شیخین کو عمرینؓ کہا جاتا ہے ۔ شمس وقمر کو قمرین کہا جاتا ہے اور صیغہ تثنیہ سے دونوں مراد ہوتے ہیں۔

قوله : فمثل ابوان ليس الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ [ابوان]اور[قانتین]ایک جیسے ہیں۔ان کا یہ گمان غلط اور فاسد ہے اسلئے کہ ابوت صفت مشترکہ نہیں ہے جبکہ قنوت صفت مشترکہ ہے ۔لہذا قانت میں غلبہ ہے ہیئت اور صیغہ کے اعتبار سے اور ابوان میں صیغہ کیساتھ مادہ اور اصل میں بھی تغلیب ہے۔

قوله : ولكونهما اى ان واذا لتعليق الخ ۔

اس عبارت سے مصنفؒ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ [اِن]اور[اذا] تعلیق کے واسطے آتے ہیں جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جزاء کا مضمون تب حاصل ہوگا جب شروط کا مضمون حاصل ہوجائے اور دونوں کا حصول ممکن ہوتا ہے مستقبل میں اگرچہ معلق کا زمانہ زمانہ حال ہوتا ہے۔

قوله : كان كل من جملتى كل منهما الخ ۔

اسی لئے کہ دونوں کا حصول زمانہ مستقبل میں ہوتا ہے شرط اور جزاء کا جملہ فعلیہ استقبالیہ ہونا ضروری ہے شرط کا اسلئے کہ اس کا حصول مستقبل میں فرض کیا گیا ہے ۔اور جزاء جملہ اسمیہ نہیں ہوسکتا کیونکہ کیونکہ جملہ اسمیہ میں استمرار ہوتا ہے ماضیہ بھی نہیں ہوسکتا ۔اور حالیہ بھی نہیں ہوسکتا اسلئے کہ تینوں مستقبل کے خلاف ہیں۔

قوله : ولا يخالف ذلك لفظا الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ شرط اور جزاء لفظاً اور معناً مستقبل کیساتھ ہوا کرتے ہیں عمومی طور پر الا یہ کہ کوئی مقتضی عدول موجود ہو تو لفظاً مخالفت ہوسکتی ہے مگر معناً ممکن نہیں ہے البتہ بغیر کسی تقاضے کے ایسا نہیں ہوسکتا اسلئے کہ کلام کو بغیر کسی نکتے کے خلاف مقتضی ظاہر لانا بلاغت کے خلاف ہے ۔اور لفظاً کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مخالفت صرف لفظی ہی ہوگی معناً مستقبل ہی

ہوگا جیسا کہ "ان أکرمتنی الآن فقد أکرمتک امس" لفظا دونوں ماضی ہیں مگر معنیٰ مستقبل ہیں اسلئے کہ اس جملے کا معنی یہ ہے اگر آپ آج کے احسان کو شمار کروگے تو میں بھی اپنے گذشتہ احسان کو شمار کرونگا۔ معلوم ہوا کہ معنی کے اعتبار سے شرط اور جزاء مستقبل کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے۔

قوله : وقد يستعمل انْ فی غير الاستقبال قياساً الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ کبھی حرف [اِن] غیر استقبال کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے قیاسی طور پر اور [اِن] کا استعمال [کان] کیساتھ عام ہے اور کان فعل ماضی ہے جیسے "وان کنتم فی ریب ،وان کنتم فی شک"۔

قوله : وكذا اذا جِئ بها فی مقام التاكيد الخ ۔

اور کبھی [اِن] شرط کیلئے نہیں بلکہ وصل کیلئے ہوتا ہے اور یہ [واو] حالیہ کے بعد تاکید کے واسطے ہوتا ہے صرف ربط اور وصل کیلئے جیسے "زیدٌ وان کثر مالُہٗ بخیلٌ وعمروٌ وان أعطی جاھًا لئیمٌ" زید مالدار ہونے کے باوجود بخیل اور عمرو وجاہت کے باوجود کمینہ ہے ۔ان دونوں میں [اِن] شرط کیلئے نہیں بلکہ وصل کیلئے ہے۔

قوله : وفی غير ذلك قليلاً الخ ۔

[اِن] کا استعمال [کان] کے بغیر اور افعال کیساتھ قلیل ہے جیسا کہ شاعر کا یہ شعر۔

فیا وطنی انِ فاتنی بک سابق من الدھر فلینعم لساکنک البال

ترجمہ : اے میرے وطن اگر میرا گذشتہ زمانے نے آپ کو کھودیا ہے (تو میری دعا یہ ہے) کہ آپ میں رہنے والے ہمیشہ خوش رہے ۔اس شعر میں محل استشہاد [ان فاتنی] جو کانَ کے بغیر [فاتنی] کیساتھ مستعمل ہے۔

قوله : ثم اشار الی تفصيل النكته الخ ۔

ماقبل میں مصنفؒ نے فرمایا تھا کہ [ان] شرط اور جزاء پر داخل ہوتا ہے اور دونوں کا حصول مستقبل میں ہوتا ہے اور کبھی مضارع سے عدول کرکے ماضی کے ساتھ [ان] کو ذکر کیا جاتا ہے کسی نکتے کی وجہ سے یہاں سے مصنفؒ اس نکتے کو تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرمایا۔

قوله : کابراز غیر الحاصل الخ ۔

کہ کبھی غیر حاصل شدہ چیز کو حاصل شدہ تصور کر کے حرف [ان] کو ماضی کیساتھ ذکر کیا جاتا ہے اوراس ابراز غیر حاصل کی کئی علتیں ہو سکتی ہیں۔

[۱] قوت اسباب کہ مطلوب کے اسباب مہیا ہونے کی وجہ سے ماضی کیساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ وہ چیز واقع ہو چکی ہے جسے کہ "ان اشترینا کان کذا" جب شراء کے تمام اسباب موجود ہو مگر اب تک خریدا نہ ہو۔

[۲] واقع ہونے والی شئی کو واقع تصور کرنا جیسے مریض کا قول "ان مت کان کذا"۔

[۳] تفاوت نیک فالی کیلئے جیسا کہ "ان ظفرت بحسن العاقبة فهو المرام "اگر آپ اچھے انجام میں کامیاب ہو گئے تو وہی مقصود ہے۔

[۴] مطلوب کی طرف اظہار رغبت کیلئے جیسے کہ "ان ظفرت بحسن العاقبة فهو مرام "اگر میں کامیاب ہوا اچھے انجام کیساتھ تو وہی مقصود ہے۔

قوله : فان الطالب اذا عظمت رغبتهٔ الخ ۔

یہ عبارت اظہار رغبت کی علت ہے کہ جب طالب کو مطلوب کی طرف رغبت ہوتی ہے تو وہ ہر وقت اس کے تصور میں رہتا ہے اوراسکے تصور کو وجود خیال کر کے ماضی کیساتھ تعبیر کرتا ہے۔ اظہار رغبت کی مثال قرآن سے "ولا تُكرِهُوا فَتَيَاتِكم على الْبغاءِ ان اَرَدْنَ تَحَصُّنًا" اس آیت میں [تحصن] استقبالیہ ہے اسلئے کہ شرط استقبالیہ ہے تو جزاء بھی استقبالیہ ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کو ان کی عفت کی طرف اظہار رغبت ہے اسلئے کہ [ان یردن] کے بجائے [ان اردن] فرمایا اظہار رغبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی مکمل رضامندی ہے ورنہ اللہ کی ذات اظہار رغبت سے منزہ ہے۔

قوله : فان قيل تعليق النهى عن الاكراه الخ ۔

اس عبارت سے ایک اعتراض اوراس کا جواب نقل کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ اس آیت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عفت کا ارادہ نہ ہو تو بغاء پر مجبور کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ جملہ شرطیہ کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ انتفاء شرط سے انتفاء جزاء

ہو۔لہذا عدم عفت سے عدم اکراہ لازم آیا حالانکہ اکراہ کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔شارح نے اس کے دو جواب دیے ہیں۔

جواب : [۱] یہ ہے کہ جو لوگ مفہوم مخالف کے قائل ہیں وہ اس وقت ہے جب مفہوم مخالف کے علاوہ کوئی اور نکتہ موجود نہ ہو اگر کوئی اور نکتہ موجود ہے تو وہ مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہوتے اور اس آیت میں دوسرا نکتہ موجود ہے اور وہ ہے مبالغہ، کہ ویسے بھی کسی کو بغاء پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے اور اگر وہ پاکدامن ہو تو بدرجہ اولی نہیں کرنا چاہیئے۔

جواب : [۲] وایضا دلالۃ الشرط سے جسکا حاصل یہ ہے کہ آیت کے مفہوم مخالف سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے مگر دلیل قاطع اجماع اس کی حرمت پر موجود ہے لہذا ظاہر کو ترک کر دیا جایئگا۔

قوله : قال السكاكی الخ۔

علامہ سکاکی نے فرمایا کہ مذکورہ علل اربعہ کے علاوہ کبھی تعریض کے واسطے بھی حرف [ان] کو ماضی کیساتھ ذکر کیا جاتا ہے تعریض سے مراد یہ ہے کہ خطاب کسی اور کو کیا جائے اور سنانا کسی اور کو مقصود ہو جیسا کہ قرآن میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے رب نے ارشاد فرمایا "وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ" آپ ﷺ پر اور سابقہ انبیاء پر یہ بات واضح کر دی گئی کہ اگر آپ لوگ شرک کا ارتکاب کرو گے تو تمہارے اعمال بے کار ہو جائیں گے اس آیت میں "لئن اشرکت" صیغہ ماضی کیساتھ ذکر کیا ہے کہ مخاطب تو نبی کریم ﷺ ہیں مگر سنانا ان لوگوں کو مقصود ہے جن سے شرک کا ارتکاب ہوا ہے اس تعریض میں دو فائدے ہیں۔

[۱] ایک تو یہ ہے کہ کہ جب انبیاء کے ساتھ یہ معاملہ ہو سکتا ہے بالفرض والمحال تو دوسرے لوگوں کا کیا حال ہوگا۔

[۲] دوسرا فائدہ یہ ہے کہ مشرکین کو مخاطب بنانا گوارہ نہیں تھا بلکہ اپنے معصوم انبیاء کو مخاطب بنانا کفار سے نفرت دلانے کیلئے۔

قوله : ولايخفى انه لا معنى للتعريض الخ۔

یہ ایک اعتراض کا جواب ہے جو علامہ خلخالی نے علامہ سکاکی پر وارد کیا ہے۔

اعتراض : اس اعتراض کی دو شقیں ہیں۔[۱] آیت کا مخاطب صرف ان کو بتانا جن سے شرک کا صدور ہوا صحیح نہیں ہے بلکہ وہ لوگ بھی مخاطب بن سکتے ہیں جن سے ابھی تک شرک کا صدور ہوا ہی نہیں۔

[۲] کہ تعریض ماضی کیساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مستقبل کیساتھ بھی تعریض کی جا سکتی ہے "ولئن تشرک" تو علامہ سکاکی نے کیوں فرمایا کہ مضارع سے ماضی کی طرف عدول تعریض کیلئے ہوتا ہے؟۔

جواب : شارحؒ نے علامہ خلخالی کو جواب دیا کہ آپ کی دونوں باتیں غلط ہیں اسلئے کہ اس آیت میں زجر اور توبیخ ہے اور زجر اور توبیخ ان کو کی جاتی ہے جن سے فعل کا صدور ہوا ہو جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو یہ بات بھی درست نہیں اسلئے کہ [ان] کا استعمال مضارع کیساتھ اصل ہے اور خلاف اصل کیلئے نکتے کی ضرورت ہے اور وہ نکتہ تعریض ہے اسلئے ماضی کیساتھ حرف [ان] کو ذکر کیا گیا اور تعریض مستقبل سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

قوله : ونظيره في التعريض الخ ۔

تعریض کی نظیر قرآن کی یہ آیت بھی ہے "ومالی لا اعبد الذی فطرنی والیه ترجعون" اگر تعریض مقصود نہ ہوتا تو "الیه ارجعوا" حال کے مناسب تھا یاد رکھیں یہ تعریض کی نظیر ہے استعمال [ان] کی نہیں ہے۔ اس آیت میں تعریض اختیار کیا گیا حسن خطاب کے واسطے اپنے مخاطبین کو حق بات سمجھانے کیلئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو انکے غصے میں اضافہ نہ کرے بلکہ قبول حق میں معاون و مددگار ہو اسلئے کہ ایسا کلام اور ایسی نصیحت اخلاص کی نوید ہوتی ہے اور اخلاص سے کی ہوئی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے۔

قوله : ولو للشرط اى لتعليق حصول مضمون الجزاء الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حرف [لو] کی اصل شرط کے واسطے ہے اگرچہ غیر شرط کے طور پر بھی مستعمل ہوتا ہے حرف [لَوْ] انتفاء ثانی کیلئے آتا ہے بسبب انتفاء اول یعنی حصول اجزاء کا مضمون متصف ہوتا ہے حصول شرط پر اس حال میں کہ شرط کو ماضی میں فرض کیا گیا ہے اور شرط کا عدم وقوع یقینی ہے لہذا انتفاء شرط سے انتفاء جزاء لازم آئیگا جیسا کہ "لو جئتنی لاکرمتک۔

''کہ اکرام متصف تھا مجئی سے مگر مجئی نہیں پایا گیا تو اکرام بھی منتفی ہو گیا جمہور کا یہی مسلک ہے

قوله : واعترض عليه ابن حاجب الخ۔

علامہ ابن حاجبؒ نے جمہور کے مسلک پر اعتراض واقع کیا ہے کہ آپ حضرات کا بیان کردہ اصول غلط ہے اسلئے کہ شرط سبب کے درجے میں ہے اور جزاء مسبب کے درجے میں ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ انتفاء سبب انتفاء مسبب کو ستلزم نہیں ہے اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ مسبب موجود ہو کسی اور سبب کی وجہ سے لہذا معاملہ برعکس ہونا چاہیئے کہ مسبب کا انتفاء سبب کے انتفاء کو ستلزم ہو لہذا حرف [لوْ] کا مقتضی درحقیقت امتناع اول ہے بسبب انتفاء ثانی کہ جزاء نہ ہونے کی وجہ سے شرط نہیں پائی گئی جیسا کہ قرآن میں ہے''لــو کــان فيهـمـا الهةٌ الّا اللّــهُ لَفَسَدَتـا'' اس آیت میں امتناع ثانی سے امتناع اول کا استدلال کیا گیا ہے یعنی عدم فساد سے استدلال کیا گیا عدم تعدد الہہ سے۔

قوله : واستحسن المتاخرون رأى ابن الحاجب الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ متاخرون کو ابن حاجب کا مسلک پسند آیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس پر اجماع ہو جاتا یا تو اسلئے کہ جو ابن حاجب نے بیان کیا ہے اس آیت کی روشنی میں ہے۔

قوله : واما لان الاول ملزوم الخ۔

اور یا اسلئے کہ اول یعنی شرط ملزوم کے درجے میں ہے اور ثانی یعنی جزاء لازم کے درجے میں ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ انتفاء لازم انتفاء ملزوم کو ستلزم ہے مِنْ غیرِ عکس۔ انتفاء ملزوم انتفاء لازم کو ستلزم نہیں ہے اسلئے کہ لازم عام ہوتا ہے اور ملزوم خاص ہوتا ہے اور انتفاء عام انتفاء خاص کو ستلزم ہوتا ہے مِنْ غیرِ عکس۔

قوله : وانا اقول منشأ هذا الاعتراض قلة التأمل الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حاجب کے اعتراض کا منشاء قلت تأمل ہے غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے ہے اسلئے کہ حرف [لوْ] کے دو استعمال ہیں ایک استدلال عقلی کے واسطے ہوتا ہے۔ اور دوسرا استعمال ترتیب خارجی کے واسطے ہوتا ہے۔

استدلال عقلی کا مطلب یہ ہے کہ مستدل کو جزاء کا انتفاء معلوم ہوتا ہے مگر شرط کا انتفاء معلوم

نہیں ہوتا مگر وہ معلوم سے مجہول پر استدلال کرتا ہے جیسا کہ آیت مذکورہ میں عدم تعدد الہہ کا ہونا مجہول تھا اور عالم میں فساد نہ ہونا معلوم تھا اس معلوم سے مجہول پر استدلال کر کے عدم تعدد الہہ کو ثابت کیا۔

ترتیب خارجی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرط اور جزاء دونوں کا انتفاء تو معلوم ہوتا ہے مگر انتفاء شرط کی علت معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ "لو شاء اللّٰہ لَهَدَاكُمْ" عدم ھدایت اسلئے ہے کہ مشیت نہیں پائی گئی اور یہ دونوں معلوم ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ عدم مشیت کی وجہ کیا ہے حاصل یہ ہوا کہ جمہور کا مسلک استعمال ثانی کے طور پر ہے اور ابن حاجب کا مسلک استعمال اول کے طور پر ہے۔ بالفاظ دیگر استعمال اول مناطقہ اور استعمال ثانی اہل عربیت کا مسلک ہے۔ اسلئے ابن حاجب نے بغیر غور وفکر کے جمہور پر اعتراض کیا متاخرین نے اندھی تقلید کی اسکی نظیر "لولا علی لهلک عمر" کہ وجود علی سبب ہے عدم ہلاک عمر کا لیکن وجود علی دلیل نہیں ہے عدم ہلاکت عمر پر۔

قال الحماسی: شارحؒ مزید وضاحت کیلئے دو شعر استدلال کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

شعر

لو طار ذو حافر قبلها لطارت : لكنه لم يطر

ترجمہ: اگر اس سے پہلے کوئی کُروالا گھوڑا اڑتا تو یہ بھی اڑ جاتا لیکن کوئی گھوڑا اڑا نہیں۔

استثناء نقیض مقدم اس شعر میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ انتفاء اول سے انتفاء ثانی ہوا کہ کوئی گھوڑا اڑا نہیں اسلئے یہ بھی نہیں اڑا مگر نہ اڑنے کی دلیل بیان نہیں کی گئی۔ اسی طرح صاحب معری کا یہ شعر۔

ولو دامت الدولات كانوا كغيرهم : رعايا ولكن ما لهن دوام

ترجمہ اگر بادشاہوں کو دوام نصیب ہوتی تو وہ بھی دوسرے رعایا کی طرح میرے ممدوح کی رعایا ہوتے لیکن ان کیلئے دوام نہیں تو عدم دوام کی وجہ سے عدم رعایا لازم آیا مگر عدم دوام کی علت معلوم نہیں ہے اور ثانی اس کیلئے دلیل نہیں ہے۔

قوله : واَمّا المناطقون فقد جعلوا انْ و لَوْ الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ حرف [ان] اور [لو] مناطقہ قیاسات کے اندر ان حروف کو استعمال کر کے

نتائج اخذ کرتے ہیں اسلئے کہ مناطقہ کی نظر میں اکتساب علوم ہوتا ہے اسلئے انکے نزدیک [لو] اس بات کیلئے آیگا کہ جزاء کے نہ ہونے کی وجہ سے شرط نہ پائی گئی اسلئے کہ انتفاء ملزوم سے انتفاء لازم آتا ہے اس بات سے قطع نظر کہ خارج میں انتفاء جزاء کی علت کیا ہے اس اصول کے پیش نظر اس آیت مذکورہ "لو کان فیهما الخ" انتفاء ثانی کے علم سے انتفاء اول کے علم پر استدلال کیا گیا جب کہ عام طور پر مشہور اور مدون طریقہ اہل عربیت اور اہل لغت کا ہے کہ وہ جب ترتیب خارجی کے اعتبار سے اول کے نہ ہونے سے ثانی کے نہ ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

قوله : فیلزم عدم الثبوت والمضیُّ فی جملتیها الخ ۔

مصنف" فرماتے ہیں کہ مذکورہ تقریر سے دو باتیں لازم آئی کہ [لَوْ] کیلئے ضروری ہے عدم ثبوت یعنی شرط کا نہ پایا جانا اور شرط اور جزاء کا جملہ ماضیہ ہونا۔

پہلی بات کی دلیل یہ ہے کہ [لو] کے شرط کیلئے عدم ثبوت اسلئے ضروری ہے کہ ثبوت اور تعلیق ایک دوسرے کے منافی ہے کہ ایک شئی ثابت بھی ہو اور کسی شئی پر معلق بھی ہو اور استقبال ماضی کے منافی ہے لہذا اس کا مدخول مضارع نہیں لا سکتے۔

قوله : الا النکتة الخ ۔

مگر یہ کہ ماضی سے مضارع کیطرف عدول کیلئے کوئی نکتہ موجود ہو اور "مذہب المبرد الخ۔" امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ حرف [لو] ماضی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور مستقبل میں بھی استعمال ہوتا ہے اگرچہ مستقبل میں استعمال کم ہے لہذا مضارع کی طرف عدول کے واسطے نکتہ کی طرف ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ یہ خلاف اصل نہیں ہے۔ جیسا کہ "قول علیه الصلوة والسلام .اطلبوا العلم ولو بالصین " دوسری حدیث "وانی تناکحوا تناسلوا اباهی بکم الامم یوم القیامة" ان احادیث مبارکہ میں [لو] کا استعمال مضارع کیساتھ اور امر کیساتھ ہوا ہے۔ اور یہ [لَوْ] وصلیہ ہے۔

فائدہ : محدثین کے نزدیک پہلی حدیث موضوع ہے۔

قوله : فدخلوها علی المضارع الخ ۔

مصنف" فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی حرف [لو] مضارع پر داخل کیا جاتا ہے ماضی کے اندر استمرار فعل

کوثابت کرنے کیلئے جیسے اس آیت میں ''ولو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم'' ''اگر حضور ﷺ اکثر امور میں آپ لوگوں کی اطاعت کرتے تو آپ لوگ مشقت میں واقع ہوتے ۔لہذا تمہارے مشقت میں نہ پڑنے کی وجہ حضور ﷺ کی تمہارے عدم استمرار اطاعت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اطاعت میں استمرار نہیں کیا بلکہ بعض امور میں اطاعت کی اور بعض میں نہیں کی اور یہ مطلب نصوص کے موافق ہے جیسا کہ ''وشاورھم فی الامر'' اس آیت میں یہ بھی ممکن ہے کہ جس فعل کے استمرار کا ارادہ کیا گیا ہے وہ اطاعت نہ ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا بلکہ امتناع اطاعت ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم مشقت میں اسلئے نہیں پڑے کہ حضور ﷺ نے کبھی بھی تمہاری اطاعت نہیں کی مگر یہ تشریح خلاف واقع ہے۔

قولہ : لانہ کما ان المضارع المثبت یفید استمرار الثبوت الخ ۔

یہ عبارت اس دوسرے قول کی علت ہے یعنی یجوز کے کہ جس طرح مضارع مثبت استمرار ثبوت کا فائدہ دیتا ہے اور مضارع منفی بھی استمرار نفی کا فائدہ دیتا ہے لہذا جس مضارع پر حرف [لو] داخل ہوگا تو وہ استمرار امتناع کا فائدہ دیگا اسلئے کہ [لو] امتناع کیلئے آتا ہے اس صورت میں امتناع کی مکمل نفی مقصود ہوگی جیسا کہ جملہ اسمیہ مثبتہ تاکید ثبوت اور دوام ثبوت کا فائدہ دیتا ہے اور جملہ اسمیہ منفیہ تاکید نفی اور دوام نفی کا فائدہ دیتا ہے نہ کہ نفی تاکید اور نفی دوام کا اسی طرح [لو] بھی استمرار عدم کا فائدہ دیگا۔

فائدہ : تاکید نفی اور نفی تاکید میں فرق یہ ہے کہ تاکید نفی میں حکم منفی کو موکد کیا جاتا ہے ۔جبکہ نفی تاکید میں نفس حکم ثابت رہتا ہے مگر تاکید کی نفی ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ منافقین نے کہا ''انا امنا'' جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وماھم بمومنین'' تاکید نفی کیساتھ کہ وہ کبھی بھی مؤمن نہیں رہے یہ مطلب نہیں کہ وہ پکے مؤمن نہیں رہے ۔یعنی نفی تاکید استمرار فعل کی مثال ''اللہ یستھزئ بھم'' استمرار استھزاء کیلئے ''اللہ مستھزئ'' کے بجائے ''اللہ یستھزئ'' فرمایا تاکہ وقتاً فوقتاً استھزاء ثابت رہے۔

قولہ : ودخلوھا علی المضارع الخ ۔

مصنف ؒ فرماتے ہیں کہ کبھی حرف [لو] داخل ہوتا ہے مضارع پر مضارع کو ماضی کے مرتبے

میں اتارنے کیلئے اس واسطے یہ بتلانے کیلئے کہ یہ کلام ایسے شخص سے صادر ہوا ہے جس کے خلاف ہونے کی گنجائش نہیں اور اس ذات کی نظر میں ماضی اور مستقبل برابر ہے جیسا کہ اس آیت میں "ولو تری اذ وقفوا علی النار" اگر آیت کا مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ اے محمد آپ دیکھو گے کہ کفار کو آگ پر کیسے داخل کیا جاتا ہے یا ان کو مطلع کیا جاتا ہے عذاب سے یا ان پر عذاب پیش کیا جاتا ہے یا اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جس میں رویت کی صلاحیت ہو۔ اور اس [لو] کا جواب محذوف ہے "لرایت امرا فظیعا" کہ آپ ایک خوفناک منظر کو دیکھو گے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ منظر اگرچہ مستقبل میں ہوگا مگر اس کا ہونا یقینی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ماضی اور مستقبل برابر ہے اسلئے حرف [لو] مضارع پر داخل کیا ہے۔

قوله : کماعدل عن الماضی الخ۔

جیسا کہ عدول کیا گیا ماضی سے مضارع کی طرف اس آیت میں "رُبَّمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ" اس آیت کریمہ میں مضارع کو ماضی کے مرتبے میں اتارا گیا نکتہ مذکورہ کی وجہ سے کہ یہ کلام ایسی ذات سے صادر ہوا ہے کہ جس کے حق میں ماضی اور مضارع برابر ہے یہ مثال ان لوگوں کے نزدیک درست ہوسکتی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ [ربّ] مکفوفہ [بما] کے بعد فعل ماضی کا آنا ضروری ہے اسلئے کہ [رب] مکفوفہ تقلیل کو بتلانے کیلئے آتا ہے اور تقلیل کا وقوع ماضی میں ہوتا ہے نہ کہ مضارع میں۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے ہولناکیوں کی وجہ سے وہ لوگ بے ہوش ہی رہیں گے اور کبھی اگر تھوڑا افاقہ ہو جائے تو یہ تمنا کریں گے لو کانوا مسلمین۔

قوله : وقیل هی مستعارة للتکثیر الخ۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ استعارہ ہے تکثیر کیلئے یا تحقیق کیلئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ [ربّ] تقلیل آتا ہے مگر بسا اوقات علاقہ ضدیت یا لزومیت کی وجہ سے تکثیر اور تحقیق کیلئے بھی آتا ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ کثرت سے یہ تمنا کرتے رہیں گے اسلام کا اور مسلمان ہونے کا اس صورت میں مفعول محذوف ہے وہ یا اسلام ہے یا مسلمین ہے اس

صورت میں "لو کنا مسلمین" کے بجائے "لو کانوا مسلمین" کہا گیا اسلئے کہ اس سے پہلے غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا اس آیت میں [لو] کو اگر تمنی کیلئے مانا جائے تو یہ نقل حکایت ہوگی توجواب کی طرف ضرورت نہیں ہوگی بعض حضرات نے [لو] کو مصدریہ مانا ہے لہذا "لو کانوا مسلمین" کو "کونه مسلمین" کے تاویل میں کر کے [یود] کا مفعول بنائیں گے۔

فائدہ : [رُبّ] مکفوفہ [بما] اس رُبّ کو کہا جاتا ہے جس کے بعد حرف [مَا] ہو جو اس کو عمل سے روکدے جیسا کہ اس آیت میں ہے [رُبّ] مکفوفہ کے بعد ماضی کو ضروری قرار دینے کا مسلک ابن السراج اور ابوعلی کا ہے۔ جبکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس [رُبّ] کے بعد مستقبل بھی آسکتا ہے۔

قولہ : اولا ستحضار الصورت الخ ۔

ماضی سے مضارع کی طرف عدول یا تو نکتہ مذکورہ کی وجہ سے ہوگا یا کسی اور صورت اور واقعے کو مستحضر کرنے کیلئے ہوگا تا کہ وہ صورت اور وہ واقعہ کسی عجیب وغریب نکتے پر دلالت کرے جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے "اَللّٰهُ الَّذِىْ اَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا" اس آیت کریمہ میں "فاثارت سحابا" کے بجائے "فتثیر سحابا" لایا گیا [فتثیر] مستقبل اور حال پر بھی دلالت کرتا ہے گویا کہ اس امر کو اور اس واقعے کو مستحضر کرنے کیلئے کہ وہ واقعہ ایسا ہے جیسا کہ آنکھو کے سامنے ماضی سے مضارع کی طرف عدول کیا۔

قولہ : ولا یفعل ذلک الا فی امرٍ یهتمّ بمشاهدته الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ استحضار کیلئے عدول ایسے امر میں ہوتا ہے جسکا مشاہدہ نادر الوقوع ہو یا کوئی امر شنیع ہو یا کوئی لطیف نکتہ ہو اس اعتبار سے آیت مذکورہ میں نکتہ بدیعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ وغالبہ بادلوں کو اس طریقے سے اٹھاتا ہے کہ وہ زمین سے اوپر اور آسمان کے نیچے ہوتا ہے کبھی متصل کبھی غیر متصل کبھی تہ بتہ اور کبھی سفید اور کبھی سیاہ اور کبھی سرخ یہ انقلابات متفرقہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر روشن دلیل ہے۔

قولہ : واما تنکیرہ ای المسند الخ ۔

احوال مسند میں سے ایک حال مسند کونکرہ لانا ہے نکرہ اس وقت لایا جاتا ہے کہ جب حکم میں حصر مقصود نہ ہو اور نہ کوئی معہود فی الخارج ہو جیسے کہ "زید کاتب وعمرو شاعر"۔

قوله : اوللتفخيم الخ ۔

یا عظمت بتلانے کیلئے مسند کو نکرہ لایا جاتا ہے جب اس کے اندر صلاحیت ہو جیسے "هدی للمتقین" یہ [هذا] کی خبر ہے یا [ذلک الکتب] کی خبر ہے۔

قوله : اوللتحقير الخ ۔

یا تحقیر کے واسطے مسند کو نکرہ لایا جاتا ہے جیسا کہ "ما زید شیئًا" زید کوئی چیز نہیں ہے [شیئًا] مسند نکرہ تحقیر کیلئے ہے۔

قوله : واماتخصيصه اى المسند الخ ۔

کبھی مسند کو خاص کیا جاتا ہے اضافت کیساتھ یا وصف کیساتھ تا کہ کامل فائدہ حاصل ہو جائے اسلئے کہ قیودات کے اضافے سے مقصود واضح ہو جاتا ہے۔ اضافت کی مثال "زیدٌ غلام رجلٍ" وصف کی مثال "زیدٌ رجلٌ عالمٌ"

قوله : واعلم انّ جعل معمولات المسند الخ ۔

سوال : یہ ہے کہ مصنفؒ نے مسند کے معمولات حال، تمیز وغیرہ کو "اما تقییدہ" سے بیان کیا اور اضافت اور وصف کو "اما تخصیصہ" سے بیان کیا اس کی کیا وجہ ہے۔

قوله : انماهومجردالاصطلاح الخ ۔

جواب : شارحؒ نے فرمایا کہ مصنفؒ نے صرف تفنن اور جدت کیلئے ایسا کیا کوئی نکتہ پیش نظر نہیں ہے

قوله : قيل لان التخصيص الخ ۔

بعض حضرات نے کہا کہ ایسا کرنا نکتہ سے خالی نہیں ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ تخصیص نام ہے قلت شرکت اور عموم کا اور یہ پایا جاتا ہے اسم کے اندر جبکہ فعل میں شرکت اور عموم نہیں ہوتا اسلئے مصنفؒ نے اس مقام پر تخصیص کیساتھ بیان کیا اور وہاں تقیید کیساتھ بیان کیا کیونکہ اضافت اور وصف سے شرکت میں کمی اور خصوصیت پیدا ہوتی ہے۔

قوله : وفيه نظر الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس جواب میں نظر ہے کہ یہ نکتہ بیان کرنا درست نہیں ہے اسلئے کہ سوال یہ ہے کہ عموم سے کیا مراد ہے ۔اگر عموم شمول مراد ہے تو وہ نکرہ میں بھی موجود نہیں ہے پس اس کا وصف مخصص نہیں ہوگا۔اگر عموم سے مراد عموم بدلی ہے تو وہ فعل میں بھی موجود ہے لہذا یہ نکتہ بیان کرنا درست نہیں ہوا علامہ دسوقی نے فرمایا کہ اس نظر میں بھی نظر ہے وہ اس طرح کہ عمومیت میں اسم اور فعل میں فرق ہے۔اسم کے اندر عموم اپنے اصل وضع پر ہے اور عموم شمول مراد ہے جو فعل کے اندر نہیں پایا جاتا۔لہذا اسم کو تخصیص کیساتھ بیان کرنا درست ہوا اور یہ نکتہ قابل غور نکتہ ہے۔

قوله : واماتركه الخ ۔

مسند میں کبھی تخصیص کو ترک کردیا جاتا ہے کسی نکتے کی وجہ سے جیسے بات کو کسی سے چھپانا ہو یا اس سے جاہل ہو۔

قوله : واماتعريفه فلافادة السامع الخ ۔

مسند کو کبھی معرفہ لایا جاتا ہے تاکہ سامع کو ایک امر معلوم کے حکم کا فائدہ پہنچایا جائے تعریف کے طریقوں میں سے کسی بھی طریقے پر یا لازم حکم کا فائدہ پہنچایا جائے حکم کا فائدہ اس وقت ہوگا جب سامع کو معلوم نہ ہو اور لازم حکم کا فائدہ اس وقت ہوگا جب اپنے عالم بالحکم کو بتلایا جائے۔

قوله : يعنى انه يجب الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مسند اگر معرفہ ہو تو مسند الیہ کا بھی معرفہ ہونا ضروری ہے اسلئے کہ کلام عرب میں ایسے جملے ناپید ہیں جس میں مسند الیہ نکرہ اور مسند معرفہ ہو۔

قوله : باحدطرق التعريف سواء يتحد الطريقان الخ ۔

اس عبارت سے شارحؒ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ مسند کو معرفہ لایا جائے کسی بھی طریقے پر کہ مسند اور مسند الیہ دونوں ایک طریقے پر معرفہ ہو جیسے "الراكب هوالمنطلق" دونوں معرف باللام ہے،یا طریقے میں مختلف ہو "زيدهوالمنطلق" مسند الیہ علم ہے اور مسند معرف باللام ہے۔

تخصیص مسند کی مثال "زيداخوك وعمرو منطلق" ان مثالوں میں تعریف عہد خارجی

بھی مرادلیاجاسکتا ہےاورتعریف جنسی بھی مرادلیاجاسکتا ہے۔تعریف عہدی کامطلب یہ ہے کہ سامع مسندالیہ کوبھی جانتا ہے اورمسندکوبھی جانتا ہے مگرثبوت المسند للمسندالیہ کونہیں جانتامثلاً عمروکوبھی جانتا ہےاورثبوت انطلاق کوبھی جانتا ہے مگریہ نہیں جانتا کہ عمروکیلئے ثابت ہے یاکسی اورکیلئے اس سے کہاجائے گا"عمرو منطلق"۔
اورتعریف جنس کامطلب یہ ہے کہ سامع ثبوت انطلاق کوجانتا ہے مگریہ نہیں جانتا کہ وہ کس میں ثابت ہےاس سے کہاجائے گا"عمرو منطلق"۔

قوله : وفی هذاتنبیه علی ان کون المبتدأ الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مسند کے معرفہ ہونے میں اس بات کی طرف تنبیہ موجود ہے کہ مسنداورمسندالیہ دونوں معلوم ہونے کے باوجودپھربھی فائدہ مجہولہ کافائدہ دیں گے اسلئے کہ یہ بات ممکن ہے کہ دونوں فی ذاتہ معلوم ہولیکن ایک دوسرے کیلئے ثبوت معلوم نہ ہو۔

قوله : ان نحوزیداخوک الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ [زیداخوک] کامخاطب کون شخص ہوسکتا ہے مصنفؒ کے نزدیک اس کامخاطب وہ شخص ہے جوزیدکوبھی جانتاہواوراس بات کوبھی جانتاہوکہ اس کاکوئی بھائی ہے مگریہ نہیں جانتا کہ زیداس کابھائی ہےاس سے کہاجائیگا"زیـداخـوك" گویاکہ تعریف عہدی مرادہے جبکہ ایضاح میں مذکورہے کہ اس کامخاطب وہ شخص ہوگاجوزیدکوجانتا ہے چاہےاس کے بھائی ہونے کوجانتاہویانہیں جانتاہو۔نہ جاننے والی شق محل اختلاف ہے کہ ایک شخص زیدکوجانتا ہےلیکن یہ نہیں جانتا کہ اس کاکوئی بھائی ہےاس سے کہاجائیگا"زیـداخـوك" "گویاکہ تعریف جنسی مرادہے۔بظاہران دونوں میں تعارض نظرآرہا ہے چنانچہ علامہ رضی نے ان دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ"زیـداخـوك" اپنے اصلی وضع کے اعتبارسے تعریف عہدی ہے جیساکہ صاحب ایضاح نے کہا۔

قوله : والالم یبق الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اگرتعریف بالاضافت کواصل وضع کے اعتبارسے عہدخارجی کیلئے نہ مان لیاجائے توپھر"غـلام زیـد"اور"غـلام لـزیـد" میں کوئی فرق نہیں رہے گابلکہ

دونوں کا مطلب یہ ہوگا کہ زید کے واسطے جنس غلام ثابت ہے حالانکہ غلام زید معرفہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے زید کا متعین غلام تعریف عہد خارجی ہے اور "غلام لزید" نکرہ کے طور پر استعمال ہے زید کا کوئی غلام۔

قوله : لكن كثيرًا مّا يقال الخ۔

لیکن کبھی کبھی تعریف بالاضافت عہد خارجی کے بجائے تعریف جنس کیلئے استعمال ہوتا ہے اور "غلام زید" بول کر کوئی غیر متعین غلام مراد لیا جاتا ہے جو خلاف وضع ہے تو کتاب میں اصل وضع کی طرف اشارہ ہے اور ایضاح میں خلاف وضع کی طرف اشارہ ہے۔

قوله : وعكسهما الخ۔

مذکورہ مثالوں کا عکس "اخوك زيد والمنطلق عمرو"۔

قوله : والضابطة فى التقديم انه اذا كان للشىء صفتان الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ تقدیم اور تاخیر کیلئے ضابطہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کس کو مبتداء بنایا جائے اور کس کو خبر بنایا جائے اور کس کو مقدم کیا جائے اور کس کو مؤخر کیا جائے۔ وہ ضابطہ یہ ہے کہ جب کسی شئی کے واسطے دو صفتیں ہوتی ہیں اور سامع کو اس بات کا علم ہے کہ شئی ان دو صفات میں سے ایک صفت کیساتھ متصف ہے اور دوسری صفت کا اس کو علم نہیں ہے تو معلوم بالصفت کو مقدم کیا جائیگا اور غیر معلوم بالصفت کو مؤخر کیا جائیگا تاکہ معلوم پر مجہول کا حکم لگایا جاسکے لہٰذا اگر کسی سامع کو معلوم ہے کہ فلاں ذات صفت زید کیساتھ متصف ہے زید کو مقدم کیا جائیگا اور اخوت سے جاہل ہے تو اخوت کو مؤخر کیا جائیگا۔ اور اگر کسی کو اخوت کا پتہ ہے تو اخوت کو مقدم کیا جائیگا اور نسبت کا نہیں پتہ تو زید کو مؤخر کر کے "اخوک زید" کہا جائیگا۔

قوله : ويظهر ذلك فى قولنا رأيت اسودا الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ ضابطہ اس مثال میں واضح ہوجائیگا "رأيت اسودا غابها الرماح" "میں نے بہت سے شیر دیکھے جنکی جھاڑیاں نیزے ہیں اس مثال میں "غابها" بھی معرف ہے اور [الرماح] بھی معرف ہے کہ [غابها] کو مقدم کر کے مبتداء بنایا جائیگا اور [الرماح] کو مؤخر کر کے خبر بنایا جائیگا اس کا عکس صحیح نہیں ہوگا "الرماح غابها" اس صورت میں مطلب یہ

ہوگا کہ نیزے ان کی جھاڑیاں ہیں۔

قوله : والثاني قديفيدقصر الجنس الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تعریف جنس کبھی کسی شئی پر قصر جنس کا فائدہ دیتا ہے تحقیقی طور پر جیسے ''زیدالامیر'' کہ زید ہی امیر ہے امارت کو زید پر منحصر کیا جبکہ کوئی اور بادشاہ اور امیر نہ ہو یا مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے کہ جب وہ شئی جنس میں بطور کمال کے پائے جائے جیسا کہ ''عمرو الشجاع'' عمرو ہی بہادر ہے ان مثالوں کو عکس کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے امیر زید ہی ہے ، بہادر عمرو ہی ہے۔

قوله : والحاصل ان المعرف الخ۔

حاصل یہ ہے کہ معرف بلام الجنس کو اگر مبتداء بنائے تو وہ خبر پر منحصر ہوتا ہے چاہے وہ خبر معرفہ ہو یا نکرہ اگر اس کو خبر بنائے تو وہ مبتداء پر منحصر ہوتا ہے۔

قوله : وقديقيّدبوصف أو حال أو ظرف الخ۔

کبھی اس معرف کو کسی وصف کیساتھ مقید کیا جاتا ہے یا حال کیساتھ یا ظرف کیساتھ تو اس صورت میں وہ قید بھی مقصود ہوگا جیسا کہ ''هوالرجل الكريم'' وہی معزز شخص ہے'' و هو السائر راكبا' وہی چلنے والا ہے سواری کی حالت میں'' و هو الامير في البلد'' وہی امیر ہے شہر میں'' هو الواهب الف قنطار'' وہی عطاء کرنے والا ہے ایک ہزار دینار۔

قوله : وجميع ذلك معلوم بالاستقراء الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں اس طرح کے نکات بلغاء کے تراکیب میں تتبع سے حاصل ہوتے ہیں۔

قوله : قد يفيد بلفظ قد اشارةً الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ [قديفيد] سے مصنفؒ نے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ کبھی تعریف جنس حصر کا فائدہ نہیں دیتا ہے جیسے کہ خنساء شاعرہ کا شعر ہے۔

اذاقبح البكاء على قتيل : رأيت بكاءك الحسن الجميلا

ترجمہ : (شاعرہ فرماتی ہیں) کہ جب مقتول پر رونا برا سمجھا جائے تو آپ پر میں رونے

کو اچھا سمجھتی ہوں۔[الجمیلا] میں الف لام جنس کا ہے یہ یہ حصر کیلئے نہیں ہے بلکہ مقصود ہے کہ اگر چہ مقتول پر رونا برا ہے مگر آپ پر رونے کو اچھا سمجھا جانا اور شاعرہ کا اس کو حصر کرنا اپنے بھائی پر کہ نہیں صرف آپ رونا اچھا ہے۔

قوله : قيل في نحو زيد المنطلق الخ۔

قیل کا قائل امام رازیؒ ہیں۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوان میں سے جو اسم ہوگا وہ مبتداء کیلئے مخصوص ہوگا اور جو صفت ہوگا وہ خبر کیلئے مخصوص ہوگا اسلئے کہ مبتداء منسوب الیہ ہوتا ہے اور صفت منسوب ہوتی ہے لہذا ''زید المنطلق '' میں زید مقدم ہو یا مؤخر ہو ہر حال میں مبتداء ہوگا۔

قوله : ورد بان المعنى الشخص الذي له صفة الخ۔

مصنفؒ امام رازی کے قول کو رد کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کا بیان کردہ اصول درست نہیں ہے بلکہ اصول یہ ہے کہ جس کو مقدم کیا جائے گا اس کو مبتداء بنایا جائیگا اور دوسرے کو خبر بنایا جائیگا اسلئے کہ صفت بھی منسوب الیہ بن سکتی ہے اور اسم بھی منسوب بن سکتا ہے لہذا ''والمنطلق زید'' کا مطلب یہ ہے کہ جس ذات کیلئے صفت انطلاق ثابت ہے وہ زید ہے اور لہذا منطلق منسوب الیہ ہے اور زید منسوب ہے۔

قوله : واما كونه جملة الخ۔

مسند کو کبھی جملہ کی صورت میں لایا جاتا ہے تقوی حکم کے واسطے یا مسند سببی ہونے کے واسطے اسلئے کہ مسند مفرد اس وقت ہوتا ہے جب تقوی حکم مقصود نہ ہو اور سببی نہ ہو۔

قوله : وسبب التقوى الخ۔

یہاں سے شارحؒ تقوی حکم کی وجہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جملے میں تقوی حکم کیا چیز ہے اور کس طرح پیدا ہوتی ہے چنانچہ علامہ سکا کی کا مسلک یہ ہے کہ جب کوئی شئی مبتداء واقع ہوتی ہے تو وہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اس کے آنی والی شئی اس کی طرف منسوب کیا جائے اور وہ مبتداء اس شئی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے چاہے وہ ضمیر پر مشتمل ہو یا نہ ہو اور دونوں کے ملنے سے ایک حکم منعقد ہوتا ہے پھر مسند ضمیر پر مشتمل ہوتی ہے تو اسناد میں تکرار پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ وہ مسند معتد بہ

ہو معتد بہ سے مراد وہ مسند ہے اس مسند کے مشابہ نہ ہو جو خالی عن الضمیر ہوتا جیسا کہ "زیـد قـائـم" اور پھر اس معتد بہ مسند کی ضمیر مبتداء کی طرف راجع ہوتی ہے تو حکم میں تقوی پیدا ہوتا ہے جیسے "زید قام"۔

قوله : واماعلی ذکره الشیخ الخ۔

شیخ عبدالقاہر نے اپنے کتاب دلائل الاعجاز میں تقوی حکم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب مبتداء کو عوامل سے خالی کیا جاتا ہے تو یہ اس بات کی طرف مشیر ہے کہ اس کے بعد کوئی مسند ذکر کیا جائیگا اور اس کی اسناد مسند الیہ کی طرف ہوگی لہذا مبتداء کو اس طریقے پر ذکر کرنا ایک تمہید، ایک اجمال، اور ایک اعلان ہے پھر جب مسند کو ذکر کیا جاتا ہے تو یہ مسند ایک مانوس شئی کی صورت میں اس کے دل میں داخل ہوجاتی ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ تمہید اور اجمال کے بعد جو بات ذکر کیا جائے وہ زیادہ قوی ہوتی ہے اس بات سے جو اچانک ذکر کیا جائے۔علامہ سکاکی کے مسلک کے مطابق مسند کا ضمیر پر مشتمل ہونا ضروری ہے جو مبتداء کی طرف مائل ہو لہذا "زید ضربتہ" تقوی حکم سے خارج ہوجائیگا اسلئے کہ ضمیر مبتداء کی طرف راجع نہیں ہے ۔جبکہ شیخ کے مسلک اس جیسی مثالیں بھی تقوی حکم میں داخل ہوجائیگی شیخ کے مسلک کے مطابق وہ صورتیں تقوی حکم سے خارج ہوجائیں گی جس میں خبر مقدم ہو اور مبتداء مؤخر ہو شیخ کا مسلک دلیل کے اعتبار سے اور سیاق کلام کے اعتبار سے انتہائی کمزور ہے کیونکہ "زید حیـوان" جیسی مثالیں تقوی حکم میں داخل ہوتی ہیں حالانکہ مسند مفرد ہے جبکہ بات جملے کی چل رہی ہے۔

قوله : وامایکون المسندفیه الخ۔

اس عبارت سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ مصنفؒ نے مسند کے جملے ہونے کی صرف دو وجہیں بیان کی حالانکہ مسند کبھی جملہ ہوتا ہے ضمیر شان کے خبر ہونے کی وجہ سے یا تخصیص کے واسطے۔

جواب : شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ ضمیر شان کے خبر ہونے کو اسلئے بیان نہیں کیا کہ وہ مشہور بھی ہے اور ماقبل میں اس کا تذکرہ ہو بھی چکا ہے خلاف مقتضی ظاہر کی مثال میں اور جہاں تک تخصیص کا تعلق ہے جیسا کہ "انی سـعـیـت فـی حـاجـتـک ورجل

جاء نی ’’تو ان میں تقوی حکم موجود ہے اگر چہ مقصود نہیں ہے۔

قولہ : واسمیتھا وفعلیتھا وشرطیتھا لما مرّ الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب مسند جملہ ہوگا تو کبھی اسمیہ کی صورت میں، کبھی فعلیہ کی صورت میں، کبھی شرطیہ کی صورت میں، اور کبھی ظرفیہ کی صورت میں ہوگا۔ اسمیہ کی صورت میں اس وقت ہوگا جب ثبوت ودوام مقصود ہو۔ اور فعلیہ کی صورت میں اس وقت ہوگا جب تجدد اور حدوث مقصود ہو اور شرطیہ کی صورت میں اس وقت ہوگا جب مختلف اعتبارات مقصود اور وہ حاصل ہوتے ہیں ادوات شرط کیساتھ، اور ظرفیہ اسلئے ہوگا کہ وہ فعلیہ سے مختصر ہے جیسے کہ ’’زید فی الدار‘‘ مختصر ہے زید استقر فی الدار‘‘ سے۔

قولہ : لان الفعل ھو الاصل فی العمل الخ۔

شارحؒ کی غرض اس عبارت سے یہ بتلانا ہے کہ ظرف کا عامل کیا ہے فعل ہے یا اسم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظرف میں اصل عامل فعل ہے اسلئے کہ ظرف کبھی صلہ ہوتا ہے اسم موصول کیلئے اور صلہ کا جملہ ہونا ضروری ہے اور صلہ جملہ تب ہوگا جب ہم فعل مقدر مانے جیسے کہ ’’الذی فی الدار اخوک‘‘ جب صلہ کی صورت میں فعل ہونا ضروری اور یقینی ہے۔ غیر صلے کی صورت میں بھی فعل مقدر مانیں گے تا کہ شک والی صورت یقین پر محمول ہو جائے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ظرف کا عامل اسم فاعل ہوتا ہے جیسے ’’زید مستقر فی الدار‘‘ اسلئے کہ خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو جہاں تک صلے کا جملہ ہونے کا تعلق ہے وہ اسلئے کہ صلہ جملہ ہونے کا تقاضہ کرتا ہے جبکہ خبر جملے ہونے کا تقاضہ نہیں کرتا لہذا خبر کو صلہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

قولہ : ولو قال اذ الظرف مقدر بالفعل علی الاصح الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ ’’اذ ھی مقدرۃ بالفعل علی الاصح‘‘ کے بجائے ’’اذ الظرف مقدر بالفعل علی الاصح‘‘ کہتا تو زیادہ اولی ہوتا اسلئے کہ [ھی] کا مرجع جملہ ہے لہذا مطلب یہ ہوگا کہ جب جملہ متعلق ہوگا فعل کیساتھ حالانکہ جملہ متعلق نہیں ہوتا بلکہ ظرف متعلق ہوتا ہے۔

قوله : واماتاخیره ای المسند الخ ۔

مسند کو کبھی مؤخر کیا جاتا ہے اسلئے کہ مسندالیہ کا ذکر اہم ہوتا ہے اور اہم کو مقدم کیا جا ہے لہذا مسند مؤخر ہوگا۔

قوله : واماتقدیمه ای المسند الخ ۔

مسند کو کبھی مقدم کیا جاتا ہے تا کہ مسندالیہ کو مسند پر منحصر کیا جائے جیسے ''تمیمی انا'' میں تمیم ہی ہوں۔یعنی میرا تعلق تمیم سے ہے نہ کہ قیس سے۔

قوله : نحولافیهاغَوْلٌ الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تقدیم مسند حصر مسندالیہ علی المسند کا فائدہ دیتا ہے اسکی مثال ''لافیھاغولٌ'' [فیھا] ظرف کو مقدم کیا حصر کے واسطے اور مطلب یہ ہے کہ جنت کی شراب ہی میں نشہ نہیں ہے برخلاف خمور دنیا کے کہ اس میں نشہ ہے۔

قوله : فان قلت المسند هو الظرف اعنی فیها الخ ۔

شارحؒ ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ اس مثال میں حصر مسندالیہ علی جزء مسند ہے۔یعنی [فیھا] کی ضمیر مجرور پر جو کہ راجع ہے خمور جنت کی طرف تو حصر علی مسند نہیں ہوا بلکہ علی جزء مسند ہوا۔

قوله : قلت المقصود ان عدم الغول مقصور الخ ۔

اس عبارت سے شارحؒ اس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

جواب : یہ ہے کہ یہ مثال سالبہ نہیں ہے بلکہ معدولہ ہے اور پھر معدولہ میں احتمال ہے یا معدولۃ الموضوع ہے یا معدولۃ المحمول ہے اور دونوں صورتوں میں حصر موصوف علی الصفت ہے یعنی غول یا عدم غول موصوف ہے اور خمور جنت وغیرہ اس کیلئے صفت ہے اور دونوں صورتوں میں قصر غیر حقیقی اور اضافی ہے۔

لہذا معدولۃ الموضوع کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ عدم غول منحصر ہے شراب جنت میں شراب دنیا میں یہ بات نہیں ہے۔اور اگر اس کو معدولۃ المحمول فرض کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ [غول] منحصر ہے جنت کی شراب حاصل نہ ہونے میں لہذا یہ قصر مسند علی المسند الیہ ہوا کہ جزء

مسنداور حصر خمور سے متعلق ہے اسی طرح ''لکم دینکم ولی دین ''اس آیت میں بھی مذکورہ تفصیل ہے لہذا ''لکم دینکم '' کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ خاص ہے میری طرف متجاوز نہیں البتہ امت کی طرف متجاوز ہوسکتا ہے اسی طرح ''ولی دین '' کہ میرا دین میرے ساتھ خاص ہے تمہارے کفار متعینہ کی طرف متجاوز نہیں ہوگا البتہ امت کی طرف ہوسکتا ہے۔

قوله : ونظيره ما ذكره صاحب المفتاح الخ۔

یہ نظیر حصر موصوف علی الصفت کی ہے نہ کہ تقدیم مسند علی المسند الیہ کی ہے اور وہ نظیر یہ ہے ''اِنْ حسابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبّى '' ان کفار کا حساب میرے رب پر منحصر ہے نہ کہ کسی اور پر اور یہ حصر حصر حقیقی ہے

قوله : وجميع ذلك من قصر الموصوف على الصفة الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں مثالیں حصر موصوف علی الصفت کی ہے نہ کہ حصر الصفت علی الموصوف کی جیسا کہ علامہ خلخالی کا گمان ہے اوران کا یہ گمان باطل ہے اسلئے کہ بات چل رہی ہے حصر مسند الیہ علی المسند کی نہ کہ حصر مسند علی المسند الیہ کی۔

قوله : ولهذا لم يقدم الظرف الخ۔

اوراسی لئے کہ تقدیم تخصیص کا فائدہ دیتا ہے ''لاریب فیہ ''میں [فیہ] مسند کو مسند الیہ پر مقدم نہیں کیا گیا ہے [لافیہ] نہیں کہا گیا اسلئے کہ [لافیہ ریب] کہا جاتا تو مطلب یہ ہوتا کہ قرآن ہی میں شک نہیں ہے اس سے یہ لازم آتا کہ باقی آسمانی کتابوں میں شک ہے اور یہ باطل ہے تو اہل باطل کو اس گمان باطل سے بچانے کیلئے مسند کو مقدم نہیں کیا گیا۔

قوله : اوالتنبيه عطف على تخصيصه الخ۔

تقدیم مسند کبھی تنبیہ کے واسطے بھی ہوتی ہے تاکہ شروع ہی سے سامع کو اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ تقدیم مسند خبر ہے نہ کہ صفت ہے اسلئے کہ صفت موصوف پر مقدم نہیں ہوتی جبکہ خبر مقدم ہوتی ہے مبتداء پر جیسا کہ حسان ابن ثابتؓ کا یہ شعر حضور کریم ﷺ کی تعریف میں ۔

له همم لا منتهى لكبارها : وهمته الصغرى اجل من الدهر

ترجمہ : نبی کریم ﷺ کے واسطے ایسی بلند ہمتیں ہیں جن کی بلندی کی کوئی انتہاء نہیں ہے اوراس کی چھوٹی سی ہمت بھی زمانے سے یا اہل زمانے سے بڑی ہے۔شاعر نے [لـــــه همم] کہا [همم له] نہیں کہا تا کہ مخاطب [همم] کو موصوف اور [له] کو صفت نہ سمجھے بلکہ [له] کو خبر مقدم اور [همم] کو مبتداء مؤخر سمجھے۔

قوله : انماقال من اول الامر لانه ربما الخ ـ

مصنفؒ نے اول الامر کی قید لگائی اسلئے کہ بسا اوقات معنی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبر ہے نہ کہ صفت، یہ قید لگائی تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کلام میں کوئی اور خبر نہیں۔

قوله : اوالتفاوت الخ ـ

تقدیم مسند کبھی نیک فالی کے واسطے ہوتی ہے جیسا کہ ۔

سعدت بغرة وجهک الایام

ترجمہ : آپ کے منور چہرے کی وجہ سے زمانہ نیک بخت ہو گیا۔اس شعر میں مسند (جو کہ سعدت ہے) کو مقدم کیا نیک فالی کیلئے۔

قوله : والتشويق الخ ـ

کبھی تقدیم مسند مسند الیہ کی طرف شوق دلانے کیلئے ہوتا ہے اسلئے کہ شوق سے حاصل ہونے والی چیز قبولیت کیلئے زیادہ مفید ہوتی ہے اور دل میں بیٹھ جاتی ہے جیسا کہ شاعر کا شعر ہے ۔

ثلاثةتشرق الدنياببهجتها : شمس الضحی ابواسحق والقمر

ترجمہ : تین چیزوں سے دنیا روشن ہو گئی چاشت کے آفتاب سے ،ابو اسحاق ،اور چاند سے ۔اس شعر میں ثلاثۃ مسند کو مقدم کیا اسلئے کہ مسند ایسے متعلقات کیساتھ متصف ہے جو مسند الیہ کا شوق دلاتی ہے۔

تنبیه : مصنفؒ فرماتے ہیں کہ باب مسند الیہ اور مسند میں جو احوال مذکورہ ہوئے ان میں سے اکثر ان دو کیساتھ خاص نہیں ہے بلکہ غیر مسند الیہ اور غیر مسند میں بھی پائے جاتے ہیں۔

قوله : وانماقال كثير لان بعضها مختصٌ بالبابين الخ ـ

مصنفؒ نے کثیر کہا جمیع نہیں کہا اسلئے کہ بعض احوال مسند اور مسند الیہ کیساتھ خاص ہیں جیسا کہ

ضمیر فصل یہ ان دونوں کیساتھ خاص ہے اور فعل مسند کیساتھ خاص ہے۔

قولہ : وقیل هو اشارةٌ الی ان جمیعها الخ ۔

علامہ زوزنی فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے کثیر کہا جمیع نہیں کہا اسلئے کہ جمیع احکام بابین کے علاوہ میں جاری نہیں ہوتے مثلاً تعریف حال اور تمیز میں جاری نہیں ہوتی تقدیم مضاف الیہ میں جاری نہیں ہوتی اور بعض میں سارے جاری ہوتے ہیں جیسے کہ مفعول بہ ہے اگر مصنفؒ جمیع کہتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تمام احوال مذکورہ مسند اور مسند الیہ کیساتھ خاص نہیں ہے اس سے یہ بات لازم آتی کہ تمام احوال مذکورہ مسند اور مسند الیہ کے علاوہ ہر باب میں جاری ہوتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تعریف وتقدیم تعریف حال اور تمیز میں جاری نہیں ہوتے تقدیم مضاف الیہ میں جاری نہیں ہوتا۔

قولہ : وفیه نظر الخ ۔

شارحؒ علامہ زوزنی کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمیع کہنے سے وہ بات لازم نہیں آتی جو آپ مراد لے رہے ہیں اسلئے کہ تمام احوال مذکورہ کا مسند اور مسند الیہ کیساتھ خاص نہ ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ان میں کوئی ایک حال مسند اور مسند الیہ کے علاوہ میں جاری ہوجائے چہ جائیکہ یہ بات لازم آئے کہ مذکورہ تمام میں جاری ہوجائے اسلئے کہ مصنفؒ کا قول ''غیر مختص بهما'' رفع ایجاب کلی ہے اور رفع ایجاب کلی ثابت ہوتا ہے سلب جزئی سے اسلئے کہ تمام احوال کا مسند اور مسند الیہ کیساتھ خاص نہ ہونے کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ وہ تمام احوال بابین کے علاوہ کسی ایک میں پایا جائے اور یہ بات محقق ہے کہ تمام احوال مفعول بہ میں پایا جاتے ہیں۔ لہٰذا ''غیر مختص بهما'' ثابت ہوا۔

قولہ : والفطن اذا اتقن الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ذہین آدمی نے جب ان اعتبارات کو بابین میں جاری کرنا سمجھ لیا تو انکے علاوہ میں بھی جاری کرسکتا ہے مثلاً مسند کو کبھی حذف کیا جاتا ہے ضیق مقام کی وجہ سے اسی طرح مفعول کو بھی حذف کیا جاتا ہے اسی وجہ سے۔

احوال متعلقات الفعل

احوال مسنداور مسندالیہ سے فارغ ہونے کے بعد مصنفؒ فعل کے متعلقات کے احوال کوذکر کرنا چاہتے ہیں جوتین باتوں پر مشتمل ہیں۔

[۱] حذف مفعول بہ [۲] تقدیم مفعول بہ [۳] بعض متعلقات کا بعض پر تقدیم۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ تنبیہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اعتبارات سابقہ میں سے بہت سارے فعل کے متعلقات میں بھی جاری ہوتے ہیں اسلئے مزید تفصیل کی ضرورت نہیں تھی مگر بعض اعتبارات کا متعلقات فعل کیساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے ان کو الگ الگ ذکر کرنا ضروری سمجھا اور مصنفؒ نے اس کیلئے ایک مقدمہ باندھا چنانچہ فرمایا کہ فعل کا تعلق مفعول کیساتھ ایسا ہے جیسا کہ فعل کا تعلق فاعل کیساتھ اسلئے کہ دونوں کے ذکر سے مقصود اس بات کو بتلانا ہے کہ ان دونوں کا فعل کیساتھ تعلق ہے اگر چہ جہت مختلف ہے اسلئے کہ فاعل کا تعلق ہوتا ہے باعتبار صدور فعل کے اور مفعول کا تعلق ہوتا ہے باعتبار وقوع فعل کے۔

قوله : من ذكره معه الخ ـ

دونوں ضمیروں کے مرجع میں دو احتمال ہیں اور دونوں احتمال درست ہیں ۔[۱] ذکرہ کی ضمیر سے فاعل اور مفعول الگ الگ مراد ہو اور [معہ] کے ضمیر سے فعل مراد ہو۔

[۲] اور یا اس کا عکس ہو۔ اس مقام پر مفعول سے مراد مفعول بہ ہے جس پر وقوع فعل کا لفظ دلالت کر رہا ہے۔

قوله : لافادة وقوعه مطلقًا الخ ـ

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ذکر فاعل اور ذکر مفعول کا مقصد ثبوت اور وقوع فعل نہیں ہے اسلئے کہ اگر یہ مقصد ہوتا تو یوں کہا جاتا "وقع الضرب، اووجد الضرب، اوثبت الضرب" وغیرہ بغیر فاعل اور مفعول کے ذکر کے۔

قوله : فاذالم يذكر المفعول به معه الخ ـ

یہ عبارت مقدمہ پر تفریع ہے کہ جب فعل کا ذکر کیا جائے بغیر ذکر مفعول کے تو اسکا مقصد یہ بتلانا ہوگا کہ مقصد صرف اثبات فعل عن الفاعل یا نفی فعل عن الفاعل ہے مطلقاً۔ مطلق سے

مرادفعل کے عموم اورخصوص کے اعتبار کئے بغیراورمفعول کے تعلق کے اعتبار کئے بغیر"فضلاعن عمومه وخصوصه"جب مفعول کے تعلق کا اعتبار نہیں ہوگا تو عموم اورخصوص کا کیسا اعتبار ہوگا۔

قوله : نزل منزلة اللازم الخ ۔

مصنفؒ کا مقصد اس سے یہ بتلانا ہے کہ جب فعل مذکور ہوگا بغیر مفعول کے تو اس صورت میں فعل متعدی کو فعل لازم کا درجہ دیا جائیگا اور اس کیلئے مفعول مقدر بھی نہیں بنایا جائیگا اسلئے کہ مقدر کالمذکور ہوتا ہے جبکہ متکلم کا مقصد مفعول کو حذف کرنا ہے اور اس کو غیر ضروری سمجھنا ہے اسلئے اس کا ذکر عبث تصور کیا جائے گا جو بلاغت کے خلاف ہے مثلاً "زید یعطی الدنانیر"،فعل مفعول کیساتھ مذکور ہے یہ اس شخص کیلئے خطاب ہے جو اعطاء دنانیر کا منکر ہو یا اس کے خلاف کا معتقد ہو گویا کہ وہ فعل اعطاء کا قائل ہے اور اگر کوئی شخص اعطاء کا منکر ہے تو بغیر ذکر مفعول کے [یعطی] کہا جائیگا اس مقام پر مفعول کا ذکر عبث تصور کیا جائیگا۔

قوله : هوضربان الخ ۔

جس فعل متعدی کو لازم کا درجہ دیا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

[۱] اس فعل متعدی کو لازم کا درجہ دینے کے بعد فعل متعدی سے کنایہ مراد لیا جاتا ہے۔یعنی کنایہ متعدی مراد لیا جاتا ہے۔

[۲] کنایہ مراد نہ ہو بلکہ صرف سکوت فعل مقصود ہو۔دوسری صورت کی مثال "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُونَ " اس آیت میں [یعلمون]اور [لایعلمون] فعل متعدی ہے مگر انکو لازم کا درجہ دیا اسلئے کہ نہ خصوص شئی کا علم مقصود ہے اور نہ عموم شئی کا علم مقصود ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ صاحب علم اور جاہل برابر نہیں۔قسم ثانی کو قسم اول پر مقدم کیا کثرت وقوع کی وجہ سے۔

قوله : السکاکی ذکر فی بحث افادة اللام الاستغراق الخ ۔

علامہ سکاکی نے [لام] استغراق کی بحث میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ اگر مقام مقام خطاب ہو وعظ ونصیحت مقصود ہو مقام استدلال نہ ہو۔یعنی الزام خصم مقصود نہ ہو تو [لام] استغراق عموم

کا فائدہ دیتا ہے چاہے مفرد پر داخل ہو چاہے جمع پر داخل ہو۔ مفرد کی مثال نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ "المؤمن غر کریمٌ والمنافق خِبٌّ لئیمٌ" کہ مؤمن سیدھا سادہ شریف ہوتا ہے اور منافق ذلیل اور کمینہ ہوتا ہے اس حدیث میں [المؤمن، المنافق] تمام افراد کو شامل ہے کوئی خاص فرد مقصود نہیں ہے۔

جمع کی مثال "المؤمنون احق بالاحسان" مومنین کی تمام جماعتیں احسان کے مستحق ہیں۔

قوله : بعلة ایهام ان القصد الی فرد دون اٰخر الخ ـ

یہ عموم ہونے کی دلیل ہے کہ استغراق بللام تمام کو شامل ہوگا ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگا۔

قوله : ثم ذکره فی بحث حذف المفعول الخ ـ

علامہ سکاکی نے دوسری بات یہ بیان کی ہے کہ کبھی مفعول کو اسلئے حذف کیا جاتا ہے کہ فعل میں عموم پیدا کیا جائے مثلاً "زید یعطی" اس کا مطلب ہوگا "زید یفعل الاعطاء" اور اس طرح کرنے سے مقصود مبالغہ ہوتا ہے۔

قوله : فجعل المصنف قوله بالطریق المذکور الخ ـ

اس عبارت سے شارح کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ علامہ سکاکی نے "بالطریق المذکور" کی عبارت لاکر اشارہ کیا اس بات کی طرف "ثم اذا کان المقام خطابیا لا استدلالیا" اور مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا اس بات سے "ثم اذا کان المقام خطابیا لا استدلالیا" بتانے کا مقصد یہ ہے کہ علامہ سکاکی کے کلام کا مفہوم بیان کیا گیا بعینہ اس کی عبارت نقل نہیں کی گئی مقام خطاب اور استدلال میں فرق اسلئے کیا کہ کلام خطابی مقدمات ظنیہ سے مرکب ہوتا ہے اور مقام استدلالی مقدمات یقینیہ سے مرکب ہوتا ہے استغراق باللام میں اور حذف مفعول میں تعمیم کو ثابت کرنا ترجیح بلا مرجح کے قبیل سے ظنی ہے یقینی نہیں ہے اسلئے کہ ہوسکتا ہے اس کے مخالف پر کوئی قرینہ خفیہ موجود ہو۔

قوله : ثم اذا کان المقام الخ ـ

اس عبارت کی تشریح وہی ہے جو علامہ سکاکی کے حوالے سے بیان کیا۔

قوله : لایقال افادة التعمیم ینافی کون الغرض الخ ۔

یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔
سوال : یہ ہے کہ آپ نے ماقبل میں حذف مفعول کی وجہ یہ بتلائی تھی کہ اس سے صرف ثبوت فعل مقصود ہوتا ہے عموم وخصوص کے اعتبار کئے بغیر اور اس مقام پر آپ نے کہا کہ اس سے عموم مقصود ہوتا ہے لہذا دونوں میں منافات پایا جاتا ہے۔
جواب : شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ عموم کا اعتبار نہ کرنے سے عموم کی نفی نہیں ہوتی اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ عموم تو ہو مگر مقصود نہ ہو جیسے کہ پہلی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

قوله : الاول الخ ۔

پہلی صورت یعنی فعل متعدی کو فعل لازم کا درجہ دیا جاتا ہے اور پھر اس سے متعدی مقصود ہوتا ہے کنایہ اسلئے کہ وہ فعل متعلق ہوتا ہے کسی مخصوص مفعول کیساتھ جس پر کوئی قرینہ دلالت کرتا ہے ۔مثال بحتری شاعر کا یہ شعر جو معتز باللہ کی تعریف میں مستعین باللہ پر چھوٹ لگاتے ہوئے کہا جب کہ یہ دونوں سگے بھائی تھے ۔

شجو حُسّاده وغيظ عداه : ان يرى مبصر ويسمع واع

ترجمہ : ممدوح کے حاسدوں کا غم اور اسکے دشمنوں کا غصہ یہ ہے کہ دیکھنے والا دیکھتا ہے اور سن کر محفوظ کرنے والا سنتا ہے ۔اس شعر میں [مبصر] کا مفعول [محاسن] محذوف ہے اور [یسمع] کا مفعول [اوصاف] اور [اخبار] محذوف ہے۔شاعر کا مقصد اس شعر سے یہ ہے کہ میرا ممدوح مجسم محاسن اور اوصاف وکمال سے متصف ہے اسلئے اس کو دیکھنے والا یہی یقین کرے گا کہ خلافت اور امامت کا مالک یہی شخص ہے لہذا اس سے جھگڑا کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔حاصل اس شعر کا یہ ہے کہ شاعر نے [یری] اور [یسمع] کو فعل لازم کا درجہ دیا اس سے مطلق وہ شخص مراد ہے جس سے رؤیت اور سماع کا صدور ہوسکتا ہو پھر ان دونوں کو کنایہ لیا اس رؤیت اور اس سماع سے جو اس مفعول مخصوص کا متعلق ہے اور وہ محاسن اور اخبار ہے۔

قوله : بادعاء الملازمة بين مطلق الرؤية الخ ۔

ان دونوں میں اگر چہ لزوم ذاتی نہیں ہے مگر شاعر نے ادعائً ملازمت مراد لیا ہے کہ ممدوح کے

آثار اور اخبار اس درجہ شہرت کو پہنچ چکے ہیں کہ ہر دیکھنے والا اور ہر سننے والا وہی دیکھتا ہے اور وہی سنتا ہے لہذا ملزوم بول کر لازم مراد لیا۔ ملزوم سے مراد مطلق رویت اور مطلق سماع ہے اور لازم سے مراد اپنے ممدوح کے آثار اور اخبار اور اس طرح کرنے کا مقصد مبالغہ کو بیان کرنا ہے کہ ہر دیکھنے والا میرے ممدوح اور سننے والا میرے ممدوح کو متصف بالفضائل پائے گا اور یہ مقصد ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔

قوله : والا الخ۔

اگر فعل کا مفعول کیساتھ تعلق بیان کرنا مقصود ہے تو پھر مفعول کو مقدر بنانا ضروری ہے۔ اور تقدیر مفعول کیلئے دو شرطیں ہیں۔

[۱] اس کے حذف پر قرینہ موجود ہو۔

[۲] وہ سبب جو موجب حذف ہو اور قرینے کی موجودگی میں مفعول مقدر مانا جائیگا قرینہ اگر خاص ہو تو مفعول بھی خاص ہوگا اور اگر قرینہ عام ہو تو مفعول بھی عام ہوگا۔

عام کی مثال "والله يدعوا الى دار السلام" [كل احد] مفعول محذوف اور وہ عام ہے۔
خاص کی مثال حضرت عائشہؓ کا قول "ما رأيت منه ولا راى منى" ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ نہ میں نے حضور ﷺ کا مقام پردہ دیکھا اور نہ حضور ﷺ نے میرا مقام پردہ دیکھا اس کلام میں مفعول محذوف ہے۔

قوله : امّا البيان بعد الابهام الخ۔

تقدیر حذف کی دوسری شرط کہ مفعول کو حذف کیا جاتا ہے ابہام کے بعد اظہار مقصود ہوتا کہ کلام دل میں راسخ ہو جائے اور یہ عموماً فعل مشیت اور فعل ارادے کے بعد ہوتا ہے یا اس جیسا فعل ہو مگر اس کیلئے شرط یہ ہے کہ فعل کا تعلق مفعول سے نادر نہ ہو ورنہ ذکر واجب ہوگا اور یہ بات جملہ شرطیہ میں پائی جاتی ہے جیسا کہ "فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ أَجْمَعِينَ" اس آیت میں ھدایت مفعول محذوف ہے اور اصل میں اس طرح ہے کہ "لوشاء هدايتكم [لهدٰكم] جزاء اس پر قرینہ موجود ہے اگر فعل کا تعلق مفعول کیساتھ نادر ہے تو ذکر واجب ہے جیسا کہ شاعر کا یہ شعر ہے۔

لوشئت ان ابكى دما لبكيته عليه : ولكن ساحة الصبر اوسع

ترجمہ : اگر میں چاہتا کہ میں خون کے آنسو سے رووں تو میں روسکتا تھا لیکن صبر کا میدان بڑا وسیع ہے ۔اس شعر میں فعل مشیت کیساتھ [بکاءِ دَم] کا تعلق نادرالوقوع ہے اسلئے [دماً] مفعول کو ذکر کیا تا کہ سامع کے ذہن میں بات پختہ ہو جائے۔ شعر ۔

فلم یبق منی الشوق غیر تفکری : فلوشئت ان ابکی بکیت تفکرا

ترجمہ : شوق نے میرے اندر سوائے فکر کے اور کچھ باقی نہیں چھوڑا اگر میں رونا چاہوں تو تفکراً روسکتا ہوں ۔اس شعر کے بارے میں مصنفؒ کا اور صدرالافاضل کا اختلاف ہے۔

علامہ زمخشری کے شاگرد رشید صدرالافاضل اس بات کے قائل ہیں کہ اس شعر میں ذکر مفعول کی وجہ تعلق کا نادرالوقوع ہونا ہے اسلئے [شئت] کے بعد [ان ابکی] کو ذکر کیا اور موصوف نے یہ شعر اپنی کتاب "ضرام السقط" میں ذکر کیا ہے جو دیوان ابی العلاء کی شرح ہے گویا کہ بکاء تفکری بکاء دم کی طرح نادرالوقوع ہے اسلئے کہ مفعول کو ذکر کیا گیا۔بکاء تفکری سے مراد سوچ کر بے تکلف ہونا۔جب کے فاضل مصنف کا مسلک یہ ہے کہ ذکر مفعول کی وجہ عدم قرینہ ہے یعنی قرینے کا نہ ہونا ہے اسلئے کہ بکاء اول سے حقیقی رونا مراد ہے اور بکاء ثانی سے بکاء تفکری مراد ہے لہذا بکاء ثانی بکاء اول کے واسطے قرینہ اور تفصیل نہیں بن سکتا اسلئے کہ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ زمانے کے گردش نے مجھے لاغر اور کمزور کردیا ہے اسلئے اگر میں رونا چاہوں اور اپنے پلکوں کو مَل لوں اور آنکھوں کو نچھوڑ لوں تا کہ اس سے آنسو جاری ہو جائے پھر بھی آنسو نہیں پاتا ہوں اسلئے تفکری رونے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔

قوله : کما اذا قلت لو شئت الخ۔

شارحؒ عدم قرینہ کی نظیر پیش کررہے ہیں "لو شئت أن تعطی درهما اعطیت درهمین " اگر آپ ایک درہم دینا چاہتے ہیں تو دو درہم دیدو۔اس میں درہم اول مفعول کو ذکر کیا اگر اس کو حذف کیا جاتا تو کلام یوں بن جاتا "لو شئت ان تعطی درهمین اعطینهما" ایک درہم سے دو درہم سمجھا جاتا لہذا ذکر کی وجہ عدم قرینہ ہے۔

قوله : ممانشأ فی هذا المقام من سوء الفهم الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ بعض حضرات پر رد کرنا چاہتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ کہا کہ ''فلیس منہ'' کا تعلق فعل مشیت سے نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ شعر ابہام کے بعد اظہار کے قبیلے سے نہیں ہے بلکہ کسی اور مقصد کیلئے ہے لیکن یہ کلام دو وجہ سے مردود ہے ایک تو اسلئے کہ سیاق کلام فعل مشیت کیساتھ چل رہا ہے۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ علامہ صدر الافاضل پر رد ہے۔اور یہ اسی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ ہم اس کو فعل مشیت کیساتھ مانلیں۔

قوله : وقيل يحتمل ان يكون الخ ـ

بعض حضرات نے کہا کہ اس شعر میں اس بات کا احتمال ہے کہ دونوں [بکاء] سے مراد بکاء تفکری ہے جیسے کہ صدر الافاضل نے کہا مگر یہ بات غلط اسلئے ہے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ بکاء تفکری کیلئے بکاء حقیقی پر قادر نہ ہونا ضروری ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اسلئے کہ ہوسکتا ہے کوئی حقیقی بقاء پر قادر ہو پھر بھی بقاء تفکری کو اختیار کرے اور دوسری بات کہ کلام کی ترتیب اس معنی کے قائل نہیں ہے صاحب قیل اور صدر الافاضل کے درمیان دو طریقوں سے فرق ہے۔

[۱] صاحب قیل دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں کہ جو مصنفؒ نے کہا وہ بھی صحیح ہے اور جو علامہ نے کہا وہ بھی صحیح ہے۔

[۲] صدر الافاضل بکاء حقیقی کا اعتبار نہیں کرتا جبکہ صاحب قیل اس کا اعتبار کرتا ہے کہ حقیقی رونا نہیں پایا گیا اسلئے تفکری رونے کو اختیار کیا گیا۔

قوله : واما لدفع توهم ارادة غير المراد الخ ـ

مفعول بہ کو حذف کرنے کی ایک وجہ غیر مراد کے توقف کو دور کرنا جیسا کہ شاعر کا شعر ہے۔

وكم ذدت من تحامل حادث : وسورة ايام حززن الى العظم

ترجمہ : کتنی مرتبہ آپ نے مجھ سے دور کیا زمانے کے مصائب کو اور زمانے کی سختیوں کو جو سختی گوشت کو کاٹ کر ہڈی تک پہنچے۔اس شعر میں [حززن] کے بعد [اللحم] مفعول بہ کو حذف کیا تا کہ فوراً مقصود ظاہر ہو جائے کہ سختی کا ظہور ہڈی تک ہوا ہے اگر [اللحم] کو ذکر کیا جاتا تو یہ وہم ہوتا کہ سختی کا ظہور گوشت تک ہے۔اس شعر میں [کم] خبر یہ ہے اور ممیز ہے اور [تحامل حادث] اس کیلئے تمیز ہے اور درمیان میں حرف [من] مفعول اور تمیز کے درمیان

فرق کیلئے ہے اسلئے کہ نحویین کا اصول ہیں کہ جب [کم] خبریہ اور اس کے تمییز کے درمیان فعل متعدی فصل واقع ہو جائے تو تمییز پر حرف [من] داخل کرتے ہیں تا کہ اس کو مفعول ہونے سے روکھدے۔

قوله : وقيل المميز محذوف الخ ـ

بعض حضرات نے [من] کو زائدہ مانا ہے اور تمییز کو محذوف مانا ہے مراتب کثیرہ کی وجہ سے ۔شارح فرماتے ہیں کہ پہلی توجیہ زیادہ اولی ہے اسلئے کہ اس میں حذف اور زیادتی ماننا لازم نہیں آتا۔

قوله : واما لانه أريد ذكره الخ ـ

اور کبھی مفعول کو حذف کیا جاتا ہے تا کہ فعل کو دوسری بار مفعول پر صراحتاً ظاہر واقع کیا جائے کمال توجہ کے واسطے جیسے شاعر کا شعر ہے ۔

قد طلبنا فلم نجد لك في السودد والمجد والمكارم مثلا۔

ترجمہ : تحقیق ہم نے طلب کیا آپ کا مماثل سرداری میں بزرگی میں اور شرافت میں مگر نہیں پایا۔اس شعر میں [طلبنا] کے بعد [مثلا] مفعول محذوف ہے اگر اس کو ذکر کیا جاتا تو پھر ”فلم نجد“ کے بعد ضمیر لایا جاتا جو اگر چہ اسی مفعول سے کنایہ ہے مگر کمال توجہ حاصل نہیں ہوتا۔

قوله : ويجوز ان يكون السبب الخ ـ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حذف مفعول کی وجہ سوء ادب سے بچنا اور تادیب میں مبالغہ مقصود ہے اسلئے کہ ممدوح کے سامنے یہ کہنا کہ ہم نے آپ کا مماثل طلب کیا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ آپ کا مماثل پایا جاسکتا ہے اسلئے کہ طلب اس کو کیا جاتا ہے جو موجود ہو اور یہ بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔

قوله : واما للتعميم في المفعول الخ ـ

کبھی مفعول کو حذف کیا جاتا ہے اسلئے کہ تعمیم میں اختصار مقصود ہوتا ہے جیسا کہ ”قد كان منك ما يؤلم“ تحقیق تجھ سے وہ بات یا کوئی چیز ظاہر ہوئی جو ہر کسی کیلئے تکلیف دہ ہے اس

کلام میں [یولم] کے بعد [کل احد] مفعول محذوف ہے اگر اس کو ذکر کیا جائے عموم تو ہوتا مگر اختصار نہ ہوتا اور اس کی دوسری مثال قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔
"واللّٰہُ یدعُوا الی دار السّلام" جمیع عباد مفعول محذوف ہے۔ پہلی مثال عموم کا فائدہ دیتی ہے مبالغۃً اور دوسری مثال تحقیقاً۔

قوله : واما المجرد الاختصار الخ۔

کبھی مفعول کو حذف کیا جاتا ہے صرف اختصار کی وجہ سے جیسے "اصغیت الیہ" میں نے اپنی کانوں کو اسی کی طرف متوجہ کیا [اذنی] مفعول محذوف ہے اسلئے کہ [اصغاء] "اذن" کیساتھ خاص ہے۔ اس کا معنی ہے توجہ سے سننا بعض حضرات نے "وفی بعض النسخ" بعض نسخوں میں اختصار مع قرینہ ذکر کیا ہے مگر یہ قید بے سود ہے اسلئے کہ قرینہ تمام صورتوں میں معتبر ہے چاہے حذف کا ہو یا کسی اور نکتے کا ہو اس کی دوسری مثال "ربّ أرنی أنظر الیک" اس آیت میں [انظر] کا مفعول [ذاتک] محذوف ہے اختصار کی غرض سے۔

قوله : وههنا بحث وهو ان الحذف للتعميم الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے اس کلام میں کہ حذف مفعول ہوتا ہے تعمیم اور اختصار کے واسطے اس میں کلام ہے۔

سوال : یہ ہے کہ اس مفعول کے عام ہونے پر کوئی قرینہ موجود نہیں اگر قرینہ موجود نہیں ہے تو پھر تعمیم نہیں پایا گیا اگر قرینہ موجود ہے تو پھر ذکر مفعول اور حذف مفعول برابر ہے لہذا حذف صرف اختصار کیلئے ہو سکتا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ ہم پہلی صورت کو اختیار کرتے ہیں کہ قرینہ تو نہیں ہوگا مگر ترجیح بلا مرجح سے بچنے کیلئے اس کو عموم پر محمول کیا جائیگا۔

قوله : واما للرعاية على الفاصلة الخ۔

حذف مفعول کی ایک وجہ کلام میں قافیہ کی رعایت ہے جیسا کہ اس آیت میں "والضحی واللیل اذا سجی ما ودعک ربک وما قلی" [قلی] کے مفعول کو حذف کیا اصل میں "قلاک" تھا اور ساتھ ساتھ اختصار بھی ہے۔

قوله : واماالاستجهان الخ۔

حذف مفعول کی ایک وجہ ذکرکوناپسندیدہ سمجھنا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول "ما رأیت منه ولا رأی منی" [العورة] مفعول محذوف ہے۔اور یا کسی اور نکتے کی وجہ سے مفعول کوحذف کیا جاتا ہے مثلاً مخاطب سے چھپانے کیلئے یا انکار کی گنجائش رکھنے کیلئے جیسے "لعن الله ای بفلان" یا حقیقتاً متعین ہونے کی وجہ سے "نحمدو نشکر" وغیرہ۔

قوله : وتقديم مفعوله الخ۔

مفعول کی ایک حالت تقدیم مفعول ہے اسی طرح دوسرے متعلقات کومقدم کرناجیسے جارمجرورکو "فی الدار صلیت" تقدیم ظرف کی مثال "ان زید جلست؟؟؟" تقدیم حال کی مثال "راکباجئت" تخصیص وغیرہ کیلئے مقدم کیا جاتا ہے۔

قوله : لردالخطا فی التعین الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تقدیم مفعول کی وجہ تعیین میں غلطی کودور کرنا ہے جیسا کہ "زیدا عرفت" جب مخاطب کاگمان عمروکیلئے ہوگویا کہ یہ قصرقلب کیلئے ہوگایامخاطب کاگمان زیدعمرودونوں کیلئے ہواس صورت میں یہ قصر افراد ہوگا کہ عمرو مرادنہیں صرف زید مراد ہے۔

قوله : وكذافی نحوزیدا کرم الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تفصیل خبریہ کیساتھ خاص نہیں بلکہ انشائیہ کے اندربھی پائی جاتی ہے جیسے امر،ونہی "زیداا کرم وعمروالاتکرم" مخاطب کے اعتبار سے قصرافراداور قصرقلب دونوں ہوسکتے ہیں۔

قوله : فكانت احسن الخ۔

سے شارحؒ یہ بات بتاناچاہتے ہیں کہ [لردالخطاء] کے بجائے [لافادة التخصيص] کہتے تواچھا ہوتا۔

قوله : ولهذا ای ولان التقديم الخ۔

اسلئے تقدیم مفعول ردخطاء یا تخصیص کیلئے ہوتی ہے "مازیدا ضربت ولاغیرہ" کہنا جائزنہیں ہے اسلئے کہ اجتماع نقیضین لازم آرہا ہے کہ "مازیدا ضربت

''کا مطلب میں نے زید ہی کو نہیں مارا مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی اور کو ضرور مارا ہے اور [لا غیر] سے اس کی نفی ہو رہی ہے۔

قوله :لو کان التقدیم لغرض الاخر الخ۔

تقدیم اگر تخصیص کیلئے نہ ہو تو یہ کلام درست ہے اسکا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے زید کو مارا ہے نہ کہ عمرو کا اسی طرح ''ما زیدا ضربت ولکن اکرمتہ'' بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ خطاء فعل میں نہیں ہے بلکہ مضروب میں ہے لہذا یوں کہنا چاہیئے ''ما زیدا ضربت ولکن عمروا''۔

قوله : وامانحوزیدا عرفته الخ۔

اس عبارت سے مصنفؒ کا مقصد یہ ہے کہ تقدیم مفعول تخصیص کیلئے ہوتا ہے جب فعل اس مفعول پر عمل کر رہا ہو اور اگر فعل اس مفعول سے اعراض کر رہا ہے اس کی ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے تو پھر اس میں تفصیل ہے اسلئے کہ جب یہ فعل اس مفعول سے اعراض کر رہا ہے تو ایک اور فعل مقدر ماننے کی ضرورت ہوگی اس فعل کو مقدر مانا جائے مفعول سے پہلے تو یہ تاکید کیلئے ہوگی اسلئے کہ اسمیں تکرار اسناد ہے جیسے ''عرفت زیدا عرفته'' اور اگر اس مقدر فعل کو مفعول سے مؤخر مانا جائے اور یوں کہا جائے ''زید عرفت عرفته'' تو یہ تخصیص کیلئے ہوگی جیسے کہ ''بسم اللہ'' میں۔ حاصل یہ ہے کہ ''زیدا عرفتہ یا عرفتُه'' دو چیزوں کا احتمال رکھتا ہے تعریف اور تخصیص کا اور جس معنی کیلئے قرینہ پایا جائیگا وہی مراد لیا جائیگا۔

قوله : وعندقیام قرینة الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ قرینہ اگر تخصیص کیلئے ہو جیسے ''زیدا عرفتہ'' یہ ''زید عرفت'' سے زیادہ مؤکد ہوگا اسلئے کہ اسمیں تکرار اسناد ہے۔

قوله : وامانحوه وَاَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ الخ۔

یہ آیت ظاہری اعتبار سے ''زیدا عرفتہ'' کے مماثل اور مشابہ ہے لہذا اس اعتبار سے اس میں تاکید بھی ہونی چاہیئے اور تخصیص بھی اسلئے کہ یہ ایسی ضمیر پر مشتمل ہے کہ فعل مذکور اس ضمیر پر عمل کرنے کی وجہ سے مفعول مقدم پر عمل کرنے سے اعراض کرتا ہے لہذا فعل محذوف ماننے کی ضرورت ہے اگر اس کو مفعول سے مقدم مانا جائے تو تاکید کیلئے ہونی چاہیئے ورنہ تخصیص

کیلئے مصنف ؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں صرف تخصیص موجود ہے نہ کہ تاکید اسلئے کہ فعل محذوف کو مفعول سے مقدم نہیں مان سکتے ورنہ [اما] اور [نا] کے درمیان اتصال لازم آئیگا حالانکہ یہ اصول مسلم ہے کہ انکے درمیان فاصلے کا ہونا ضروری ہے ۔لہذا یوں کہنا جائز نہیں کہ "امافھدینٰھم ثمود" لہذا تقدیری عبارت یوں ہوگی "اماثمودفھدیناھم" یہ تفسیر اس وقت ہے جب ہم ثمود کو منصوب پڑھے قرأت شاذہ کے مطابق ورنہ قرأت مشہورہ کی وجہ سے یہ مرفوع ہے۔

قوله : وفی کونه هذاالتقدیم للتخصیص نظرٌ الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مثال میں تقدیم کو تخصیص کیلئے ماننا قابل نظر ہے ایک تو اسلئے کہ کبھی تقدیم ثبوت فعل سے جاہل ہونے کو بتلانے کیلئے آتا ہے مثلاً کسی شخص کے پاس زید اور عمرو آگئے آپ ان سے پوچھتے ہیں "مافعلت بھما" تو مجیب جواب دیتا ہے "امازیدافضربتهٔ واماعمروافأکرمته" دوسری بات کہ تخصیص کیلئے ماننے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود کو ہدایت دی اور کسی کو نہیں دی اور صرف قوم ثمود نے گمراہی کو اختیار کیا اور باقی کفار نے نہیں ۔یہ مطلب سراسر غلط ہے ۔(فلیتامل)

قوله : وکذلک ای ومثل زیدا عرفت الخ ۔

کہ جس طرح تقدیم مفعول تخصیص کیلئے آتا ہے اسی طرح ظرف وغیرہ بھی تخصیص کیلئے آتے ہیں جیسے "بزیدمررت" میں قصر افراد بھی ہوسکتا ہے اور قصر قلب بھی ہوسکتا ہے ۔اسی طرح "یوم الجمعةسرت ،وفی المسجدصلیت ،وتادیباضربته ،وماشیاحججت" مفعول کی جگہ ظرف زمان اور مکان کو مقدم کیا ۔[تادیبا] ادب ہی کیلئے میں نے مارا [ماشیا] حال کو مقدم کیا ہے ۔یعنی میں نے پیدل ہی حج کیا۔

قوله : والتخصیص لازم الخ ۔

مصنف ؒ فرماتے ہیں کہ کسی شئ کو مقدم کرنا تخصیص کا فائدہ دیتا ہے اکثری طور پر ہے نہ کہ کلی طور پر اور اس بات کا اندازہ استقرار اور تتبع سے ہوتا ہے کہ تقدیم تخصیص کیلئے ہے یا کسی اور چیز کیلئے ہے مصنف ؒ نے غالباً کہا ۔اسلئے تقدیم اور مقاصد کیلئے بھی آتا ہے جیسا کہ اہتمام

کو بتلانے کیلئے جیسے" بسم الله " برکت حاصل کرنے کیلئے " محمد احببت "لذت حاصل کرنے کیلئے سامع کے کلام کیساتھ موافقت کیلئے۔ضرورت شعری کیلئے، سجع کی رعایت کیلئے، فاصلے کی رعایت کیلئے جیسے کہ "خذوه فغلوه الخ " اس آیت میں [جحیم] اور [فی سلسلة] فاصلے کیلئے ہے اسی طرح " انَّ علیکم لحافظینَ ، فأَمَّا الیتیمَ فلا تقهَرُ وأمَّا السَّائلَ فلاتنهَرْ " رعایت فاصلہ اور اصلاح کیلئے الغرض وہ تمام مثالیں جس میں تخصیص موجود نہ ہو اس کو کسی اور غرض پر محمول کیا جائیگا۔

قوله : ولهذا الخ ۔

تخصیص کیلئے چونکہ تقدیم لازم ہوتی ہے اسی لئے " ایاك نعبد وایاك نستعین " میں مفعول کو تخصیص کیلئے مقدم کیا کہ ہم عبادت اور استعانت کیلئے آپ کی ذات کو خاص کرتے ہیں اور اسی طرح "لَاِلَی اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ " کہ صرف اللہ کے پاس جمع ہونا ہے۔

قُوله : ويفيدفى الجميع التخصيص الخ ۔

اس عبارت سے مصنفؒ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ کسی چیز کی تقدیم تخصیص کیساتھ اہتمام پر بھی دلالت کرتی ہے جیسا کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " کہ فعل عامل کو (جو کہ محذوف ہے) مؤخر کیا گیا اور ساتھ ساتھ مشرکین پر رد بھی ہے کہ جب وہ کسی کام کو شروع کرتے وقت "بسم اللات والعزی " کہتے تھے۔موحد کی شان یہ ہے کہ وہ "بسم الله " کہے۔

قوله : و أُورد اقرابسم ربک الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اس اصول پر کہ تقدیم مفید اختصاص اور اہتمام ہوتی ہے۔اس آیت سے اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ اس آیت میں ذکر الٰہی کو مقدم ہونا چاہیئے تھا اسلئے کہ وہ اہم ہے اور آیت یوں ہونی چاہیئے تھی "بسم ربک اقرا " اسلئے کہ جب عام محاورات میں اس اصول کی رعایت ضروری ہے تو قرآن میں مجید بھی ہونی چاہیئے ۔مصنفؒ نے اس اعتراض کے دو جوابات دیئے ہیں۔

جواب : [۱] ایک جواب صاحب کشاف کے حوالے سے۔دوسرا جواب صاحب مفتاح العلوم کے حوالے سے دے رہے ہیں۔صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ فی نفسہ ذکر اللہ اہم ہوتا ہے

مگر مقتضیٰ مقام کی وجہ سے اہمیت عارضی کو اہمیت ذاتی پر ترجیح دی گئی اسلئے کہ مقام مقام قرأت ہے لہذا [اقرا] اہم ہوگا۔

جواب : [۲] اور صاحب مفتاح العلوم نے فرمایا کہ [بسم ربک] اپنے متعلّق سے مقدم ہے اسلئے کہ یہ [اقرا] مذکورہ کا متعلّق نہیں ہے بلکہ محذوف کا متعلق ہے اور آیت اس طرح ہے ''اقرا بسم ربک واقرا الذی خلق'' گویا کہ پہلا [اقرا] کو جو متعدی ہے لازم کا درجہ دیا اور مفعول کا اعتبار نہیں کیا گیا مطلب یہ ہوا کہ حکم ہو گیا کہ پڑھیئے قطع نظر اس سے کہ کیا پڑھیئے۔ لہذا کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

قوله : لانها اول سورة نزلت الخ ۔

شارحؒ نے اس عبارت کو نکال کر دراصل ایک اختلاف کی طرف اشارہ کیا کہ بعض کے نزدیک پہلے سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیتوں کا نزول ہوا اور بعض کے نزدیک سورۃ فاتحہ کا نزول پہلے ہوا تو تطبیق اس میں یہ ہے کہ پہلے [اقرا] کی چند آیتوں کا نزول ہوا اور فطرت وحی کے بعد سب سے پہلے سورۃ ''مدثر'' کا نزول ہوا اور مکمل سورۃ کے اعتبار سے سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کا نزول ہوا۔

قوله : وتقديم بعض معمولاته اى معمولات الفعل الخ ۔

یہاں سے مقصد ثالث کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ فعل کے بعض معمولات کو بعض پر مقدم کیا جاتا ہے۔ یا تو اسلئے کہ وہ اصل ہوتا ہے اور اصل سے اعراض کا کوئی نکتہ موجود نہیں ہوتا جیسا کہ فاعل ہے کہ فعل کیساتھ فاعل اور مفعول دونوں کا تعلق ہوتا ہے مگر شدت اتصال فاعل کیساتھ ہوتا ہے اسلئے فاعل کو مقدم کیا جیسے ''ضرب زیدٌ عمروًا'' اور ''ضرب زیدا غلامُه'' میں فاعل کو مؤخر کیا باوجود اصل ہونے کے اسلئے کہ مقتضیٰ عدول موجود ہے اور وہ ہے اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبتاً۔ اسی طرح ''اعطیت زیدا درهما'' زید مفعول اول کو مقدم کیا اسلئے کہ اس میں معنیٰ فاعلیت پایا جاتا ہے گویا کہ وہ لینے والا ہے۔

قوله : ولان ذكره اهم الخ ۔

اور یا بعض معمول کا بعض پر مقدم کی وجہ اس کا اہم ہونا ہوتا ہے جیسا کہ ''قتل الخارجیّ

فــلا نٌ ’’ کہ خارجی کو فلاں شخص نے قتل کر دیا۔ اس مثال میں خارجی مفعول کو مقدم کیا اسلئے کہ خارجی کے مقتول ہونے کو بتلانا اہم ہے تا کہ وہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو سکے قاتل جو بھی ہو۔

قوله : جعل الاهمية ههنا الخ ۔

یہ عبارت ایک اعتراض ہے۔

اعتراض : یہ ہے کہ مصنفؒ نے اس مقام پر اہم ہونے کو قسیم قرار دیا جبکہ مسند الیہ کے بحث میں اہم ہونے کو امر کلی کے طور پر ذکر کیا تھا اور باقی نکات کو علل کے طور پر ذکر کیا تھا چنانچہ یوں فرمایا تھا کہ ’’ واما تقديمه فلكون ذكره اهم اما لانه الاصل واما للتعجيل ‘‘ وغیرہ۔ تو مصنفؒ کے ان دو کلاموں میں تعارض ہے اور اہمیت کا امر کلی ہونا مفتاح العلوم کے بھی موافق ہے اور شیخ عبد القاہر نے دلائل اعجاز میں اس بات کی صراحت کی ہے کسی شئی کو مقدم کرنے کی بنیادی وجہ اس کا اہم ہونا ہوتا ہے البتہ یہ بات بھی شیخ کے نزدیک ضروری ہے کہ اہم ہونے کے نکتے کو بھی بیان کیا جائے جبکہ بعض حضرات کے نزدیک صرف اہم ہونے کو بتلانا کافی ہے۔

قوله : فمراد المصنف بالاهمية ههنا الخ ۔

اس اعتراض کا جواب ہے۔

جواب : یہ ہے کہ مصنفؒ نے باب مسند الیہ میں جس اہمیت کا امر کلی بنایا ہے اس سے مراد اہمیت مطلقہ ہے کہ کسی بھی شئی کی تقدیم میں اس کا اہم ہونا بنیادی نکتہ ہے اور اس مقام پر جس اہمیت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مراد اہمیت عارضہ ہے جو متکلم یا سامع کے اعتبار سے درپیش ہو رہا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک حالت کے موافق کسی مقصد کیلئے اہمیت کو بیان کرنا ہے

قوله : اولان فی التاخير الخ ۔

اور یا بعض معمولات کی تقدیم کی وجہ تاخیر کی صورت میں معنوی خلل سے بچنا ہوتا ہے جیسے ’’وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤمِنٌ مِنَ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَكۡتُمُ اِيۡمَانَهٗ ‘‘ اس آیت میں [رجل] کیلئے تین اوصاف ذکر کئے [۱] مؤمن [۲] ال فرعون سے ہونا [۳] اور ایمان کو چھپانا ان میں سے

ایمان کومقدم کیا اسکے اشرف ہونے کی وجہ سے اور "من ال فرعون" کو "یکتم ایمانہ" سے مقدم کیا اسلئے کہ اگر مؤخر کرتا تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ وہ شخص ال فرعون سے ایمان کو چھپا رہا ہے جبکہ آیت کا یہ مقصود نہیں ہے اسلئے اس کو مقدم کیا ہے اور یا معمول کو مقدم کیا جاتا ہے رعایت فاصلے کیلئے جیسا کہ "فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيْفَةً مُّوسٰى" اس آیت میں [فی نفسہ]اور [خیفۃ] کو جو بالترتیب جار مجرور اور مفعول ہے [موسی] فاعل پر مقدم کیا رعایت فاصلے کیلئے اسلئے کہ اس سورۃ کے فواصل آیتیں الف مقصورہ پر مشتمل ہیں۔

قصر

قصر کا لغوی معنی ہے روکھنا، بند کرنا اسی سے ہے "حور مقصورات فی الخیام یعنی محبوسات فی الخیام"۔

اصطلاح : میں قصر کہا جاتا ہے "تخصیص الشئی بالشئی بطریق مخصوص" ایک شئی کو دوسرے شئی کیساتھ ایک مخصوص طریقے کے ذریعے خاص کرنا۔

قصر کی دو قسمیں ہیں [۱] قصر حقیقی [۲] قصر اضافی ۔اگر تخصیص الشئی بالشئی جمیع ماعداہ کے اعتبار سے ہو تو قصر حقیقی ہے جیسا کہ "ماخاتم الانبیاء الا محمد ﷺ"۔

اور اگر بعض ماعداہ کے اعتبار سے ہو تو اضافی ہے جس کو غیر حقیقی بھی کہا جاتا ہے ۔جیسے "مازید الاقائم"۔

قوله : وانقسامه الى حقيقى الخ ـ

یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال یہ ہے کہ قصر نام ہے مقصور اور مقصور علیہ کے درمیان نسبت کا اور یہ اضافی چیز ہے ۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اس "تقسیم سے انقسام الشئی الی نفسہ والی غیرہ" لازم آتا ہے کہ مقسم یعنی قصر بھی اضافی ہے اور اس کی ایک اور قسم بھی اضافی ہے۔

جواب: شارحؒ نے اس کا جواب دیا پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ حقیقی کے دو معنے آتے ہیں ایک معنی حقیقی کا یہ ہے کہ حقیقی تعلق فی حد ذاتہ کو بھی کہا جاتا ہے اور حقیقی کا دوسرا معنی ہے شئی کو جمیع ماعداہ کی طرف نسبت کرنے کا اور اس مقام پر قصر کا یہ دوسرا معنی مراد ہے اور دوسری بات کا جواب یہ

ہے کہ مقسم مطلق قصر ہے اور اسکی قسم بعض ماعداہ کے اعتبار سے ہے لہذا ''انقسام الشئی بالشئی الی نفسہ'' کا سوال لازم نہیں آتا۔

قولہ : وکل منھماالخ۔

پھران دونوں کی دو دو قسمیں ہیں

[۱] قصر موصوف علی الصفت اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ موصوف اس صفت کیساتھ خاص ہے کسی اور صفت میں نہیں پایا جاتا ہے مگروہ صفت اس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کسی اور میں پایا جاسکتا ہے جیسے ''مازید الاقائما'' زید صفت قیام کیساتھ خاص ہے اور صفت قیام زید کے ساتھ خاص نہیں۔

[۲] قصر صفت علی الموصوف اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صفت موصوف کیساتھ خاص ہے کسی اور موصوف میں نہیں پایا جارہا ہے مگروہ موصوف اس صفت کے علاوہ کسی اور صفت کیساتھ بھی متصف ہوسکتا ہے جیسے ''ماقائم الازید'' صفت قیام، زید کیساتھ خاص ہے اور زید کسی اور صفت کیساتھ متصف ہوسکتا ہے۔

قولہ : والمرادبالصفة ھھنا الصفة المعنویة الخ۔

قصر کے باب میں صفت معنوی ہے صفت نحوی نہیں ہے اسلئے کہ قصر کے طریقوں میں صفت نحوی استعمال نہیں ہوسکتا صفت معنوی سے مراد وہ معنی ہے جو قائم بالغیر ہو صفت نحوی اس تابع کو کہا جاتا ہے جو اس معنی پر دلالت کرے جو معنی متبوع کے اندر پایا جائے بغیر شمول کے، اس تعریف میں تابع کا لفظ جنس ہے [والذی یدل] فصل اول ہے جس کے ذریعے بدل، عطف بیان اور اس تاکید کو نکال دیا جس میں شمول نہیں ہوتا [غیر شمول] فصل ثانی ہے جس کے ذریعے اس تاکید کو نکال دیا جو لفظ [کل] اور اخوات کیساتھ استعمال ہوتا ہے۔

قولہ : وبینھماعموم من وجہ لتصادقھما الخ۔

صفت معنوی اور صفت نحوی کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے مادہ اجتماعی ''اعجبنی ھذاالعلم'' العلم صفت نحوی بھی ہے اور صفت معنوی بھی ہے۔ موصوف صفت ہونے کی وجہ سے نحوی ہے اور قائم بالغیر ہونے کی وجہ صفت معنوی ہے۔ مادہ افتراقی

[۱]" العلم حسن " [علم] صفت معنوی ہے نحوی نہیں ہے۔ مادہ افتراقی [۲] "مررت بھذا الرجل" [ھذا الرجل] صفت نحوی ہے معنوی نہیں ہے۔

قوله وامّانحوقولک الخ۔

اس عبارت کے بعد آنے والی تین مثالوں میں قصر موصوف علی الصفت فرض کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زید بھائی ہونے کیساتھ خاص ہے۔ دروازہ ساج کیساتھ خاص ہے۔ اورھذا زید کیساتھ خاص ہے۔ یہ تاویل اسلئے کی کہ حقیقتاً ان مثالوں میں نہ قصر موصوف علی الصفت ہے اور نہ قصر صفت علی الموصوف ہے۔

قوله : والاول من الحقيقي الخ۔

اس عبارت سے مصنفؒ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ قصر حقیقی میں جیسے "ما زید الا کاتب" قصر حقیقی اس وقت ہوگا جب اس صفت کے علاوہ کے نفی کا ارادہ ہو اسلئے بلغاء کے کلام میں اس مثال کا پایا جانا متعذر ہے کیونکہ ایک شئی کیلئے صفت کو ثابت کرنا اور تمام صفات کی نفی کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے شارحؒ نے فرمایا "بل ھذا محال" صرف مشکل نہیں بلکہ محال ہے اسلئے کہ اس صورت میں ارتفاع نقیضین لازم آتا ہے مثلاً آپ نے زید کو کتابت کیساتھ خاص کیا تو صفت قیام کی بھی نفی ہوگئی اور عدم قیام کی بھی نفی ہوگئی اور یہ ارتفاع نقیضین ہے جس کا بطلان ہونا بدیہی ہے۔

قوله : والثاني الخ۔

دوسری صورۃ قصر صفت علی الموصوف حقیقی بکثرت پائی جاتی ہے جیسے "مافی الدار الا زید" معین گھر زید کیلئے مخصوص ہے۔

قوله : وقد يقصد به اى بالثاني الخ۔

یہاں سے مصنفؒ قصر حقیقی کی دو قسمیں بتانا چاہتے ہیں۔

[۱] حقیقی جس میں قصر صفت علی الموصوف حقیقتاً پایا جائے جیسا کہ مثال مذکور میں۔

[۲] قصر حقیقی ادعائی جس میں غیر مذکور کالعدم تصور کیا جاتا ہے جیسے "ما فی الدار الا زید" گھر زید کیساتھ مخصوص ہوگا اگرچہ گھر میں بکر اور خالد بھی موجود ہو ان کو کالعدم

تصور کیا جائیگا۔

قوله : وامافی القصر الغیر الحقیقی الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ قصر اضافی اور حقیقی ادعائی کے درمیان فرق بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قصر اضافی میں غیر مذکور کو کالعدم تصور نہیں کیا جاتا ہے اور نہ مبالغہ مقصود ہوتا ہے جبکہ یہ دونوں چیزیں ادعائی میں پائی جاتی ہیں۔

قوله : والاول ای قصر الموصوف علی الصفة الخ۔

یہاں سے مصنفؒ قصر اضافی کے اقسام بتانا چاہتے ہیں۔قصر اضافی کی اولاً دو قسمیں ہیں۔[۱] قصر موصوف علی الصفت [۲] قصر صفت علی الموصوف ۔پھران میں سے ہرایک کی تین قسمیں ہیں[۱] قصر افراد[۲] قصر قلب [۳] قصر تعیین ۔قصر موصوف کی تین قسمیں ہیں جن میں سے پہلی قسم کو مصنفؒ نے بیان کیا "تخصیص امر بصفة دون صفة اخری" سے۔ایک موصوف کو ایک صفت کیساتھ خاص کرنا دوسرے صفت سے اعراض کر کے۔

قوله : اومکانها ای تخصیص الخ۔

اس سے قصر قلب اور قصر تعیین کو بیان کیا کہ موصوف کو ایک صفت کیساتھ خاص کرنا دوسری صفت کو ہٹا کر۔یہی تین قسمیں قصر صفت علی الموصوف میں بھی جاری ہوگی ۔کہ ایک صفت کو موصوف کیساتھ خاص کیا جاتا ہے دوسرے موصوف سے اعراض کر کے قصر افراد میں اور ایک صفت کو ایک موصوف کیساتھ خاص کیا جاتا ہے دوسرے موصوف کو ہٹا کر قصر افراد مخاطب کے شرکت کے اعتقاد کو ختم کر کے فرد کو مخصوص کیا جاتا ہے قصر قلب میں مخاطب کے اعتقاد کے برخلاف کو مخصوص کی جاتا ہے اور قصر تعیین میں مخاطب کے شک کو دور کیا جاتا ہے۔

قوله : معنی دون الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ [دون] کا اصل معنی کمتر کے آتے ہیں "هذا ادون ذاک" یہ اس سے کمتر ہے پھر اس کو منتقل کیا گیا احوال اور مراتب کے فرق کو بیان کرنے کیلئے پھر یہ عام ہوگیا ہر اس چیز کیلئے جو ایک سے دوسری کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

قولہ : ولقائل ان یقول ان اُرید الخ ۔

یہاں سے شارحؒ مصنفؒ پر اعتراض وارد کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ قصر موصوف علی الصفت کی تعریف میں [دون اخری]۔اور قصر صفت علی الموصوف کی تعریف [دون اخری]سے کیا مراد ہے ۔اگر آپ کہتے ہیں کہ اس سے مراد امر واحد ہے یعنی ایک صفت کو ہٹا کر دوسرے کو رکھنا اور ایک موصوف کو ہٹا کر دوسرے کو مخصوص کرنا تو آپ کی تعریف جامع نہیں ہے اسلئے کہ اس سے وہ صورتیں خارج ہو جائیگی جس میں ایک موصوف کو صفت کیساتھ خاص کیا جائے یا ایک صفت کو موصوف کیساتھ خاص کیا جائے ایک سے زائد موصوف اور صفات کو ہٹا کر اور آپ کی مراد ایک سے زائد ہے تو پھر قصر حقیقی قصر اضافی میں داخل ہو جائیگا اسلئے کہ وہاں جمیع ماعداہ کے اعتبار سے تخصیص ہوتی ہے اس صورت میں تعریف مانع نہیں رہیگی جبکہ تعریف کا جامع اور مانع ہونا ضروری ہے۔ محشی نے اس کا جواب دیا۔

جواب : [۱] کہ ہم شق ثانی کو اختیار کرتے ہیں رہا دونوں میں فرق تو قصر حقیقی میں جمیع ماعداہ سے اختصاص اجمالاً ہوتا ہے اور قصر اضافی میں تفصیلاً ہوتا ہے۔

جواب : [۲] دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ ہماری مراد ایک سے زائد ہو مگر تمام نہ ہو جبکہ قصر حقیقی میں تمام سے اختصاص ہوتا ہے۔

قولہ : فالحاصل ان التخصیص الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ ان اقسام کا حاصل یہ ہے کہ موصوف اور صفت میں "تخصیص امر بشئی" قصر افراد ہے۔اور تخصیص امر بشئی مکان شئی کی صورت میں مخاطب کا اعتقاد عکس ہو تو قصر قلب ہے اگر متردد ہو تو قصر تعیین ہے۔

قولہ : وفیہ نظر لانّا لو سلّمنا الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کے حاصل شدہ کلام میں نظر ہے۔ وہ نظر اس طرح کہ قصر تعیین جس طرح مکان الشئی میں داخل ہے اسی طرح "تخصیص الشئی بالشئی" میں بھی داخل ہے۔لہٰذا مصنفؒ کا اس کو ایک میں داخل کرنا اور ایک سے نکالنا ترجیح بلا مرجح

ہے بلکہ متقدمین کے مسلک کے بھی خلاف ہے اسلئے کہ علامہ سکا کیؒ نے قصر افراد اور قصر تعیین
کو "شئی دون شئی" میں داخل کیا اور قصر قلب کو مکان شئی کیساتھ خاص کیا۔

قوله : وشرط قصر الموصوف على الصفة الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ قصر موصوف علی الصفت افراد کی شرط بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قصر افراد کیلئے شرط یہ ہے کہ دونوں وصفوں میں منافات نہ ہوتا کہ مخاطب کے شرکت کا اعتقاد صحیح ہو جیسے "ما زید الا شاعر" زید صرف شاعر ہے یعنی کاتب اور نجومی نہیں ہے جو شعر کیساتھ جمع ہو سکتے ہیں یہ مطلب نہیں ہوگا کہ زید شاعر ہے غیر شاعر نہیں ہے اسلئے کہ ان دونوں میں منافات ہے لہذا شرکت صحیح نہیں ہوگا قصر موصوف علی الصفت ۔قلب کی شرط دونوں وصفوں میں منافات کا تحقق ہوتا کہ ایک کو ثابت کیا جائے اور دوسرے کی نفی کی جائے۔

قوله : ولقد احسن صاحب المفتاح الخ ۔

شارحؒ مصنفؒ پر اعتراض کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ مصنفؒ کا قصر قلب کے واسطے تنافی وصفین کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ سکا کی نے اس شرط کا ذکر نہیں کیا ہے اسلئے کہ علامہ سکا کی نے "ما زید الا شاعر" کو قصر قلب کی مثال میں پیش کیا ہے اور کتابت کی نفی کی ہے حالانکہ شاعریت اور کتابت میں منافات نہیں ہے۔

قوله : ومثل هذا خارج عن اقسام القصر الخ ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ مصنفؒ کے شرط کے اعتبار سے یہ مثال قصر اضافی کی اقسام ثلاثہ سے خارج ہو جائیگی حالانکہ کوئی مثال ان سے خارج نہیں ہونی چاہیئے قصر افراد سے اسلئے خارج ہوگی کہ مخاطب شرکت کا معتقد نہیں ہے بلکہ صرف کتابت کا معتقد ہے جبکہ شرکت ضروری ہے ۔اور قصر قلب سے اسلئے خارج ہوگی کہ دونوں وصفوں میں منافات نہیں ہے۔

قوله : لا يقال هذا شرط الحسن الخ ۔

بعض حضرات نے مصنفؒ کی طرف سے جواب دینے کی کوشش کی شارحؒ اس عبارت سے ان کو جواب دینا چاہتے ہیں ۔مصنفؒ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ یہ شرط حسن کے واسطے ہے

صحیح کے واسطے نہیں ہے اور دونوں وصفوں میں منافات سے مراد مخاطب کے اعتقاد کے مطابق منافات ہونا ہے حقیقت میں ہو یا نہ ہو۔

قوله : لانا نقول اما الاول الخ ۔

اس عبارت سے اس کو رد کیا فرمایا کہ اس شرط کو حسن ہونے کے واسطے ہم تسلیم نہیں کرتے اسلئے کہ شرط صحیح ہونے کے واسطے ہوتی ہے نہ کہ حسن کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی نے اس مثال کو صحیح غیر حسن قرار نہیں دیا ہے اور نہ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ دوسری بات کا جواب کہ تنافی وصفین کو مخاطب کے اعتقاد کیساتھ مشروط کرنا بھی غلط ہے اسلئے کہ یہ بات قصر قلب کی تعریف سے ہی ماخوذ ہے الگ سے شرط قرار دینا بے کار اور ضعیف ہے اور مصنفؒ نے "ایضاح" میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ علامہ سکاکی نے تنافی وصفین کی شرط نہ لگا کر غلط کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ مصنفؒ کے نزدیک یہ شرط حقیقتاً معتبر ہے مخاطب کا اعتبار نہیں ہے۔

قوله : وعلل المصنف الخ ۔

مصنفؒ نے اس شرط کی علت یہ بیان کی ہے کہ ایک صفت کا اثبات ہو جائے اور دوسری کی نفی ہو جائے تا کہ قصر قلب کا مفہوم واضح ہو جائے۔

قوله : وفيه نظر الخ ۔

شارحؒ نے اشارہ دیا کہ صحیح بات وہی ہے جو علامہ سکاکی نے کہی۔

قوله : قصر التعيين اعم من ان يكون الوصفان الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قصر تعیین عام ہے چاہے دونوں وصفوں میں منافات ہو یا نہ ہو۔ لہذا جو مثال قصر افراد اور قصر قلب کے واسطے ہوگی وہ قصر تعیین کے واسطے بھی ہو سکتی ہے من غیر عکس۔

قوله : وللقصر طرق والمذكور ههنا أربعة الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ قصر کے طرق اربعہ بیان کرنا چاہتے ہیں یعنی عطف، استثناء، انما، اور تقدیم۔ اس کے علاوہ کچھ طریقے مسند الیہ میں گزر چکے ہیں جیسا کہ ضمیر فصل لانا، مبتداء اور خبر دونوں کا معرفہ ہونا وغیرہ۔

قولہ : ومنھاالعطف الخ ۔

مصنفؒ نے سب سے پہلے قصر عطف کوذکر کیا اسلئے کہ عطف میں منفی اور اثبات کی صراحت ہے ۔قصر موصوف علی الصفت افراد کی مثال حرف عطف کیساتھ ”زید شاعر لا کاتب ،مازید کاتبابل شاعر“ دومثالیں اسلئے پیش کی کہ پہلی مثال میں مثبت معطوف علیہ ہے منفی معطوف ہے۔اور دوسری مثال اس کا عکس ہے۔قصر قلب کی مثال ”زید قائم ۔لاقاعد،مازیدقائمابل قاعد“ دونوں مثالوں میں مذکورہ تفصیل ہے۔

قولہ : فان قلت اذا تحقق الخ ۔

سے ایک اعتراض اواس کا جواب ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ قصر قلب میں ایک کی اثبات سے دوسرے کی خود بخود نفی ہوجاتی ہے پھر حرف عطف سے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

قولہ : قلت الفائدۃ فیہ الخ ۔

سے شارحؒ نے جواب دیا۔جواب : یہ ہے کہ صراحت میں مخاطب کے غلطی پر تنبیہ ہوتی ہے جوصراحت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

قولہ : وفی قصرھا ای قصر الصفۃ علی الموصوف الخ ۔

قصر صفت افراداًاور قلباً کی مثال ”زیدٌ شاعرٌ لا عمرٌو،ماعمروشاعرًابل زید“ صرف زید شاعر ہے مخاطب کے اعتبار سے مثالوں میں فرق کیا جائیگا۔اگر شرکت کا قائل ہے تو قصر افراد ہے۔اور اگر عکس کا قائل ہے تو قصر قلب ہے۔اور اگر متردد ہے تو قصر تعیین ہے۔

قولہ : ویجوزماشاعر عمرو بل زید الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ شاعر خبر کومقدم کرنا بھی جائز ہے البتہ تقدیم کی صورت میں مرفوع ہوگا اسلئے کہ عدم ترتیب کی وجہ سے [ما] عمل نہیں کریگا۔

قولہ : ولمالم یکن بقصر الخ ۔

اس عبارت سے شارحؒ کا مقصدایک اصول بتلانا ہے کہ وصفین میں منافات کی شرط ہے قصر موصوف میں معتبر ہے نہ کہ قصر صفت میں اسلئے کہ قصر موصوف میں الگ الگ مثال پیش کی

اور قصر صفت میں ایک ہی مثال پیش کی کیونکہ منافات قیام اور قعود میں ہوتا ہے نہ کہ زید اور عمرو میں۔

قوله : ومنها النفی والاستثناء الخ ـ

قصر کے طریقوں میں سے دوسرا طریقہ حرف نفی، اور حرف استثناء ہے۔ قصر موصوف افراد کی مثال ”مازید الاشاعر“۔ قصر موصوف قلب کی مثال ”مازید الاقائم“ قصر صفت افراد اور قلب کی مثال ”ماشاعر الازید“ مثالوں میں فرق مخاطب کے اعتبار سے کیا جائیگا۔

قوله : ومنها انما الخ ـ

تیسرا طریقہ [انما] میں ہے۔ قصر موصوف افراد کی مثال ”انمازید کاتب“۔ قصر قلب کی مثال ”انمازید قائم“۔ قصر صفت افراد کی مثال ”انما قائم زید“۔

قوله : وفی دلائل اعجاز الخ ـ

اس عبارت کے دو مطلب ہیں۔[۱] یا تو مصنفؒ پر تعریض ہے کہ مصنف نے [انما] کو قصر افراد، اور قلب دونوں کیلئے مانلیا جبکہ کلام بلیغ صرف قلب کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ دلائل اعجاز میں ہے۔

[۲] یا شارحؒ کا مقصد دو مذہبوں کو بیان کر رہے ہے کہ بعض کے نزدیک دونوں کیلئے ہے۔ اور بعض کے نزدیک قصر قلب کیلئے ہے۔

قوله : لتضمنه معنی ما و الا الخ ـ

اس عبارت سے مصنفؒ اس سبب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ کلمہ [انما] حصر کا فائدہ کیوں دیتا ہے چنانچہ فرمایا کہ یہ کلمہ [انما] [ما] اور [الا] کے معنی کو متضمن ہے مترادف نہیں ہے اسلئے کہ ایک شئی کا دوسرے شئی کے معنی میں ہونا الگ شئی ہے جس کو متضمن کہا جاتا ہے اور ایک شئی من کل الوجوہ دوسرے شئی کا معنی دینا الگ چیز ہے جس کو ترادف کہا جاتا ہے۔

قوله : فلیس کل کلام یصح الخ ـ

اسلئے کہ ہر وہ کلام جس میں [ما] اور [الا] کا استعمال صحیح ہو [انما] کا استعمال صحیح ہونا ضروری نہیں جیسا کہ مقام انکار میں [انما] استعمال نہیں ہوتا بلکہ [ما] اور [الا] استعمال ہوتے ہیں جیسے

"مامن الہ الا اللہ ولما اختلفوا" کلمہ [انما] کے حصر کیلئے ہونے میں اختلاف ہے بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہ مفید للحصر ہے بعض حضرات نے کہا کہ یہ عرفاً مفید ہے استعمالاً مفید نہیں ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ عرفاً اور استعمالاً مفید للحصر ہے۔ شارحؒ تین وجوہ سے اس بات کو بیان کریگا کہ [انما] [ما] اور [الا] کے معنیٰ کو متضمن ہے اور مفید للحصر ہے۔

[۱] پہلی وجہ : مفسرین کے قول سے جیسے "انما حرم علیکم المیتۃ" میتۃ میں رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے۔

قولہ : تقریر ھذا الکلام الخ۔

آیت مذکورہ میں تفصیل ہے کہ اس میں تین قرائتیں ہیں۔

[۱] "حرم" فعل معروف اور "میتۃ" منصوب لانہ مفعول۔

[۲] "حرم" فعل معروف "میتۃ" مفعول لانہ خبر انّ۔

[۳] "حرم" فعل مجہول "میتۃ" مرفوع لانہ نائب فاعل جیسے کہ یہی تفسیر تفسیر کواشی میں ہے جو کہ موفق الدین احمد بن یوسف کی تفسیر ہے۔ پہلی قرائت میں [ما] کافہ ہے موصولہ نہیں ہے ورنہ حرف [انّ] بلا خبر کے رہ جائیگا۔ اور موصول بلا عائد کے رہ جائیگا یعنی موصولہ ماننے کی صورت میں۔ دوسری قرائت میں [ما] موصولہ ہے اور [حرم] کا فاعل اللہ تعالیٰ ہیں [میتۃ] کو قرار نہیں دے سکتے اور عائد کے واسطے [ھو] ضمیر محذوف مانیں گے لہذا تقدیری صورت یوں ہوگی "ان الذی حرم اللہ علیکم ھو المیتۃ" اور یہ بات بدیہی ہے کہ مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہو تو مفید للحصر ہوتا ہے جیسے "المنطلق زید و زید المنطلق"۔

قولہ : فاذا کان الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم [انما] کو [ما] اور [الا] کا متضمن قرار دیا ہے تو دونوں قرائتیں ایک دوسرے کے موافق ہوگئی اور دونوں قرائتوں کا آپس میں موافق ہونا واجب اور ضروری ہے۔ معلوم ہوا کہ [انما] [ما] اور [الا] کو متضمن ہے اور مفید للحصر ہے۔

قولہ : فمراد السکاکی والمصنف الخ۔

مصنفؒ اور علامہ سکاکی نے نصب اور رفع کی جو قرائتیں ذکر کی ان سے مراد یہی مذکورہ

قرائتیں ہیں اسلئے ان دونوں نے [حرم] کے معروف اور مجہول ہونے کو بیان نہیں کیا بلکہ [میتۃ] کے رفع اور نصب کو بیان کیا رہی تیسری قرائت تو اس صورت میں [ما] کو کافہ بھی قرار دے سکتے ہیں اور موصولہ بھی۔ کافہ کی صورت میں عبارت پھر یوں ہوگی "مَاحُرِمَ علیکم الّا المیتۃ" موصولہ کی صورت میں عبارت یوں ہوگی "ان الذی حُرِّمَ علیکم ھوالمیتۃ" جو چیز تمہارے اوپر حرام کی گئی ہے وہ میتہ ہے اور [ما] کے موصولہ ہونے کو راجح قرار دیا جائیگا کیونکہ اس صورت میں [ما] عاملہ بن رہا ہے جو [ما] کے اندر اصل ہے۔ اور کافہ ہونے کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ قرآن میں اس طرح مستعمل ہے۔

قوله : وبعضهم توهم ان مراد السكاكي والمصنف الخ ـ

بعض حضرات نے یہ گمان کیا کہ سکاکی اور مصنف نے رفع سے یہ قرائت ثالثہ مراد لی ہے اسلئے انہوں نے مصنف اور سکاکی سے مطالبہ کیا کہ موصولہ ہونے کا سبب بیان کرو حالانکہ زجاج نے اس کو کافہ قرار دیا ہے حالانکہ ان لوگوں کا یہ خیال غلط ہے اسلئے کہ مصنف اور سکاکی کی مراد قرائت ثالثہ نہیں ہے بلکہ ثانیہ ہے اور سبب اس کا عاملہ ہونا ہے جو کہ اصل ہے۔

قوله : ولقول النحاة الخ ـ

کلمہ [انما] اہل نحاۃ کے نزدیک بھی [ما] اور [الا] کے معنی کو متضمن ہے اسلئے کہ اہل نحاۃ کے ہاں [انما] مابعد کے اثبات اور باقی سے نفی کیلئے آتا ہے۔ قصر موصوف کی مثال انما زید قائم "جس میں زید کیلئے ثبوت قیام اور باقی کیلئے نفی ہے۔ قصر صفت کی مثال "انما یقوم زید" جس میں قیام صرف زید کیلئے ثابت ہے باقی سے نفی ہے۔

قوله : ولصحة انفصال الضمير الخ ـ

[۳] یہ تیسری وجہ ہے اہل لغت والوں کے ہاں کلمہ [انما] کیساتھ ضمیر منفصل لانا درست ہے اور ضمیر منفصل ضمیر متصل کے تعذر کے وقت لایا جاتا ہے اور تعذر کی دو صورتیں ہیں۔ یا ضمیر اپنے عامل سے مقدم ہو جو یہاں پر موجود نہیں ہے۔ دوسری صورت کہ ضمیر (منفصل) اور عامل کے درمیان کوئی فصل لایا جائے حصر وغیرہ کسی مقصد کیلئے جیسے "انمایقوم انا" یہ معنی میں "مایقوم الاانا" پھر مصنف نے اس بات پر فرزدق کے شعر سے استدلال کیا۔ شعر۔

انا الذائد الحامی الذمار : وانما یدافع عن احسابهم انا ومثلی
[ذائد] کے معنی ہے مدافع کے [الحامی] کے معنی حفاظت کرنے والا [الذمار] کے معنی وفائے عہد۔

ترجمہ : میں ہی مدافعت کرنے والا ہوں اور میں ہی وفاءِ عہد کرسکتا ہوں میں ہی یا مجھ جیسا کوئی قوم کے احساب کی مدافعت کرسکتا ہے۔ اس شعر سے شاعر کا مقصد مدافع کو خاص کرنا ہے جو خود شاعر ہے ۔یعنی [انا] مدافع عنہ کو خاص کرنا مقصود نہیں ہے جو کہ حسب ہے حسب ان مفاخر کو کہا جاتا ہے جن کو حاصل کیا جاتا ہے غیر کسبی مفاخر کو انساب کہا جاتا ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد [احسابهم] کے بعد [انا] ہے کہ اس کو یدافع سے مؤخر کیا اسلئے کہ اگر اس کے بجائے یوں کہتا "انما ادافع عن احسابهم" بصیغۃ التکلم تو پھر مقصود حاصل نہیں ہوتا اسلئے کہ اس صورت میں مدافع عنہ مخصوص ہوتا یعنی احساب اور مطلب یہ ہوتا کہ میں انہی کے احساب کی مدافعت کرسکتا ہوں۔

قوله : ولا یجوز ای یقال انه علی الضرورة الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ نے اعتراض کا جواب دیا ہے۔

اعتراض : کہ کوئی سوال کرسکتا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ضرورت شعری کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔ یعنی ضمیر کو عامل سے مؤخر کیا ہو۔

لانہ سے جواب : یہ ہے کہ اگر ضرورت شعری ہوتا تو وہ [ادافع] کہنے سے پورا ہو جاتا بصیغۃ التکلم ،تو معلوم ہوا کہ یہ ضرورت شعری کی وجہ سے نہیں۔

قوله : ولیست ما موصولة الخ۔

یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہے کہ [ما] کو کافہ قرار نہ دیا جائے بلکہ موصولہ قرار دیا جائے اور یوں کہا جائے کہ "ان الذی یدافع عن احسابهم انا الذی اسم موصول یدافع الی اخرہ" اس کیلئے صلہ ہو موصول صلہ ملکر [انّ] کیلئے اسم اور [انا] اسکی خبر۔ لہذا ابتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوگئے اور حصر بھی پیدا ہو لیکن [انما] [ما] اور [الا] کو متضمن نہیں ہوا۔

جواب : شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ مقام تفاخر میں باعزت اور باعظمت لفظ استعمال کیا جاتا ہے اگر شاعر کا مقصد یہ ہوتا تو [ما] کے بجائے [من] استعمال کرتا اسلئے کہ [ما] غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے اور [من] ذوی العقول کیلئے آتا ہے لہذا جب لفظ [من] سے [ما] کی طرف عدول کیا تو کوئی ضرورت ہوگی اور وہ ضرورت یہی ہے کہ [انما] [ما] اور [الا] کے معنی کو متضمن ہے۔

قوله : ومنها التقديم اى تقديم ما حقه التاخير الخ ـ

حصر کا چوتھا طریقہ تقدیم ماحقہ التاخیر جیسا کہ خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا وغیرہ قصر موصوف کی مثال "تمیمی انا" میں ہی تمیمی ہوں۔ اگر قبیلہ قیس کی نفی کرنا ہے تو قصر قلب ہے اگر شدت کی نفی کرنا ہے تو افراد۔ اگر تردد کی نفی ہے تو تعیین ہے۔

قصر صفت کی مثال "انا کفیتُ مهمّک" آپ کے مہم کیلئے میں ہی کافی ہوں ان تینوں (یعنی افراد، قلب اور تعیین) کی مثال بن سکتی ہے مخاطب کے اعتقاد کے مطابق۔

قوله : وهذه الطرق الخ ـ

یہ چاروں طریقے حصر کیلئے تو مشترک ہیں البتہ دلالت کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ چنانچہ تقدیم حصر پر دلالت کرتی ہے اپنے مضمون کے اعتبار سے، جب صاحب ذوق آدمی تأمل کرے گا تو وہ سمجھ جائیگا کہ تقدیم کا مقصد تخصیص پیدا کرنا ہے اگر چہ بلغاء کے اصطلاح سے واقف نہ ہو باقی تین طریقے حصر پر وضعاً دلالت کرتے ہیں۔

اختلاف دلالت کی دوسری وجہ: طریقہ عطف میں مثبت اور منفی دونوں کی صراحت ضروری ہے جیسا کہ عطف کے مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے الا یہ کہ کسی ضرورت کی وجہ سے صراحت کو ترک کیا جائے اور ایک پر انحصار کیا جائے مثلاً کوئی شخص اس بات کا معتقد ہے کہ زید علم نحو، صرف، عروض سے واقف ہے اور اس کا یہ اعتقاد غلط ہے تو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ "زید یعلم النحو لا غیر" یہ قصر موصوف علی الصفت کی مثال ہے۔ یا کوئی شخص اس بات کا معتقد ہے کہ زید عمرو اور بکر ان علوم سے واقف ہیں اور متکلم اس بات کو بتانا چاہتا ہے کہ "زید یعلم النحو لا غیر" لاغیر سے مراد لا عمرو اور لا بکر جو قصر صفت کی مثال

ہے۔اور لا غیر کے مضاف علیہ کو حذف کیا جائیگا اور لا غیر قبل اور بعد کیساتھ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہوگا اسلئے کہ مضاف الیہ منوی ہے۔لا غیر کے علاوہ ماسوا، ماعدا، اور اس جیسے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔

قوله : والاصل فى الثلاثة الباقية الخ۔

عطف کے علاوہ باقی طریقہ ثلاثہ میں اصل یہ ہے کہ مثبت صریح ہو اگرچہ نفی کی صراحت نہیں جیسا کہ "انما زید قائم لاعمرو" کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

قوله : والنفى لايجامع الثانى الخ۔

یہاں سے تیسری وجہ فرق کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ [لا] عاطفہ [ما] اور [الا] کیساتھ جمع نہیں ہوتا اسلئے کہ "مازید الاقائم" کہنے کے بعد "لاقاعد" کہنا صحیح نہیں ہے کلام الٰہی اور کلام بلغاء میں یہ طریقہ مستعمل نہیں البتہ بعض مصنفین کے کلام اس طرح واقع ہے۔

قوله : لان شرط المنفى الخ۔

یہاں سے وجہ بیان کرنا چاہتے ہیں [لا] عاطفہ کے ذریعے حکم کی نفی کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ حکم اس سے پہلے کسی حرف نفی کے ذریعے منفی نہ ہو اسلئے کہ [لا] کے ذریعے اس حکم کی نفی کی جاتی ہے جو متبوع کیلئے ثابت ہوتا ہے اور یہ بات حرف نفی اور استثناء میں مفقود ہے اسلئے کہ اس میں پہلے سے نفی موجود ہے جیسے "مازید الاقائم" اس کلام کے ذریعے آپ نے ان تمام صفات کی نفی کی جس میں متکلم اور مخاطب کا اختلاف ہو اور صرف قیام کو ثابت کیا لہٰذا اب "لاقاعد" کہنے کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا اسلئے کہ اس کی نفی ہو چکی ہے اور یہی تفصیل "مایقوم الازیدلا عمرو" میں بھی ہے۔

قوله : بغيرها الخ۔

[ما] ضمیر کا مرجع شارحؒ نے متعین کیا کہ اس [ھا] سے مراد حروف نفی ہیں حرف [لا] ہو یا اسکے علاوہ ہو اور یہی علامہ سکاکی کا مسلک ہے۔

قوله : وفائدته الاحتراز عما اذا كان منفيا الخ۔

اور [بغیرھا] کے قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر متبوع میں منفی حروف ادوات کے ذریعے نہ ہو بلکہ نفی

کامفہوم کلام کے مضمون سے یا متکلم یا سامع کے علم سے ہواس صورت میں [لا] کا استعمال جائز ہے۔حاصل یہ ہے کہ نفی صریحی کیساتھ جائز نہیں اور نفی ضمنی کیساتھ جائز ہے۔

قوله : لایقال الخ ۔

اس عبارت سے ایک اعتراض اوراس کا جواب ذکر کررہے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ آپ کے کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ [لا] سے پہلے ادوات نفی کے ذریعے حکم منفی نہ ہواگر چہ حرف [لا] کے ذریعے ہوتو کوئی مسئلہ نہیں ہے جیسے کہ ”جاء نی الرجال لاالنساء لاهند“ اس مثال [لاهند] سے پہلے [لانساء] کے ذریعے نفی کی گئی ہے تو یہ مثال درست ہونی چاہیئے حالانکہ یہ غلط ہے۔

قوله : لان نقول الخ ۔

اس عبارت سے جواب دیا : جواب: یہ ہے کہ [ها] ضمیر لا متخص کی طرف راجع ہے نہ کہ نوع کی طرف اور مقصد یہ ہے اس [لا] سے پہلے [لا] اور دوسرے ادوات کے ذریعے نفی نہ ہو۔

قوله : ومعلوم انه یمتنع الخ ۔

اس عبارت سے شارحؒ کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ [لا] سے پہلے جس [لا] کی نفی مقصود ہے اس سے مراد وہ [لا] ہے جو اس کے مماثل ہو یہی متعین [لا] مراد ہے۔

قوله : وهذا کمایقال الخ ۔

اس عبارت سے شارحؒ مذکورہ بات کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے کہا جاتا ہے ”دأب الرجل الکریم لایوذی غیرہ“ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شریف آدمی اپنے ذات کے علاوہ کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہے وہ شریف ہو یا غیر شریف ہو۔اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ [ہ] ضمیر رجل کریم کی طرف راجع کیا جائے کہ شریف آدمی کی عادت یہ ہونی چاہیئے کہ وہ غیر شریف کو تکلیف نہ دے اور شریف کو تکلیف دے سکتا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ یہ ہ ضمیر نوع کی طرف عائد نہیں بلکہ شخص کی طرف ہے۔

قوله : یجامع النفی الاخرین الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ لانفی کلمہ [انما] اور تقدیم کیساتھ جمع ہوسکتا ہے اسلئے کہ ان دو میں نفی صریحی

نہیں ہوتی بلکہ ضمنی ہوتی ہے جیسا کہ ''انما انا تمیمی لاقیسی'' تقدیم کی مثال ''ھو یاتینی لاعمرو'' اس مثال میں مجیئت کی نفی زید سے ضمناً ہے اسلئے ''لاعمرو'' کہنا جائز ہے۔ اور اس قول کے ذریعے اس تشبیہ کو بیان کرنا مقصود ہو کہ نفی ضمنی نفی صریحی کا حکم نہیں رکھتا ہے یہ تشبیہ مقصود نہیں ہے کہ منفی کرنا [لا] عاطفہ کے ذریعے نفی ضمنی میں جائز ہے اسلئے کہ مجیئت عمرو پر اس عبارت میں کوئی دلالت موجود نہیں ہے نہ صریحی اور نہ ضمنی۔

قولہ : وقال السکاکی شرط مجامعتہ الخ۔

علامہ سکاکی فرماتے ہیں کہ [لا] عاطفہ کا [انما] کیساتھ جمع ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ وصف موصوف کیساتھ مختص نہ ہو جیسے ''انما انا تمیمی لاقیسی''۔ اور اگر وہ وصف موصوف کیساتھ مختص ہو تو پھر [لا] کا استعمال جائز نہیں ہے جیسا کہ ''انما یستجیب الذین یسمعون'' اس میں استجاب معین کیساتھ خاص ہے لہذا یوں کہنا جائز نہیں ہوگا ''لا الذین لایسمعون'' اسلئے کہ قبول وہی کرتا ہے جو سنتا ہے۔

قولہ : قال عبدالقاھر الخ۔

شیخ عبدالقاہر نے فرمایا کہ مذکورہ شرط حسن کے واسطے ہے نہ کہ صحیح کے واسطے اسلئے ان کے ہاں [لا] کا استعمال صحیح تو ہے لیکن حسن نہیں ہے البتہ وصف غیر مختص میں حسن ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کا مسلک اقرب الی الصواب ہے ایک تو اسلئے کہ وصف مختص میں تحقیق اور تاکید مقصود ہو تو [انما] کا استعمال صحیح ہے اور عدم صحت پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے کیونکہ تحقیق کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ علامہ سکاکی کا کلام نفی پر شاہد ہے اور شیخ کا کلام اثبات پر شاہد اثبات کو نفی پر فوقیت حاصل ہے۔

قولہ : واصل الثانی الخ۔

وجوہ اختلاف میں سے چوتھی وجہ یہ ہے کہ نفی اور استثناء کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں مخاطب حکم سے جاہل اور منکر ہو بخلاف [انما] کے کہ اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں مخاطب منکر نہ ہو اور حکم اس معلوم ہو یہ تفصیل ''ایضاح'' اور ''دلائل اعجاز'' کے موافق ہے۔

قولہ : وفیہ بحث لان المخاطب اذا کان عالما الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ کلمہ [انما] کے تشریح پر بحث ہے۔

اعتراض : یہ ہے کہ جب مخاطب کو حکم معلوم ہو اور وہ منکر بھی نہیں ہے تو پھر قصر کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے صرف یہ کہ لازم حکم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

قوله : وجوابه الخ۔

- جواب : یہ ہے کہ ہماری مراد یہ ہے کہ خبر کی شان ایسی ہو کہ مخاطب کو اس سے جاہل اور منکر نہیں ہونا چاہیئے اگر چہ وہ جاہل اور منکر ہے جیسا کہ آپ کا قول اپنے دوست کے واسطے کہ جب آپ دور سے کسی صورت کو دیکھ لیں اور وہ زید ہو اور مخاطب زید ہونے کا منکر ہو کہ "ماھوالا زید"۔

قوله : وقدینزل المعلوم الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کبھی حکم معلوم کو مجہول کا درجہ دیکر [ما] اور [الا] استعمال کیا جاتا ہے قصر افراد ہونے کی حالت میں ہو یا قلب۔ جیسے افراد کی مثال "وما محمد الا رسول" اس آیت کے مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں جو اس بات کو جانتے تھے کہ حضور ﷺ صفت رسالت کیساتھ متصف ہیں۔ رسالت اور موت کے وہ منکر نہیں تھے لیکن وہ حضور ﷺ کے انتقال کو ایک امر عظیم سمجھتے تھے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عظیم سمجھنے کو انکار کا درجہ دیا اور حرف نفی اور استثناء کیساتھ مخاطب کیا۔

قوله : اوقلبا الخ۔

قلب کی مثال "اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا" اس آیت کے مخاطب انبیاء اور رسل ہیں اور قائلین کفار ہیں۔ انبیاء اپنے بشر ہونے کا نہ منکر تھے اور نہ اس سے جاہل تھے لیکن کفار کا اعتقاد فاسد یہ تھا کہ نبی اور رسول فرشتہ تو ہو سکتا ہے مگر بشر نہیں ہو سکتا اور تم لوگ اپنی رسالت پر اصرار کر رہے ہو اسلئے کہا کہ "اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا" کہ تم صرف بشر ہو رسالت کیساتھ متصف نہیں ہو۔

قوله : ولما کان ھھنا مظنۃ الخ۔

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے۔

سوال : یہ ہے کہ جس طرح قائلین یعنی کفار بشر اور رسول کو منافی سمجھتے تھے اور مخاطبین نے بھی

اس کا اعتراف کیا اور فرمایا کہ "اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ"۔

قوله : وقولهم الخ۔

مصنفؒ نے وقولھم سے اس کا جواب دیا۔

جواب : یہ ہے کہ انبیاء کا یہ کہنا "ان نحن الا بشر مثلکم" مدمقابل کو ڈھیل دینے کے قبیل سے ہے مجازات خصم کہا جاتا ہے مدمقابل کے چند مقدمات کو تسلیم کر لینا تا کہ وہ اس کے ذریعے مدمقابل کو خاموش کر دے اسلئے اس آیت سے انتفاء رسالت مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ بشر ہونے کیساتھ اللہ کا ہمارے اوپر یہ احسان ہے کہ ہمیں صفت رسالت کیساتھ متصف کیا۔

قوله : واما اثباتها الخ۔

اور انبیاء نے بھی اپنی بات کو قصر کیساتھ بیان کیا تا کہ انکا کلام خصم کے کلام کیساتھ موافق ہو جائے گویا کہ انبیاء کی مراد اثبات بشریت اور ملائکہ ہونے کی نفی کرنا ہے۔

قوله : كقولك الخ۔

اس کا عطف ہے سابقہ قولک پر [انما] کے اندر اصل یہ ہے کہ مخاطب کو تنبیہ کیا جائے جیسے "انما ھو اخوک" اس شخص سے جو اپنے بھائی کو جانتا تو ہے لیکن اس کیساتھ بھائی والا معاملہ نہیں کرتا ہے گویا کہ [انما] اس مقام پر خلاف مقتضی ظاہر کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

قوله : وقد ينزل المجهول الخ۔

اور کبھی حکم مجہول یا امر مجہول کو معلوم کا درجہ دیا جاتا ہے اور کلمہ [انما] استعمال کیا جاتا ہے بجائے نفی اور استثناء کے اس کے واضح ہونے کو بتلانے کیلئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہود سے "لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ" تو یہود نے کہا کہ "اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ" اس آیت میں یہود نے اپنے مصلح ہونے کو اس طریقے سے بتا رہے ہیں کہ گویا کہ ان کا مصلح ہونا ظاہر ہے اور ادنی تنبیہ سے مسلمانوں کو انکو مصلح سمجھنا چاہیئے اور انکار نہیں کرنا چاہیئے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے تاکید کیساتھ ان پر رد فرمایا "الا انھم ھم المفسدون" اس آیت میں کئی تاکیدات ہیں [۱] جملہ اسمیہ کا ہونا جو دوام پر دال ہے۔

[۲] خبر یعنی المفسدون کو بھی معرفہ ذکر کرنا۔

[۳]ضمیر فصل لیکرلانا۔

[۴]کلام کوتنبیہ کیساتھ شروع کرنا۔

[۵]حرف[انّ] کیساتھ بیان کرنا۔

[٦]اس جملے کے بعدزجراورتوبیخ کرنا"ولکن لا یشعرون" سے۔

قوله ومزیة انما علی العطف انّه الخ ۔

مصنف" فرماتے ہیں کہ کلمہ [انما] کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اثبات اور منفی اورایک ساتھ مذکورہوتے ہیں برخلاف عطف کے کہ اس میں اولاً اثبات ہوتا ہے پھرنفی جیسے زید قائم لا قاعد۔

قوله : واحسن مواقعها التعریض الخ ۔

مصنف" فرماتے ہیں کہ کلمہ [انما] کابہترین موقع تعریض ہے جیسے "انما یتذکر اولوا الالباب" اس آیت میں کفار پر چھوٹ ہے کہ وہ اپنی جہالت کیوجہ سے بہائم کی طرح ہیں۔اسلئے ان سے نصیحت لینے کی امید ایسی ہے جیسے بہائم سے۔

قوله : ثم القصر کما یقع بین المبتدأ والخبر الخ ۔

اس عبارت سے مصنف" کا مقصد یہ ہے کہ قصر جس طرح مبتداءاورخبر میں واقع ہوتا ہے اسی طرح فعل اورفاعل کے درمیان ،فاعل اورمفعول کے درمیان ،دومفعولوں کے درمیان ،حال اورتمیز وغیرہ میں بھی واقع ہوتا ہے۔

قصرفعل کی مثال"ماقام الازید"۔

قوله : ففی الاستثناء یؤخر المقصور علیه الخ ۔

مصنف" فرماتے ہیں کہ اس باب میں اصل یہ ہے کہ مقصورعلیہ صرف استثناء کیساتھ ملکرواقع ہوتا ہےاورمقصور سے مؤخرہوتا ہے جیسے "ماضرب زید الا عمرا" اس مثال میں[عمراً] مقصورعلیہ ہے اورحرف استثناء کیساتھ متصل ہے اورزید مقصور ہے ۔اسی طرح "ماضرب عمراً الا زید" میں[الا زید] مقصورعلیہ ہے عمراً مقصور ہے۔

پہلی مثال قصرفاعل کی ہے دوسری قصرمفعول کی ہے۔

قوله : وقلّ تقدیمها الخ۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصورعلیہ کوحرف استثناء کیساتھ مقدم کیاجاتا ہے اور مقصور کو مؤخر کیا جاتا ہے اس شرط کیساتھ کہ مقصورعلیہ کا اتصال حرف استثناء کیساتھ ہو لہذا قصر فاعل میں "ماضرب زیدٌ الاعمراً" کے بجائے "ماضرب الاعمرازیدٌ" کہنا جائز ہے قصر فاعل علی المفعول میں۔ اسی طرح قصر مفعول میں "ماضرب عمراًالازیدٌ" کے بجائے "ماضرب الازیدٌ عمراً" کہنا جائز ہے اگرچہ کلام عرب میں اس کا استعمال کم ہے۔

قوله : لاستلزامه قصر الصفة قبل تمامها الخ۔

اس عبارت سے مصنفؒ کا مقصد اس صورت کے جواز کی علت کو بیان کرنا ہے اور قلت کو بھی بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اس صورت میں قصر صفت علی الموصوف ہوتا ہے مگر تمام ہونے سے پہلے اسلئے کہ مفعول کا ذکر آخر میں ہوتا ہے اور قصر پہلے ہوتا ہے تو یہ قصر صفت قبل تمامہا ہوا حالانکہ قصر صفت بتمامہ ہونی چاہیئے۔

قوله : ومعنی قصر الفاعل علی المفعول الخ۔

ففی الاستثناء کے تحت شارحؒ کی یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہے کہ فاعل اور مفعول تو ذات ہوا کرتی ہے لہذا قصر فاعل ہو یا مفعول ہو یہ نہ قصر صفت میں داخل ہے اور نہ قصر موصوف میں داخل ہے۔

جواب : شارحؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ قصر فاعل ہو یا مفعول ہو اس سے مراد یہ ہے کہ فعل کی جو نسبت فاعل کی طرف ہے نسبت کو مفعول پر منحصر کرنا یا اس نسبت کو فاعل پر منحصر کرنا ہے اور یہ قصر صفت کے قبیل سے ہے۔

قوله : ووجه الجمیع ای السبب فی افادة النفی والاستثناء الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مبتداء اور خبر میں قصر ہو یا فاعل اور مفعول میں قصر ہو یا اس کے علاوہ کسی اور چیز میں [ما] اور [الا] کیساتھ استثناء مفرغ ہے اور استثناء مفرغ میں نفی مقدور کی طرف متوجہ ہوتی ہے اس مقدور کی طرف جس کو مستثنیٰ منہ کہا جاتا ہے اس مقدور کیلئے دو شرائط ہیں۔

[۱] کہ وہ مستثنیٰ کے جنس میں سے ہو یعنی عام ہوتا کہ استثناء کرنا درست ہو۔

[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ وہ صفت میں مستثنیٰ کے موافق ہو کہ دونوں فاعل ہو یا مفعول ہو یا وغیرہ ہو جیسے "ما کسوته الا جبة" اس مثال میں مستثنیٰ منہ مقدر [لباساً] ہے جو مستثنیٰ کے جنس میں سے ہے اور اسی کی صفت میں سے لباس دونوں مفعول ہیں۔ لہٰذا التقدیری عبارت یوں ہوگی "ماکسوته لباساً الا جبة"

قوله : واذا اوجب منه الخ

جب استثناء مفرغ میں حرف [الا] کسی شیٔ کو ثابت کریگا مقدر سے تو شیٔ مثبت کیلئے جو ثابت ہوگا ماعداہ سے انتفاء ہوگا۔

قوله : وفی انما یؤخر المقصور علیه الخ۔

کلمہ [انما] کیلئے اصول یہ ہے کہ اس باب میں مقصور علیہ مؤخر ہوتا ہے لہٰذا اس کو مقدم کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا "انما ضرب زید عمراً" مقصور علیہ ہے اس کو مقدم کر کے [انما ضرب عمراً زید] کہنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس صورت میں قصر فاعل اور قصر مفعول میں التباس لازم آتا ہے برخلاف نفی اور استثناء کے کہ وہاں مقصور علیہ کی تقدیم جائز ہے اسلئے کہ وہ [الا] کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور التباس کا خوف نہیں ہے جبکہ [انما] میں نفی کی صراحت نہیں ہے اسلئے علماء بلاغت نے علامت کے طور پر یہ اصول مقرر کیا کہ مقصور علیہ آخر میں ہوگا اور مقصور پہلے ہوگا۔

قوله : وغیر کالا فی افادة القصرین الخ۔

مصنفؒ کا کہنا یہ کہ کلمہ غیر افادہ قصر میں [الّا] کی طرح ہے چاہے قصر حقیقی ہو یا غیر حقیقی ہو جیسے "لا اله غیر الله" پھر غیر حقیقی میں افراد ہو اور قلب ہو اور تعیین ہو۔

قوله وفی امتناع مجامعة لا الخ۔

اور اس (غیر) کا [لا] عاطفہ کیساتھ جمع ہونا ممتنع ہے جیسے کہ [الا] کا جمع ہونا ممتنع ہے۔ لہٰذا "ما زید غیر شاعر لا کاتب" کہنا صحیح نہیں ہے۔

الانشاء

چھٹا باب انشاء کے بیان میں ہے۔

انشاء کالغوی معنی : ایجاد اور اختراع کے ہیں۔

اصطلاحی معنی : اصطلاح میں اسکے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔

[۱] اس کلام کو انشاء کہا جاتا ہے جس کیلئے کوئی نسبت خارجی نہ ہو کہ وہ اسکے مطابق ہو یا عدم مطابق

[۲] اس کو کہا جاتا ہے جس پر متکلم کا فعل ہو۔

تفصیل یہ ہے کہ کلام کیلئے ایک نسبت خارجی ہوتی ہے اور اس کلام کو نسبت کلامیہ کہا جاتا ہے اگر نسبت کلامیہ نسبت خارجیہ کے موافق ہو تو خبریہ کہلاتا ہے اگر موافق نہ ہو تو انشاء کہلاتا ہے یہ مصنفؒ کا مسلک ہے۔ بقول شارحؒ کے اگر مطابقت کا ارادہ کیا جائے تو خبر ورنہ انشاء ہے جبکہ بعض حضرات کے نزدیک ایجاد اور اختراع پر مشتمل کلام کرنے کو انشاء کہا جاتا ہے۔ دونوں کی مثال "لیت زیداً قائم" اس کلام کا نام انشاء ہے پہلے مسلک کے مطابق۔

قوله : والاظهر ان المراد ههنا هو الثانی الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر انشاء سے معنی ثانی مراد ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ مصنفؒ نے انشاء کی تقسیم کی ہے طلبی اور غیر طلبی کی طرف پھر طلبی کی تقسیم کی ہے تمنی، اور استفہام کی طرف اور یہ تقسیم دوسرے معنی کے قبیل سے ہے نہ کہ پہلے کے قبیل سے۔

قوله : والمراد بها معانيها المصدرية الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ تمنی اور استفہام وغیرہ سے مراد ان کے معنی مصدری ہے یعنی تمنی اور استفہام پر مشتمل کلام کرنا نہ کہ وہ کلام مراد ہے جو اس پر مشتمل ہو اسلئے کہ مصنفؒ نے فرمایا "واللفظ الموضوع له كذا" جس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں فلاں الفاظ ان معانی کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں اور بولے جاتے ہیں مثلاً [لیت] معنی تمنی کیلئے مستعمل ہے۔ شارحؒ فرماتے ہیں کہ انشاء غیر طلبی پر اہل بلاغت بحث نہیں کرتے جیسے کہ افعال مقاربہ افعال مدح، وذم قعود کے صیغے قسم کے الفاظ وغیرہ ایک تو اسلئے کہ ان سے متعلق کوئی خاص بحث موجود نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اصل تو اخبار ہیں اور انشاء کی طرف منقول ہوئے۔

قوله : ان کان طلباً استدعی مطلوبا الخ ۔

اگرانشاء طلبی مانئے تو ایسے مطلوب کا تقاضہ کریگی جوطلب کے وقت حاصل نہ ہوورنہ تحصیل حاصل لازم آیگااوراگروہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہیں ہوسکتااوراس کوبحسب قرائن کسی معنی پرفٹ کیاجایئگاجیسے "یاایھاالذین امنوا اٰمنو ،یاایھاالنبی اتق اللہ " پہلے میں دوام ایمان،اوردوسرے میں دوام تقوی مرادہے ورنہ نفس ایمان اورنفس تقوی پہلے سے موجودہے۔

قوله : وانواعه کثیرة منها التمنی الخ ۔

اورطلب کی بہت ساری قسمیں ہیں ان میں سے ایک تمنی ہے ۔تمنی کہاجاتاہے شئی کوطلب کرنامحبت کی وجہ سےاوراس کیلئے لفظ[لیت] موضوع ہے جیسے لیت الشباب یعود ۔اورمتمنی کیلئے ممکن ہوناشرط نہیں ہے جب کہ ترجی کیلئے شرط ہے ۔اوراگرمتمنی ممکن ہوتواس کی حصول کی توقع اورامیدنہیں ہونی چاہیئے ورنہ وہ ترجی ہوگا۔

قوله : وقدیتمنی بهل الخ ۔

کبھی تمنی کیلئے[ھل] بھی استعمال ہوتاہے جیسے کہ "ھل لی من شفیع "جبکہ اس کوپتہ ہوکہ اس کیلئے کوئی شفیع نہیں ہے اسلئے کہ جب شفیع نہیں تواستفہام کیلئے نہیں مان سکتے اوراس مقام پر[لیت]کے بجائے[ھل]لیکرآنامتمنی کیلئے کمال رغبت کوظاہرکرناگویاکہ وہ ممکن ہے۔

قوله : وقدیتمنی بلَوْالخ ۔

کبھی تمنی حرف[لو]کے ذریعے ہوتی ہے جیساکہ"لوتاتینی فتحدثنی "کہ کاش آپ ہمارے پاس آتے اورہم سے باتیں کرتے ۔[تحدثنی] کامنصوب ہونااس بات پرقرینہ ہے کہ [لو]شرط کیلئے نہیں ہے بلکہ تمنی کیلئے ہے اسلئے کہ [ان] تمنی کے بعدمقدرہوتاہے نہ کہ حرف [لو]کے بعدجبکہ وہ شرط کیلئے ہے۔

قوله : وقال السکاکی کأنّ حروف التندیم والتحضیض الخ ۔

علامہ سکاکی نے فرمایاکہ گویاکہ یہ حروف تندیم اورحروف تحضیض جیساکہ "ھلا،لولا،لوما"یہ ماخوذہے[ھل]اور[لو]سے چنانچہ"لا""ھل"سے مل کر[ھلا]کبھی قلب کے ہمزہ کیساتھ [الّا]اور[لا][لو]کیساتھ مل کر[لولا]اور[ما]کیساتھ مل کر[لوما]تندیم اورتحضیض پردلالت

کرتے ہیں۔گویا کہ علامہ سکاکی کے نزدیک یہ حروف اپنے اصل پر نہیں ہے بلکہ [ھل]اور[لو] سے مرکب ہیں ۔جبکہ دوسرے حضرات کے ہاں یہ مستقل حروف ہیں اور یہ [لو،لا]اور[ما] کیساتھ مرکب اسلئے ہوتے ہیں تا کہ یہ تمنی کے معنی کو متضمن ہوجائے اور تمنی کے معنی کو متضمن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حروف اس ترکیب کے بعد فعل ماضی پر داخل ہوکر ندامت کے معنی پر دلالت کرے اور مضارع پر داخل ہوکر ابھارنے کے معنی پر دلالت کرے، تندیم اور ابھارنا امر محبوب پر ہوتا ہے جس کے اندر تمنی کا معنی پایا جاتا ہے۔جیسے تندیم کی مثال ''ھلا اکرمت زیداً'' کہ آپ نے زید کا اکرام کیوں نہیں کیا۔یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ اکرام کے لائق تھا اور آپ کو ترک اکرام پر نادم ہونا چاہیئے اور یہ ندامت تمنی کو متضمن ہے۔
تحضیض کی مثال''ھلا تقوم لزید '' آپ کو زید کیلئے کھڑا ہونا چاہیئے۔گویا''لیت تقوم '' کے معنی ہے کہ کاش آپ کھڑے ہوجاتے زید کے واسطے۔علامہ سکاکی نے''کأنّ'' کا لفظ لاکر عدم جزم کی طرف اشارہ کیا فرمایا کہ یہ بات یقینی نہیں ہے اور یہ عبارت بعینہ علامہ سکاکی کی عبارت نہیں ہے بلکہ اس کے کلام سے ماخوذ ہے۔

قوله : لتضمينها مصدر مضاف الخ ۔

مصدر ہے مضاف ہے مفعول کی طرف[ھما]ضمیر مفعول اول اور معنی التمنی مفعول ثانی ہے۔بعض نسخوں میں تضمن کو تفعل قرار دیا گیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ باب تفعیل سے ہے جیسا کہ ''مفتاح العلوم'' کا کلام ہے۔

قوله : وقد يتمنى بلعلّ الخ ۔

اور کبھی تمنی کا اظہار کیا جاتا ہے حرف[لعل] کیساتھ اس وقت[لعل][لیت] کے حکم میں ہوتا ہے چنانچہ اس کے جواب میں مضارع منصوب ہوتا ہے ''لعلی احج فازورك ''کاش میں حج کرتا۔متمنی کو امید سے دور ہونے کی وجہ سے تمنی قرار دیا گیا اور اسی لئے یعنی متمنی کے دور ہونے کی وجہ سے محالات اور ممکنات کو جس کے حصول کی امید بھی نہیں ہوتی تمنی قرار دیا جاتا ہے اگرچہ [لعل] کیساتھ ہو۔

قولہ : ومنھا الاستفھام الخ۔

انواع طلب میں سے دوسری قسم استفہام ہے۔

استفہام کا لغوی معنی ہے :پوچھنا۔اور اصطلاح میں شئ کی صورت کو جو ذہن میں ہوتی ہے حصول کی طلب کرنا۔اگر وہ صورت دو چیزوں کے درمیان وقوع نسبت اور لاوقوع نسبت کے بارے میں ہے تو تصدیق ہے اور اگر مسند مسند الیہ یا نسبت کے بارے میں ہے تو تصور ہے جو الفاظ استفہام کیلئے موضوع ہیں وہ یہ ہیں "ہمزہ ،ھل ،ما،من ،ای ،کم ،کیف ،این ،انی ،متی ،اور ایان" یہ کل تین قسم پر ہیں۔[۱] ھل صرف تصدیق کیلئے کے طلب کے واسطے آتا ہے۔

[۲] ہمزہ کے علاوہ باقی صرف تصور کیلئے آتے ہیں اور ہمزہ تصور اور تصدیق دونوں کیلئے آتا ہے یعنی عام ہے اسلئے اس کے بیان کو مقدم کیا چنانچہ فرمایا کہ ہمزہ طلب تصدیق کیلئے آتا ہے جیسا کہ "اقام زید" یہ جملہ فعلیہ کی مثال ہے۔ "ازیدقائم" یہ جملہ اسمیہ کی مثال ہے ۔دونوں مثالوں میں نسبت واقع ہو چکی ہے اور پوچھنے کا مقصد تصدیق کرنا ہے اور ہمزہ طلب تصور کیلئے بھی آتا ہے تصور مسند الیہ کی مثال "ادبسٌ فی الاناء ام عسلٌ" "برتن میں کسی شئ کا یقین تو ہے مگر تعیین مطلوب ہے کہ کونسی شئ ہے شیرا ءِ تمر ہے یا شہید ہے تصور مسند کی مثال ۔افی الخابیة دبسک ام فی الزق' ' آپ شیراءِ انگور صراحی میں ہے یا مشکیزے میں ۔اس مثال میں[خابیہ] اور[زق] میں سے ایک کی تعیین مطلوب ہے۔

قولہ : ولھذا ای لمجیء الھمزة لطلب التصور الخ ۔

اسی لئے ہمزہ تصور کو طلب کرنے کیلئے بھی آتا ہے طلب فاعل کی صورت میں "ازید قام" کہنا قبیح نہیں ہے جیسے "ھل زید قام" کہنا قبیح ہے اور تصور مفعول کی صورت میں "اعمرواعرفت" کہنا قبیح نہیں جیسے کہ "ھل عمرواعرفت" کہنا قبیح ہے۔

قولہ : لان التقدیم یستدعی حصول التصدیق الخ ۔

[ھل] کی صورت میں قبیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ [ھل] کی صورت میں فاعل یا مفعول کو مقدم کرنا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ تصدیق متکلم کو پہلے سے حاصل ہے اور [ھل] بھی تصدیق کیلئے آتا ہے تو حاصل شدہ شئ کو حاصل کرنا محال ہے بخلاف ہمزہ کے کہ وہ طلب تصور کیلئے

آتا ہے اسلئے ہمزہ کی صورت میں تعیین فاعل یا مفعول مقصود ہوگا جو پہلے حاصل نہیں تھی۔

قوله : وهذا ظاهر الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ علت مذکورہ تقدیم مفعول میں تو ظاہر ہے اسلئے کہ مفعول کو مقدم کرنے کا مقصد تخصیص پیدا کرنا ہے مگر تقدیم فاعل میں محل نظر ہے۔

قوله : والمسئول عنه بها الخ ۔

فرماتے ہیں کہ ہمزہ استفہام کے ذریعے اس چیز کا سوال کیا جاتا ہے جو ہمزہ استفہام کیساتھ متصل ہو جیسا کہ "اضربت زیدا" مسئول عنہا فعل ضرب ہے کہ وجود ضرب پایا گیا یا نہیں اور اس مثال میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہمزہ استفہام مسند کے تصور کے طلب کیلئے ہے کہ مسند کا وقوع مسند الیہ کیساتھ کس طریقے پر ہے کس نوع پر ہے فعل ضرب ہے یا فعل اکرام ہے۔ فاعل کی مثال "انت ضربت زیداً" مسئول عنہا فاعل معنوی [أنتَ] ہے۔

مفعول کی مثال "ازیداً ضربت" مسئول عنہا زید ہے اور یہی طریقہ کار ہے تمام معمولات کا۔

قوله : وهل لطلب التصديق فحسبُ الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ [هل] کے متعلق بحث کو شروع فرمانا چاہتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ [هل] صرف تصدیق کے طلب کے واسطے آتا ہے اور یہ جملہ فعلیہ پر بھی اور جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے "هل قام زید، هل عمرو قاعد" اسی لئے کہ [هل] تصدیق کے طلب کے واسطے آتا ہے "هل زيد قام ام عمرو" کہنا ممتنع ہے اسلئے کہ اس مثال میں [ام] متصلہ ہے منقطعہ نہیں ہے اور [ام] متصلہ دو امروں میں یقین کے واسطے آتا ہے اور یہ طلب تصور کی علامت ہے اسلئے کہ [ام] متصلہ اور [ام] منقطعہ میں ایک فرق یہ ہے کہ [ام متصلہ] کے بعد مفرد ہوتا ہے ۔اور [ام] منقطعہ کے بعد جملہ ہوتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ [ام] منقطعہ نفی اور اثبات کے درمیان دائر ہوتا ہے جبکہ [ام] متصلہ امرین میں یقین کے واسطے آتا ہے لہذا جب [ام] یقین کے واسطے ہے تو حکم پہلے سے حاصل ہوا جبکہ [هل] طلب حکم کے واسطے آتا ہے۔

قوله : ولو قلت الخ ۔

اگر آپ یوں کہدے "هل زيد قام" یعنی اسم پہلے ہو فعل بعد میں تو یہ صورت ممتنع

تو نہیں مگر قبیح ضرور ہے۔

قوله : ولهذا قبح الخ ۔

اور اسی لئے کہ [ھل] طلب تصدیق کیلئے ہے "ھل زیداً ضربت" کہنا قبیح ہے اسلئے کہ [زیداً] مفعول کو مقدم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ نفس فعل آپ کو پہلے سے حاصل ہے لہذا [ھل] کے ذریعے پھر طلب کرنا حصول حاصل ہے اور یہ محال ہے۔

قوله : وانما لم یمتنع لاحتمال ان یکون زیدا مفعول الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مثال مذکور قبیح تو ہے مگر ممتنع نہیں ہے اسلئے کہ احتمال ہے اس بات کا کہ زید فعل مذکور کا مفعول نہ ہو بلکہ فعل محذوف کا ہو تو لہذا التقدیم نہیں پایا گیا تو اختصاص نہیں پایا گیا اور حصول بھی نہیں پایا گیا یا زیداً فعل مذکور ہی کا مفعول ہو مگر تقدیم تخصیص کیلئے نہ ہو بلکہ اہتمام وغیرہ کیلئے ہو اسلئے قبیح کہا گیا ناجائز نہیں کہا گیا اگر چہ یہ دونوں تاویل خلاف اصل ہے اسلئے کہ پہلی صورت میں محذوف ماننا پڑتا ہے اور دوسری صورت میں تخصیص سے اعراض لازم آتا ہے جو کہ تقدیم میں اصل ہے "ھل زیداً ضربته" قبیح نہیں ہے اس لئے اس بات کا امکان موجود ہے کہ فعل مفسّر محذوف ہو زید سے پہلے اور اصل عبارت یوں ہو "ھل ضربت زیداً ضربته"۔

قوله : وجعل السکاکی الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ تقدیم مفعول حصول تصدیق کی علامت ہے نفس فعل کے پائے جانے کیساتھ "ھل رجلٌ عرف" کو علامہ سکاکی نے قبیح قرار دیدیا اسلئے کہ علامہ سکاکی کے مسلک کے مطابق "رجل عرف" کی اصل "عرف رجل" رجل عرف کی ضمیر سے بدل ہے اور [رجل] کو مقدم کیا گیا ہے تخصیص کے واسطے جب تخصیص سے تصدیق حاصل ہوگئی ہے تو "ھل رجل عرف" کہنا قبیح ہے۔

قوله : ویلزمه السکاکی الخ ۔

اس عبارت سے مصنفؒ نے سکاکی پر اعتراض کیا ہے کہ آپ کے مسلک کے مطابق "ھل زید عرف" کو قبیح نہیں ہونی چاہیئے اسلئے کہ یہاں زید معرفہ کی تقدیم تخصیص کے واسطے

نہیں ہے حالانکہ تمام نحاۃ کا اجماع ہے کہ یہ صورت قبیح ہے۔

قولہ : وفیہ نظر الخ ۔

یہ کہکر شارحؒ نے علامہ سکا کی کا دفاع کیا اور فرمایا کہ علامہ سکا کی پر یہ الزام دینا درست نہیں ہے اسلئے کہ قبیح کی علت مذکورہ (تقدیم) صورت میں منحصر نہیں ہوسکتا ہے کہ کسی اور علت کی وجہ سے ہو۔

قولہ : وعلل غیرہ الخ ۔

چنانچہ علامہ سکا کی کے علاوہ باقی حضرات نے "ھل رجل عرف ھل زید عرف" کی قبیح کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ [ھل] قد کے معنی میں ہے اور اصل میں "اَھل" تھا پھر استفہام کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ کو چھوڑ دیا اور قد فعل کے خواص میں سے ہے یعنی فعل پر داخل ہوتا ہے نہ کہ اسم پر لہذا [ھل] کو بھی فعل پر داخل ہونا چاہیئے نہ کہ اسم پر اور مذکورہ دونوں صورتوں میں [ھل] اسم پر داخل ہے اسلئے قبیح ہے۔

قولہ : وانما لم یقبح ھل زیدٌ قائمٌ الخ ۔

یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہے کہ اگر [ھل] کا اسم پر داخل ہونا ممتنع ہے تو "**ھل زیدقائم**" کیوں جائز ہے؟

جواب : لانھا اذالم تر.....سے وہ یہ ہے کہ اس صورت میں کہ [ھل] کے دونوں مدخول اسم ہوتو [ھل] اپنے دوست فعل کو نہ پانے کی وجہ سے بھول جائیگا اسلئے یہ صورت جائز ہے بخلاف مذکورہ دونوں صورتوں کے کہ وہاں اپنے اور فعل کے درمیان اسم کو حائل پا کر افتراق کو برداشت نہیں کرے گا اور تکلیف محسوس کریگا اور کسی کو تکلیف دینا قبیح یعنی بری بات ہے وہ ناجائز اور یہ جائز۔

قولہ : وھی ای ھل تخصص المضارع بالاستقبال الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ [ھل] مضارع کو معنی استقبال کیساتھ خاص کرتا ہے وضعانہ کہ قرینۃ جیسے کہ [س] اور [سوف] مضارع کو مستقبل کے ساتھ خاص کرتا ہے اسلئے کہ "ھل تضرب زیداًھواخوك" کہنا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ [ھل] کا تقاضہ استقبال ہے اور جملہ

حالیہ کا تقاضہ وقوع ضرب فی الحال ہے لہذا دونوں میں منافات ہے بخلاف "اتضرب زیدا وھو اخوک" یہ کلام درست ہے اسلئے کہ ہمزہ استفہام مضارع کو مستقبل کیساتھ خاص نہیں کرتا ان دونوں جملوں سے اور اس جیسے جملوں سے مقصد مخاطب کو فعل سے روکنا ہوتا ہے یعنی انکار فعل ہوتا ہے ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

قوله : وقولنا فی ان یکون الضرب واقعاالخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ [ھل] کا استعمال ہر اس مقام پر ممتنع ہے جہاں پر کوئی قرینہ لفظیہ یا حالیہ اس بات پر دلالت کر رہا ہو کہ انکار فعل فی الحال مراد ہے۔

قرینہ لفظیہ کی مثال مذکورہ ہے۔قرینہ حالیہ کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "اتقولون علی اللہ مالا تعلمون" دوسری مثال "اتؤذی اباک ،اتشتم الامیر" ان مثالوں میں زجر اور توبیخ ہے۔زجر اور توبیخ امر ماضی یا امر حال پر ہوتا ہے نہ کہ امر مستقبل پر اور ان مواقع میں [ھل] کا استعمال جائز نہیں ہے منافات کی وجہ سے۔

قوله : ومن العجائب ما وقع لبعضهم فی شرح الخ ۔

یہاں سے شارحؒ علامہ شیرازی وغیرہ پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے فہم وفراست پر ماتم کرتے ہیں کہ انہوں نے ان مواقع میں [ھل] کے ممتنع ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان مثالوں میں فعل مستقبل کو حال کیساتھ مقید کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں ہے اسلئے کہ استقبال اور حال میں منافات ہے۔شارحؒ نے اپنی عمر کی قسم کھاتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ ایسا جھوٹ ہے جس میں شک نہیں ہے اسلئے کہ اہل نحاۃ میں سے کسی نے ایسی مثالوں کو ممتنع نہیں کہا ہے اور کیسے کہہ سکتے ہیں جب کہ یہ صورتیں اور مثالیں قرآن میں واقع ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "سیدخلون جهنم داخرین" [سیدخلون] مستقبل کو [داخرین] حال کیساتھ مقید کیا گیا ہے۔"یوخرھم لیوم تشخص فیه الابصار مهطعین" اس آیت میں یوخر فعل مستقبل کو "مھطعین" حال کیساتھ مقید کیا گیا ہے۔اور شعراء کے کلام میں بھی اس طرح کی مثالیں بکثرت پائے جاتے ہیں جیسے شاعر حماسہ کا شعر۔

ساغسل عنی العار بالسیف جالبا : علی قضاء اللہ ماکان جالبا

ترجمہ : میں انقریب تلوار کے ذریعے عار کو اپنے سے دور کروں گا پھر اللہ کا فیصلہ جو چاہے میرے اوپر کھینچ لائے۔

قولہ : واعجب من هذا انه لما سمع قول النحاة الخ۔

اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ علامہ شیرازی اور اس کے متبعین نے جب نحویوں کا یہ اصول سن لیا کہ جملہ حالیہ کے شروع کو علامت استقبال سے خالی کیا جائے گا اسلئے کہ حال اور استقبال میں کھلی منافات ہے لہذا "یاتینی زید سیرکب" کہنا جائز نہیں ہے تو علامہ شیرازی وغیرہ نے یہ سمجھا کہ جملہ حالیہ کے عامل فعل کو علامت استقبال سے خالی کرنا ضروری ہے چنانچہ انہوں نے کہا کہ جملہ حالیہ کیساتھ "هل تضرب ستضرب لن تضرب" فعل لانا درست نہیں ہے۔ اور نحاۃ کی مثال کو دلیل میں پیش کیا اور ان بیچاروں نے یہ دیکھنا گوارہ بھی نہیں کیا کہ اس مثال میں علامت استقبال فعل عامل پر داخل نہیں ہے بلکہ حال پر داخل ہے۔

قولہ : ولاختصاص التصديق بها الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ [هل] کے دو چیزوں کیساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے اس کیلئے مزید اختصاص پیدا ہو گیا کہ اس کا زمانے پر دلالت کرنا زیادہ ظاہر ہے (دو چیزوں سے مراد تصدیق اور استقبال ہیں) [هل] کا مستقبل کیساتھ خاص ہونا تو ظاہر ہے اس لئے کہ جب [هل] مضارع کو مستقبل کیساتھ خاص کر دیگا تو اس کا فعل کیساتھ ایک تعلق قائم ہو گیا اسلئے کہ مستقبل نوع ہے اور مطلق فعل جنس ہے تو جس چیز کا تعلق نوع کیساتھ ہوگا اس کا تعلق جنس کیساتھ بھی ہوگا۔ اور فعل زمانے پر دلالت تضمنی کیساتھ دلالت کرتا ہے اسلئے کہ وہ اس کا جزء ہے جبکہ زمانہ اسم کے اندر وصف بن کر اس کو اس طرح عارض ہوتا ہے جیسا کہ لازم ملزوم کو تو اسم کا دلالت زمانے پر التزامی ہو گیا ہے اور [هل] تصدیق کیساتھ اسلئے خاص ہے اور طلب تصدیق کا تقاضہ اسلئے کرتا ہے کہ تصدیق اس حکم کا نام ہے جو اثبات یا نفی کی صورت میں ہوتا ہے اثبات اور نفی کا تعلق معانی اور احداث سے ہے اور معانی اور احداث افعال کے مدلولات ہیں۔ لہذا نتیجۃً [هل] کا تعلق تصدیق کیساتھ کیا گیا معانی اور احداث افعال کے مدلولات ہیں اور ذوات اسماء کے مدلولات ہیں تو [هل] کا دخول افعال پر اصالۃً ہے اور اسماء پر تبعاً ہے۔

قوله : ولهذا ای ولان لها مزید اختصاص بالفعل الخ ۔

اوراس لئے کہ [ھل] کا فعل کیساتھ خصوصی تعلق ہے "فھل انتم شاکرون" زیادہ دلالت والا ہے "فھل تشکرون" اور "فھل انتم تشکرون" سے اسلئے کہ جس چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے اس کی طلب بھی جلدی ہوتی ہے اور یہ معنی پہلے کے اندر پایا جاتا ہے اسلئے کہ وہ جملہ اسمیہ ہے جبکہ دوسری اور تیسری مثال دخول [ھل] کی وجہ سے استقبال کیساتھ خاص ہے جس میں رغبت اور چاہت کم ہے باوجود یہ کہ "ھل انتم تشکرون" میں تاکید زیادہ ہے اس لئے کہ "انتم تشکرون" فعل محذوف کا فاعل ہے گویا کہ اصل میں "تشکرون تشکرون" تھا۔ اور اسلئے بھی کہ ظاہر کرنا اس چیز کو جس میں تجدد چاہیئے ثبوت کیساتھ زیادہ قوی اور زیادہ دال ہے کمال عنایت پر کہ خصوصی توجہ کیساتھ وہ حاصل ہوتا ہے دوسری دونوں مثالیں اپنی اصل پر ہیں اسلئے کہ [ھل] فعل پر ہے۔ اور پہلی مثال اپنی اصل پر نہیں ہے اور گویا کہ اصل سے اعراض کیا گیا نکتے کی وجہ سے اور وہ نکتہ کمال توجہ ہے اور "فھل انتم تشکرون افانتم شاکرون" سے بھی زیادہ طلب شکر پر دال ہے اگر چہ یہ بھی جملہ اسمیہ ہے اور ثبوت کیلئے ہے اسلئے کہ [ھل] فعل کیساتھ خاص ہونے کی وجہ سے فعل کو طلب کرتا ہے جبکہ ہمزہ فعل کیساتھ خاص نہیں ہے اسم پر بھی داخل ہوتا ہے لہذا [ھل] کا اسم پر داخل ہونا کسی نکتے کی وجہ سے ہوگا اور وہ نکتہ شکر کی طرف کمال توجہ ہے۔

قوله : ولهذا ای ولان هل ادعى الفعل من الهمزة الخ ۔

اوراسی لئے کہ [ھل] طلب فعل کا مقتضی ہے "ھل زید منطلق" کہنا حسن نہیں ہے الّا یہ کہ کسی بلیغ کا کلام ہو کہ وہ کسی نکتے کی وجہ سے [ھل] کو اسم پر داخل کرتا ہو بخلاف غیر بلیغ کے کہ وہ نکات سے جاہل ہوتا ہے۔

قوله : وهى قسمان بسيطة الخ ۔

[ھل] کی دو قسمیں ہیں [۱] ھل بسیطہ [۲] ھل مرکبہ۔

بسیط کے دو معنی آتے ہیں [۱] ایک وہ جو اپنے جزء پر دلالت نہ کرے۔ اور [۲] دوسرا وہ جو اقل ہو بنسبت دوسرے کے۔

یہاں دوسرا معنی مراد ہے [ھل] بسیطہ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے شئی کے وجود فی الخارج یا عدم وجود فی الخارج کو طلب کیا جاتا ہے جیسے کہ "ھل الحرکۃ موجود" اس مثال میں متکلم کو حرکت کا وجود پہلے سے حاصل ہے صرف وجود فی الخارج کو طلب کر رہا ہے۔

[ھل] مرکبہ جس کے ذریعے وجود الشئی للشئی کو طلب کیا جاتا ہے کہ فلاں شئی فلاں کیلئے ثابت ہے یا نہیں ہے جیسے کہ "ھل الحرکۃ دائمۃ او لا دائمۃ" کیا حرکت دائمی ہے یا عدم دائمی ہے۔

قوله : وقد اعتبر فی ھذا شیئان الخ۔

بسیطہ اور مرکبہ میں فرق یہ ہے کہ بسیطہ میں صرف وجود موضوع کو طلب کیا جاتا ہے فی نفسہ وفی ذاتہ جبکہ مرکبہ میں ثبوت موضوع اور محمول للموضوع کو طلب کیا جاتا ہے لہذا یہ ایک دوسرے کی نسبت سے مرکب اور بسیط ہے۔

قوله : والباقیة من الفاظ الاستفهام الخ۔

استفہام کے باقی حروف طلب تصور میں سب مشترک ہیں البتہ جہت متبوع میں فرق ہے چنانچہ ما کے ذریعے کبھی کسی شئی کی تشریح مطلوب یعنی مفہوم اجمالی جس کو ماشارحہ کہتے ہیں جیسے کہ "ما العنقاء" جواب میں ایسا لفظ لایا جاتا ہے جو اس کیلئے مشروع ہو اور کبھی ما کے ذریعے کسی شئی کی حقیقت مطلوب ہوتی ہے جس کو ما حقیقیہ کہا جاتا ہے جیسے "ما الحرکۃ" کہ حرکت ذات کے اعتبار سے کیا چیز ہے تو جواب ذاتیات سے دیا جاتا ہے۔

قوله : وتقع فی الترتیب بینھما الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ترتیب خارجی کے اعتبار سے ماشارحہ پہلے ہوتا ہے پھر [ھل] بسیطہ ہوتا ہے پھر ما حقیقیہ ہوتا ہے اسلئے کہ سب سے پہلے کسی شئی کے مفہوم کو طلب کیا جائے گا پھر اس کے وجود فی الخارج کو طلب کیا جائیگا پھر اسکی حقیقت کو پہچانا جائیگا۔

قوله : اذ لا حقیقۃ للمعدوم ولا ماھیۃ الخ۔

اسلئے کہ اگر کسی شئی کی حقیقت اور ماہیت خارج میں موجود نہیں ہوگا تو اسکی حقیقت اور ماہیت بھی مطلوب نہیں ہوگی لہذا ما حقیقیہ کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا۔

قوله : والفرق بين المفهوم من الاسم بالجملة الخ ۔

یہاں سے شارحؒ بعض لوگوں پر رد کرنا چاہتے ہیں جو ماشارحہ اور حقیقیہ کو شئی واحد تصور کرتے ہیں اسی طرح حد اور محدود کو بھی ایک ذات کیساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے شئی واحد متصور کیا جائیگا چنانچہ شارحؒ نے فرمایا کہ دونوں میں فرق واضح ہے اسلئے کہ مفہوم اجمالی کو طلب کرنے کا نام ماشارحہ اور ماہیت تفصیلی کو طلب کرنے کا نام ماحقیقیہ اور حد ہے چنانچہ پہلے کے ذریعے ہر اس شخص سے سوال کر سکتے ہیں جو عالم باللغۃ ہو اور شئی کے بارے میں کچھ نا کچھ معلومات رکھتا ہو جبکہ ماتفصیلیہ اور حد کے ذریعے سوال اس شخص سے کیا جاتا ہے جو علم منطق میں مہارت رکھتا ہو اور حقیقت اشیاء اور مفہومات اشیاء سے بخوبی واقف ہو۔

قوله : فالموجودات لما كان لها حقائق و مفهومات الخ ۔

موجودات سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا نفس الامر میں پایا جانا ممکن ہو ان کیلئے حقائق اور مفہومات ہوتے ہیں اسلئے ان کیلئے حد حقیقی بھی جائز ہے اور اسمی بھی جائز ہے یعنی حد تام بھی اور حد ناقص اور اسم وغیرہ بھی اور جو چیزیں معدومات کے قبیل سے ہیں جن کیلئے صرف مفہومات ہوتے ہیں ان کیلئے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسلئے ان کیلئے کوئی حد تام بھی نہیں ہوگی البتہ ماشارحہ کیساتھ سوال کیا جاسکتا ہے۔

قوله : لان الحدالخ ۔

اسلئے کہ کسی شئی کی حد نہیں ہوسکتی جب تک اس کا خارج میں موجود ہونا معلوم نہ ہو اسلئے کہ تعلیم کے اندر جب کوئی باب قائم کیا جاتا ہے یا کوئی فصل قائم کیا جاتا ہے تو شروع میں اس کا اجمالی تعارف کیساتھ اس کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے تو اس کیلئے حد اسمی ثابت ہوتی ہے پھر جب اس پر آگے چل برہان قائم کیا جاتا ہے تو یہی چیز حد بن جاتی ہے اسلئے کہ دلیل کے ذریعے اس کی حقیقت کو پہچانا جاتا ہے تمام تفصیلات شیخ کی کتاب ''الشفاء'' میں موجود ہیں۔

فائده : پہلے کو حد بحسب الاسم کہا جاتا ہے اور دوسرے کو حد بحسب الحقیقۃ کہا جاتا ہے۔

قوله : ويطلب بمن الخ ۔

[من] کے ذریعے اس عارض کو طلب کیا جاتا ہے جو ذی علم اور ذی عقل کو متعین اور مشخص کردے

خواہ کسی بھی اعتبار سے ہو جیسا کہ "من فی الدار" کے سوال کے جواب میں زید یا ایسا لفظ یا وصف بولا جائے جو اس من کے مصداق کو واضح کر دے۔

قوله : وقال السکاکی یسأل بما عن الجنس الخ۔

علامہ سکاکی نے فرمایا کہ ما کے ذریعے ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کے جنس کو طلب کیا جاتا ہے جیسے کہ "ما عندک" کا مطلب ہے "ای اجناس الاشیاء عندك" جواب میں کتاب، فرس، قلم وغیرہ واقع ہوگا اور ما کے ذریعے کبھی ماہیت حقیقیہ کو طلب کیا جاتا ہے جیسے "ما الكلمة" کلمے کی حقیقت کیا ہے۔ جواب ہوگا "لفظٌ موضوعٌ مفردٌ" سے اور ما کے ذریعے کسی شئی کی وصف کو بھی طلب کیا جاتا ہے جیسے "ما زید" جواب ہوگا شریف آدمی۔

علامہ سکاکی کے بقول [من] کے ذریعے ذی علم کے جنس کو طلب کیا جاتا ہے جیسا کہ "من جبریل" کا مطلب ہوگا اس کی جنس کیا ہے، بشر ہے فرشتہ ہے یا جن تو جواب میں مَلَکٌ واقع ہوگا۔

مصنف فرماتے ہیں کہ علامہ سکاکی کا یہ مسلک درست نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ [من] کے ذریعے اس شئی کو طلب کیا جاتا ہے جو ذی علم کو متعین کر دے کما انفا۔ چنانچہ "من جبرایل" کے جواب میں بجائے "ملک" کے یہ کہا جائے ایک فرشتہ ہے جو انبیاء کے پاس وحی لیکر آتے ہیں۔

قوله : ویسأل بأیّ عمّا یمیز به الحد الخ۔

[ای] کے ذریعے اس چیز کو طلب کیا جاتا ہے جو کسی شئی کو ممتاز کر دے اس کی مشارکات سے جیسے "أیُّ الفریقین خیرٌ مقاماً" کفار مکہ نے یہود سے سوال کیا کہ ہم دونوں فریقوں میں کونسا فریق بہتر ہے ہم یا اصحاب محمد ﷺ جواب میں بجائے اصحاب محمد ﷺ کے یہود نے "انتم" کہا۔

قوله : ویسأل بِکَمْ عن العدد الخ۔

اور [کم] کے ذریعے عدد معین کو طلب کیا جاتا ہے۔ اور اس سے کبھی شئی کی کثرت

بتلانا مقصود ہوتی ہے۔اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ جیسے "سَلْ بَنِی اسرائیلَ کَمْ اٰتَیْنَاھم من اٰیَةٍ بَیِّنَةٍ" یعنی "عشرین ثلاثین" یا "اربعین" وغیرہ "من آیة" میں [من] تمیز اور مفعول کے درمیان فرق کیلئے لایا گیا کہ یہ تمیز ہے مفعول نہیں ہے۔اور یہ اس وقت لایا جاتا ہے جب فعل متعدی ہو اس آیت میں سوال سے مراد زجر اور توبیخ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو عدد پہلے سے معلوم ہے۔

[کیف] کے ذریعے حال کو طلب کیا جاتا ہے۔اور [این] کے ذریعے مکان کو طلب کیا جاتا ہے۔اور [متی] کے ذریعے زمان کو طلب کیا جاتا ہے چاہے ماضی ہو یا مستقبل ہو اور [ایان] سے مستقبل کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔

قوله : قيل ويستعمل في مواضع التفخيم الخ ـ

بعض حضرات نے فرمایا کہ [ایان] عظمت کے مقام پر استعمال ہوتا ہے جیسے "ایان یوم الدین" روز جزاء کا دن کب ہے۔

قوله : وأنىٰ تستعمل تارة بمعنى كيف الخ ـ

[انی] کیف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کے بعد فعل کا ہونا واجب ہے جیسے "فاتوا حرثکم انی شئتم :ای علی ای حال شئتم" اور کبھی [من این] کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے "انی لک ھذا" آپ کیلئے رزق کہاں سے آیا۔

قوله : يستعمل اشارة الى انه الخ ـ

شارح فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے [انی] کیلئے یستعمل کا لفظ استعمال کیا وضع کا لفظ نہیں اسلئے کہ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ دونوں معنوں میں مشترک ہے۔اور بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ ایک میں حقیقت ہے دوسرے میں مجاز ہے اور [انی] میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی صرف [این] ہے [من این] نہیں ہے البتہ استعمال ان کا [من] کیساتھ ہوتا ہے کبھی ظاہراً جیسے "من انی عشرون لنا" مقدر کی مثال "انی لک ھذا" یہ کلمات استفہامیہ کبھی مجازاً غیر استفہام میں بھی مستعمل ہوتا ہے قرائن کے اعتبار سے جیسے کہ "کم دعوتک" کتنی بار آپ کو بلاؤں مقصود تاخیر کی وجہ بتلانا ہے سستی کو بتلانا ہے، تعجب کیلئے آتا ہے جیسے "مالی

لااری الهدهد" اس مثال میں استفہام کا معنی مقصود نہیں ہے بلکہ تعجب مقصود ہے اور صاحب کشاف نے اس کو استفہام ہی پر محمول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے پہلے [هدهد] کے جگہ کی طرف دیکھا جب اس کو نظر نہیں آیا تو اس نے اس سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا "ام کان من الغائبین" کہ کیا غائب ہے۔ گویا کہ پہلے اپنا محاسبہ کیا اور پھر اس کو غائب میں شمار کیا۔ کبھی گمراہی پر تنبیہ کیلئے [این] کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے جیسے "فاین تذهبون" یعنی آپ لوگ غلط راستے پر جا رہے ہیں۔ وعید کیلئے جیسا کہ متکلم مخاطب سے کہے کہ کیا میں نے فلاں کو ادب نہیں سکھایا مقصد اس کو دھمکی دینا تھا کہ آپ کو بھی سکھاؤں گا۔ امر کے واسطے آتا ہے جیسے کہ "فهل انتم مسلمون" یا مخاطب کو اقرار پر اعتراف دلانے کیلئے آتا ہے اور مقر بہ وہ شئی ہوتی ہے جو ہمزے کیساتھ متصل ہو، چاہے وہ فعل ہو یا فاعل ہو یا مفعول ہو جیسا کہ فعل کی مثال "اضربت زیدا" فاعل کی مثال "انت ضربت" مفعول کی مثال "ازیدا ضربت" ان تینوں میں جس شئی کا اقرار کروانا ہے وہ ہمزے کے بعد والی شئی ہے پہلے میں فعل دوسرے میں فاعل اور تیسرے میں مفعول اور کبھی تقریر کے بجائے تحقیق تثبت مقصود ہوتی ہے چنانچہ "اضربت زیدا" کا معنی "انک ضربته البتة" کہ بیشک یقینی طور پر آپ نے اس کو مارا۔

قوله : والانکار کذالک الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مقر بہ ہمزے کیساتھ متصل ہوتا ہے اسی طرح منکر بھی متصل ہوتا ہے اور منکر کبھی فعل ہوتا ہے جیسے امرء القیس کا شعر۔

انقتلنی والمشرفی مضاجعی :

کیا آپ مجھے قتل کروگے حالانکہ مشرفی تلوار میرے پہلوں میں ہے۔ یعنی آپ مجھے قتل نہیں کرسکتے۔

منکر فاعل کی مثال "اهم یقسمون رحمة ربک" کیا وہ لوگ تیرے رب کے رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ یعنی وہ تقسیم نہیں کرسکتے ہیں۔

مفعول کی مثال "اغیر الله اتخذوا ولیا" کہ اللہ کے سوا کسی غیر اللہ کو کارساز بنایا ہے یعنی

غیر اللہ کو نہیں بنانا چاہیئے۔

قولہ : واما غیر الھمزہ فیجیء للتقریر والانکار الخ۔

ہمزہ کے علاوہ دوسرے حروف تقریر اور انکار کیلئے آتے ہیں لیکن فعل فاعل اور مفعول والی صورتیں جاری نہیں ہوگی اور ہمزہ کی طرح کثرت سے استعمال نہیں اسلئے اس سے بحث نہیں کرتے۔

قولہ : ومنہ ای من مجیء الھمزۃ للانکار الخ۔

کہ ہمزہ استفہام کو منکر پر داخل کیا جاتا ہے جیسے کہ یہ آیت "الیس اللہ بکاف عبدہ" کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیلئے کافی نہیں ہے۔ یعنی کافی ہے اسلئے کہ ہمزہ انکاری اور [لیس] جمع ہوگئے اور نفی کی نفی اثبات ہوتا ہے۔ لہذا مراد یہ ہے کہ اللہ کافی ہیں اور یہی مراد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے ہمزہ کو تقریر کیلئے مانا ہے اور انہوں نے کہا کہ نفی یعنی ہمزہ استفہام "ھو اللہ" یعنی "اللہ کاف" پر داخل ہے نہ کہ [لیس] پر (سوال ہو نفی سے مراد ہمزہ ہے) پھر سوال ہوا کہ اس تفصیل سے مصنف کا بیان کردہ اصول ٹوٹ گیا اسلئے کہ ہمزے سے متصل [لیس] ہے نہ کہ "اللہ کاف" شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ ان لوگوں کے ہاں مقر بہ کا متصل ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ تقریر اس حکم کی ہوتی ہے جو مخاطب کو اثباتاً یا نفیاً معلوم ہو اثبات کی مثال مذکورہ آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کافی ہونا معلوم تھا اسلئے اس کا اقرار کروایا گیا اور نفی کی مثال قولہ تعالیٰ "ءانت قُلتَ للناس اتخذونی الخ" اس آیت میں ہمزہ استفہام اس بات کو بتلانے کیلئے ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے یہ نہیں فرمایا۔ یعنی نہ کہنے کا اقرار ہے نہ کہ کہنے کا۔

قولہ : ولما کان لہ صورۃ اخری الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر دو صورتیں ہیں۔

[۱] ایک صورت یہ ہے کہ فعل منکر ہمزے کیساتھ متصل ہو جیسا کہ سابق میں بتلایا گیا اور [الیس] کو بھی اس پر محمول کر لیا گویا کہ اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کا اقرار کر لیا گیا ہے۔

[۲] اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ فعل منکر ہمزے کیساتھ متصل نہ ہو بلکہ اس کا معمول اور اس کا متعلق اس کے ساتھ متصل ہو جیسا کہ "ازیداً ضربت ام عمرواً" اس شخص کیلئے

جو وقوع ضرب میں متردد ہو زید اور عمرو کے درمیان انکے علاوہ کا معتقد نہ ہو اس مثال میں جب فعل کے متعلق کا انکار کیا گیا ہے جو کہ فعل کیلئے محل ہے تو کنایۃً فعل کا بھی انکار کیا گیا اسلئے کہ فعل کیلئے کسی محل کا ہونا ضروری ہے اور اس صورت میں [ام] یا [او] کے ذریعے متعلق فعل کسی شئی کو عطف کیا جاتا ہے۔

قولہ : والانکار اما للتوبیخ الخ۔

استفہام انکار کبھی زجر کیلئے آتا ہے جیسے کہ " أعصیت ربک " یعنی آپ کو اپنی رب کی نافرمانی نہیں کرنا چاہیئے یہ ماضی کی مثال ہے اور کبھی مستقبل کے طور پر بھی ہوتا ہے جیسے کہ "اتعصی ربک " کبھی تکذیب کیلئے آتا ہے ماضی میں ہو یا مستقبل میں ہو۔ ماضی کی مثال " فَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ " کہ تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے لئے اولاد چن لیا ہے جھوٹ اور غلط ہے۔ مستقبل کی مثال "أنلزمکموها وأنتم لها کارهون " کیا ہم ہدایت اور حجت کو یعنی اسلام کو زبردستی تمہارے اوپر مسلط کریں گے۔ یعنی ایسا نہیں کریں گے۔ اور کبھی استہزاء کیلئے آتا ہے جیسے کہ "أصلوتک تأمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَايَعْبُدُ اٰبَائُنَا" کہ حضرت شعیبؑ کثیر الصلوۃ تھے اسلئے قوم نے مذاقاً کہا کہ تمہاری نماز اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے اباء کے معبودوں کو چھوڑ دے یہ استفہام حقیقتاً نہیں ہے بلکہ استہزاءً ہے کبھی تحقیر کیلئے استفہام ہوتا ہے جیسے کہ " من هذا" یہ کون ہوتا ہے کبھی ڈرانے کیلئے ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ "ولقد نجّینا بنی اسرائیل منَ العذاب المُهِیْن مَنْ فِرْعَوْن" اس آیت میں [مَنْ فِرْعَوْنُ] ابن عباسؓ کے روایت کے مطابق استفہام کیساتھ ہے [مِنْ] کیساتھ نہیں ہے اس روایت کے مطابق اس آیت کا مطلب ہے کہ بنی اسرائیل کو ہم نے نجات دیدی اس دردناک عذاب سے جو فرعون نے ان پر مسلط کیا تھا اور فرعون کون تھا۔ یعنی اس کے معذب ہونے کا کیا حال ہوگا اسلئے مزید ہولنا کی کو بیان کرنے کیلئے آگے فرمایا کہ "انه كان عاليا من المسرفين " کہ وہ حد سے بڑھنے والا تھا حاصل یہ ہے کہ جب خود دوسروں کو عذاب نہیں دے رہا ہے تو خود اس کا عذاب کتنا خوفناک ہوگا اور استفہام استبعاد کیلئے آتا ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ "أنّٰی لَهُمُ الذِّكْرٰی " ان کیلئے نصیحت

کہاں ہے اس استبعاد پر قرینہ یہ آیت ہے "وقد جاء ھم رسول مبین" کہ یہ لوگ کس طرح نصیحت حاصل کریں گے حالانکہ ان کے پاس نصیحت سے بڑھ کر چیز آئی اور وہ دخان کا اٹھ جانا ہے۔ دخان سے کیا مراد ہے اس میں دو روایتیں ہیں۔

[۱] ایک یہ کہ علامات قیامت میں سے ہے قرعدن سے ایک خوف ناک آگ اٹھے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف ہنکائے گی جس سے کفار کو تکلیف پہنچے گی اور ہلکا سا دھواں مومنین تک پہنچے گا، جو مشرق سے مغرب تک پھیلے گی۔

[۲] اور دوسری روایت یہ ہے کہ قریش کے تکالیف کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کفار کے مقابلے میری مدد فرما ان سات سالوں کی طرح جو حضرت یوسفؑ کے قوم پر آیا تھا اور وہ ہے قحط۔ لہٰذا اس بدعا کی وجہ سے قوم شدید مشکلات سے دوچار ہوگئی یہاں تک کہ بھوک کی شدت کی وجہ سے جب آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے تھے تو دھواں نظر آتا تھا تو پھر حضرت سفیانؓ نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی پھر اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے نجات دلایا۔ یہاں بظاہر دوسری روایت مراد ہے۔

قوله : ومنها الامر هو طلب فعل الخ۔

انواع طلب میں سے ایک نوع امر ہے۔ امر کہا جاتا ہے فعل کو طلب کرنا بطور استعلاء کے "غیر کف" رکنے کے بغیر، امر کے صیغے معانی کثیرہ کیلئے استعمال ہوتے ہیں اور امر کے حقیقی معنی میں اختلاف ہے کسی بھی طرف کوئی قطعی دلیل نہیں ہے بلکہ قرائن کے اعتبار سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اسلئے مصنفؒ نے فرمایا کہ ظاہر یہی ہے کہ امر کا صیغہ مقترن باللام ہو یا بغیر لام اس کو وضع کیا گیا ہے فعل کو طلب کرنے کے واسطے اپنے آپ کو عالی سمجھتے ہوئے چاہے وہ عالی حقیقت میں ہو یا نہ ہو اسلئے کہ امر کے صیغے کے سننے سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے اور ذہن کا کسی معنی کی طرف منتقل ہونا اس کے حقیقی ہونے کی قوی دلیل ہے۔

قوله : وقد تستعمل صيغة الامر لغيره الخ۔

کبھی امر کا صیغہ غیر طلب کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً اباحت کیلئے جیسے "جالس الحسن او ابن سیرین" کہ حسن کیساتھ بیٹھ جاؤں یا ابن سیرین کیساتھ۔ یا دونوں کیساتھ یا کسی

کیساتھ بھی نہیں بیٹھو۔ کبھی تہدید کیلئے (ڈرانے کیلئے) آتا ہے جیسے "اعملوا ماشئتم" اپنی خواہش پر چلو پتہ چل جائیگا۔ تہدید عام ہے انذار خاص ہے اسلئے تہدید کا معنی مطلق ڈرانا ہے اور انذار کا معنی دعوت کیساتھ ڈرانا۔

قوله : اولتعجيزالخ ـ

مخاطب کے عجز کو بتلانے کیلئے بھی آتا ہے جیسے کہ "فاتوا بسورة مِّنْ مِّثْلِه" اس آیت میں طلب سورۃ مراد نہیں ہے بلکہ ان کے عجز کو بتلانا مقصود ہے من مثلہ یا تو [فاتوا] کے متعلق ہے اور ضمیر [عبدنا] کی طرف راجع ہے اور ظرف لغو ہے۔ یا کسی سے متعلق ہو کر سورۃ کی صفت ہے اور ظرف مستقر ہے اس صورت میں ضمیر [نزلنا] کی طرف راجع ہو سکتی ہے اور [عبدنا] کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔

قوله : فان قلت لا يجوز على الاول الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ ظرف لغو کی صورت میں ضمیر [نزلنا] کی طرف راجع کیوں نہیں ہو سکتی۔

قوله : قلت لانه يقتضى الخ ـ

اس سے شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اگر ضمیر کو اس صورت میں [نزلنا] کی طرف لوٹائے تو ترجمہ یوں ہوگا کہ [ما نزلنا] کے مثل سے ایک سورۃ لیکر لاؤ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مثل قرآن تو ثابت ہے مگر اس سے سورۃ لانے سے عاجز ہیں حالانکہ اس آیت کا مطلب مثل قرآن کی نفی کرنی ہے اسلئے [عبدنا] کی طرف راجع ہو سکتی ہے نہ کہ [نزلنا] کی طرف۔

فائدہ : اس مقام پر دو چیزیں ہیں۔ [۱] ماأتی بہ جس کو لایا گیا۔
[۲] ماأتی منہ جس سے لایا گیا اور مقصود ماأتی منہ کی نفی کرنی ہے یعنی مثل قرآن کی برخلاف اگر ہم اس کو صفت قرار دیدیں۔
سُوْرَۃٌ کی تو مطلب یہ ہوگا کہ [ما نزلنا] کے مثل سورۃ لیکر لاؤ اور یہی مقصود ہے۔

قوله : قلت الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر سوال ہو سکتا ہے۔
سوال : یہ ہے کہ جب وہ مثل سورۃ نہیں لا سکیں گے تو مثل قرآن کی بھی نفی ہوگئی تو پھر کوئی

اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔

قولہ : قلت الخ۔

اس عبارت سے مذکورہ سوال کا جواب دیا ہے۔

جواب : یہ ہے کہ احتمال احتمال عقلی ہے اور بلغاء کے کلام میں اس طرح کے اعتبارات کی گنجائش نہیں ہے۔یعنی بلغاء اس احتمال کا اعتبار نہیں کرتے۔

قولہ : ولتسخیر الخ۔

کبھی امر تسخیر کے واسطے آتا ہے یعنی ذلیل بنانے کیلئے یعنی "کونوا قردۃ خاسئین" تسخیر کہا جاتا ہے ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف منتقل ہونا جب کہ دوسری حالت اولی نہ ہو۔

قولہ : والاھانۃ الخ۔

کبھی امر اہانت کیلئے آتا ہے جیسے کہ "کونوا حجارۃ او حدیدا" ان دونوں مثالوں میں لوھا اور پتھر بنا ان کی قدرت میں نہیں ہے لہذا طلب محال ہے اسلئے تسخیر اور اہانت مقصود ہے البتہ تسخیر میں فعل کا حصول ممکن ہے مگر اہانت میں فعل کا حصول ممکن نہیں ہے۔

قولہ : اوالتسویۃ الخ۔

اور کبھی امر فعل کے دونوں جہتوں کے برابری کو بتلانے کیلئے آتا ہے جب کہ مخاطب کا گمان یہ ہو کہ ان میں سے ایک جہت انفع اور افضل ہے جیسے " اصبروا اولا تصبروا" کہ جھنم میں جانے کے بعد صبر کرنا اور صبر نہ کرنا دونوں برابر ہے اباحت میں مخاطب امر سے پہلے فعل کو ممنوع سمجھتا ہے جب کہ تسویہ میں ایک جہت کو انفع سمجھتا ہے۔

قولہ : اوالتمنی الخ۔

امر کبھی تمنی کیلئے آتا ہے شعر۔

الاایھا اللیل الطویل ألا انجلی : بصبح وما الاصباح منک بامثل

ترجمہ : اے طویل رات صبح کیساتھ روشن ہو جا لیکن صبح ہونا بھی آپ سے افضل نہیں ہے اسلئے

کہ مصائب کے اعتبار سے دن رات میرے لئے برابر ہے چونکہ روشن ہونا رات کا اسکی قدرت میں نہیں ہے اسلئے طلب کرنا محال ہے اور شاعر کو رات کے روشن ہونے میں کوئی امید نہیں ہے اس کی طوالت کی وجہ سے اسلئے اس کو تمنی قرار دیا نہ کہ ترجی۔

کبھی امر دعا کیلئے بھی آتا ہے یعنی انکساری کیساتھ فعل کو طلب کرنا جیسے "رب اغفرلی" کبھی امر التماس کیلئے بھی آتا ہے جبکہ مخاطب مرتبے کے لحاظ سے متکلم کے مساوی ہو بغیر استعلاء کے فعل طلب کرنا۔

قوله : فان قيل أى حاجة الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ تسویہ کے بعد بدون استعلاء کی قید کی ضرورت نہیں تھی۔ شارحؒ نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے اسلئے کہ استعلاء عالی ہونے کو مستلزم نہیں ہے بسا اوقات بندہ عالی نہیں ہوتا پھر بھی امر کرتا ہے اسلئے ایک کا ذکر دوسرے سے مستغنی کر دیتا ہے۔

قوله : ثم الامر قال السكاكى حقه الفور الخ۔

امر کا موجب کیا ہے علامہ سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ امر کے صیغہ سے متبادر الی الفہم وجوب فی الفور ہوتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ ایک چیز کے حکم دینے کے بعد اس کو تبدیل کر کے جب دوسری چیز کا حکم دیا جاتا ہے تو اس وقت بھی دوسرا مامور مراد ہوتا ہے ان دونوں کو جمع کرنا یا ان کے درمیان تراخی کو ثابت کرنا مراد نہیں ہوتا جیسا کہ کوئی آقا اپنے غلام سے کہدے کہ قُمْ اور پھر فوراً کہدے "اضطجع حتى المساء" اس کلام سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آقا نے غلام کو اضطجع کا حکم دیا ہے شام تک۔

قوله : وفيه نظر الخ۔

کہ ہم آپ کے اس دلائل کو تسلیم نہیں کرتے اسلئے کہ یہ تو قرائن کے ساتھ مقصود ہوتے ہیں لیکن جب مقام قرائن سے خالی ہو پھر امر سے کیا مراد ہے تو اس وقت وجوب فی الفور پر کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

قوله : ومنها اى ومن أنواع الطلب النهى الخ۔

انواع طلب میں سے ایک نہی ہے۔ نہی کہا جاتا ہے مخاطب کو فعل سے روکنا استعلاء کے

طور پر اور اس کیلئے ایک ہی صیغہ ہے جو [لا] جازمہ کیساتھ استعمال ہوتا ہے اور نہی بھی کبھی استعمال ہوتا ہے دوسرے معنی میں جس میں فعل سے روکنا مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے نہی کا معنی "کف عن طلب الفعل" اور بعض نے اس کا معنی ترک فعل لکھا ہے۔ نہی کبھی تہدید کیلئے آتی ہے جیسے نافرمان غلام سے آقا کا یہ کہنا "لا تمتثل امری" کہ میرا حکم نہیں مانو مقصود دھمکی دینا ہے۔ اور دعا اور التماس کیلئے بھی آتا ہے۔ دعا کی مثال "لا تحمل علینا الخ"۔

قوله : وهذه الاربعة يجوز تقدير الشرط بعدها الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ چار چیزیں (تمنی، استفہام، امر، نہی) ان چاروں کے بعد شرط مقدر ماننا جائز ہے حرف اِن کیساتھ اور مذکورہ فعل کو ان کیلئے جزاء تسلیم کیا جائیگا اور دونوں صیغے ملزوم ہوں گے یعنی شرط اور جزاء ہوں گے جیسے کہ تمنی کی مثال "لیت لی مالا اُنفِقُه" تقدیری عبارت یوں ہوگی "اِنْ اُرزَقْهُ اُنفِقْهُ"۔ استفہام کی مثال "این بیتک ازرک" تقدیری عبارت یوں ہوگی "اِنْ تُعَرِّفْنِيهِ اَزُرْكَ"۔ امر کی مثال "اکرمنی اکرمک" تقدیری عبارت یوں ہوگی "ان تکرمنی اکرمک"۔ نہی کی مثال "لاتشتم یکن خیرا لک" تقدیری عبارت یوں ہوگی "ان لاتشتم یکن خیرا لک"۔

قوله : وذلك لان الحامل الخ۔

ان چاروں کے بعد شرط مقدر ماننے کے بعد شرط ماننے کی دلیل اور وجہ یہ ہے کہ متکلم کلام طلبی سے کبھی اس کے مدلول کو طلب کرتا ہے اور وہ کلام طلبی متکلم کا مقصود لذاتہ ہوتا ہے اگرچہ یہ نادر الوقوع ہے اور کبھی وہ کلام طلبی غیر کیلئے موقوف علیہ ہوتا ہے اور وہ غیر اس کیلئے موقوف ہوتا ہے وہ غیر مقصود لذاتہ ہوتا ہے تو گویا کہ ایک چیز دوسرے کے اوپر موقوف ہوگیا یہی معنی ہے شرط کا۔ معلوم ہوا کہ چاروں شرط کے معنی کو متضمن ہیں اسلئے ان کے بعد شرط ماننا جائز ہے۔

قوله : ولما جعل النحاة الاشياء الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر سوال ہو سکتا تھا کہ جن چیزوں کے بعد شرط مضمر ہوتا ہے وہ پانچ ہیں عند النحاۃ جب کہ مصنفؒ نے چار ذکر کیا ہیں۔

قوله : واما العرض الخ ـ

اس عبارت سے مذکورہ سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

جواب : دیا کہ عرض جو پانچویں قسم ہے وہ درحقیقت استفہام میں داخل ہے اسلئے کہ عرض میں ہمزہ استفہام کیلئے ہوتا ہے اور داخل ہوتا ہے فعل منفی پر مگر اس کو حقیقت استفہام پر داخل کردینا ممنوع ہے اسلئے کہ شرط کا نہ پایا جانا معلوم ہے پھر بھی اس کا ذکر کردینا درخواست اور التماس کرنا ہے کہ آپ کو ایسا کرنا چاہیئے تھا جیسا کہ "ان تنزل بنا فتصیب خیرا" تو عدم نزول معلوم ہے پھر بھی اس کا تذکرہ مخاطب سے نزول کو طلب کرنا ہے کہ آپ کو ایسا کرنا چاہیئے۔

قوله : ویجوز فی غیرها الخ ـ

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان مواضع کے علاوہ میں بھی تقدیر شرط ماننا جائز ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو جیسے کہ "ام اتخذوا من دونه اولیاء فالله هو الولی" تقدیری عبارت یوں ہے "ان ارادوا اولیاء بحق فالله هو الذی یجب ان یتولٰی وحده" اگر کسی کو ولی بنانے کا ارادہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہیں کہ اس کو ولی بنایا جائے۔ اس مثال میں تقدیری شرط کا قرینہ یہ ہے کہ استفہام انکاری کے باوجود جواب میں "فاء" آرہی ہے اور "فاء" شرط کے جواب میں آتا ہے

قوله : وقیل لاشک الخ ـ

بعض حضرات نے مذکورہ مثال کو تقدیر شرط کیلئے نہیں مانا بلکہ [فاء] کو عاطفہ مان لیا اسلئے کہ ان لوگوں کے ہاں جب استفہام انکار اور توبیخ کیلئے ہے تو یہ معنی میں "لا ینبغی" کے اس صورت میں [فاء] ترتیب کیلئے آئیگا اور مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کو ولی بنانا مناسب نہیں ہے جیسا کہ یوں کہا جاتا ہے "لا ینبغی ان یعبد غیر الله فالله هو المستحق للعبادة" اللہ کے سواء کسی کو معبود بنانا مناسب نہیں اسلئے کہ اللہ جل جلالہ ہی معبود مستحق للعبادۃ ہیں۔ اس مثال میں [فاء] عاطفہ علت کے واسطے ہے تقدیر پر دلالت نہیں کرتی لہذا "ام اتخذوا من دونه" میں جو [فاء] ہے وہ بھی عاطفہ اور تعلیل کیلئے ہوگا نہ کہ تقدیر شرط کیلئے

اسلئے کہ ام استفہام کو لاینبغی کے معنی میں لینگے۔

قوله : وفيه نظر اذ ليس كل ما فيه معنى الشئ الخ ۔

یہ کہہ کر شارحؒ نے جواب دیا کہ دونوں باتیں الگ الگ ہیں کہ شئی کا اپنا معنیٰ ادا کرنا اور چیز ہے اور ایک شئی کا دوسرے شئی کا معنی ادا کرنا دوسری چیز ہے جیسے کہ عقل سلیم اس بات پر شاہد ہے جیسے کہ "لاتضرب زيدا فهواخوك" کہنا جائز ہے اسلئے کہ "لاتضرب زيدا "معطوف علیہ ہے [فاء]عاطفہ ہے معطوف معطوف علیہ دونوں کلام خبری ہے لیکن "اتضرب زيدفهواخوك" کہنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ اگر چہ استفہام انکاری یعنی [لا] کے معنی میں ہے مگر استفہام ہونے کی وجہ سے انشاء ہے اور "هواخوك" خبریہ ہے اور خبریہ کا عطف انشاء پر جائز نہیں ہے اس کو لاینبغی کے معنی میں لیکر دونوں کو ایک قرار دینا درست نہیں ہے بلکہ دونوں میں فرق ہے۔

قوله : ومنها النداء وهو طلب الاقبال الخ ۔

انواع طلب میں سے ایک نداء ہے ۔نداء کہا جاتا ہے کسی کو اپنے طرف متوجہ کرنا حرف نداء کے ذریعے جو کہ [ادعو] کا قائم مقام ہوتا ہے، حرف نداء لفظاً ہو جیسے "يا الله" یا تقدیراً ہو جیسے "يوسف اعرض عن هذا" اصل میں "يايوسف" ہے

قوله : قد تستعمل صيغته فى غير معناه الخ ۔

نداء کا صیغہ بھی غیر نداء کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ابھارنے کیلئے مثلاً یا مظلوم اگر کوئی شخص آپ کے سامنے اپنا مظلوم ہونا بیان کرے تو آپ کا یا مظلوم کہنا اس کو اپنی طرف اپنی مظلومیں پھیلانے پر ابھارنا ہے اسلئے کہ توجہ آپ کو پہلے سے حاصل ہے۔

قوله : والاختصاص الخ ۔

صیغہ نداء کبھی اختصاص کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اختصاص کہا جاتا ہے ایک شئی کو دوسرے شئی کیساتھ خاص کر دینا لغۃً

اصطلاح میں اس حکم کو ضمیر سے متعلق ہو اسم ظاہر کی طرف پھیر دینا جب وہ اسم ظاہر منادی کی صورت میں یا علم اضافت وغیرہ کی صورت میں ہو جیسا کہ "انا افعل كذا ايها الرجل" اس

مثال میں طلب اقبال مقصود نہیں ہے بلکہ منادی کو خاص کیا گیا ہے اپنے جیسوں سے اس چیز کیساتھ جس چیز کی نسبت منادی کی طرف کی گئی ہو اس اعتبار سے اس کا ترجمہ یوں ہوگا کہ یہ کام میرے ساتھ خاص ہے خاص کر میں ہی اس کام کو کرسکتا ہوں تو [انا] ضمیر کے حکم کو "ایھا الرجل" کی طرف پھیر دیا گیا اور [رجل] سے مراد خود متکلم ہی ہے جس پر [انا] ضمیر دلالت کررہا ہے [انا] مبتداء ہے [افعل کذا] اس کی خبر ہے [ایھا] مضموم موصوف ہے اور [رجل] مرفوع اس کی صفت ہے دونوں کا مجموعہ حال بنتا ہے لہذا محلاً منصوب ہوگا اسلئے مصنفؒ نے اس کی تفسیر کردی "متخصص من بین الرجال" سے یعنی تمام آدمیوں میں، میں ہی اس کام کیساتھ خاص ہوں۔ اور کبھی استعمال ہوتا ہے استغاثہ کیلئے جیسے "یا اللہ" اور کبھی تعجب کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے کہ "یا للماء" اور کبھی تحسر اور توجع کیلئے جیسے کہ ٹھیلوں، منازل، اور سواریوں کو پکارا جاتا ہے جب ان سے کوئی یادوابستہ ہوتی ہے۔

قولہ : ثم الخبر الخ۔

کبھی خبر انشائیہ کی جگہ میں واقع ہوگی یا تو نیک فالی کیلئے یعنی مخاطب کو خوش کرنے کے واسطے جیسے کہ "وفقک اللہ للتقوی" ماضی بمعنی امر ہے گویا کہ تقوی حاصل ہو چکا ہے یا اس چیز کے وقوع میں اپنے حرص کو ظاہر کرنے کیلئے کہ مجھے اس چیز سے محبت ہے امر کو ماضی کیساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کہ "رزقنی اللہ تعالیٰ لقائک" اللہ تعالیٰ مجھے آپ سے ملاقات کی توفیق دے۔ دعا کے مقام پر ماضی کا صیغہ استعمال کرنا نیک فالی اور اظہار حرص کا احتمال رکھتا ہے بشرطیکہ کسی بلیغ کا کلام ہو ورنہ غیر بلیغ ان اعتبارات کو نہیں سمجھتا جیسے کہ "رحمہ اللہ" بمعنی "ارحمہ یا اللہ"۔

قولہ : اوللاحتراز عن صورة الامر الخ۔

اور کبھی ادب کے مقام امر سے بچنے کیلئے فعل استعمال کیا جاتا ہے یعنی کلام خبری لایا جاتا ہے جیسے کہ کوئی طالب علم استاذ سے ناراض ہو اور استاد کا دل چاہ رہا ہو کہ وہ میری طرف دیکھے تو وہ بجائے امر کے یوں کہتا ہے "ینظر التلمیذ الیّ ساعۃ" کہ شاگرد ایک سیکنڈ کیلئے میری طرف دیکھے بجائے "انظر" کے "ینظر" کا لفظ استعمال کیا اور دعا کے مقام پر بھی اس طرح کیا جاتا ہے

اور شفاعت بھی دعا میں شامل ہے۔

قوله : اولحمل المخاطب علی المطلوب الخ ـ

اور کبھی مخاطب کو مطلوب پر ابھارنے کیلئے انشائیہ کے بجائے کلام خبری لایا جاتا ہے جیسے کہ کوئی شخص اس بات کو ناپسند کرے کہ اس کی طرف جھوٹ منسوب کی جائے تو دوست اس کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "تاتنی غدا" آپ کل میرے پاس آؤگے بجائے [ائتنی] کے اسلئے کہ اگر نہیں آیگا تو جھوٹ اس کی طرف منسوب ہوگا اسلئے جھوٹ سے بچنے کیلئے متکلم کا شوق پورا کریگا۔

تنبیہ : مصنف فرماتے ہیں کہ جن احوال کا اعتبار خبر کے اندر کیا جاتا ہے ان کا اعتبار انشاء میں بھی کیا جاتا ہے یعنی بہت ساری چیزوں میں شرکت پائی جاتی ہے بشرطیکہ ناظر اپنے بصارت کیساتھ کلام لطائف پر غور کرے مثلاً جس طرح خبر میں مسند کو تاکید کیساتھ لایا جاتا ہے "ضرب ضرب" کیساتھ اسی طرح انشاء میں بھی "اضرب اضرب" کیساتھ تاکید لائی جاسکتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

الفصل والوصل

ابواب ثمانیہ میں سے ساتواں باب فصل، اور وصل کا ہے۔

فصل کہتے ہیں ترک عطف کو اور وصل کہتے ہیں عطف کو۔ مصنف نے عنوان کے تحت فصل کو مقدم کیا اسلئے کہ کلام میں اصل فصل ہے اور وصل ایک عارضی چیز ہے جو ایک حرف کی زیادتی سے حاصل ہو جاتی ہے۔

سوال : ہوسکتا تھا کہ مصنف نے مقام تعریف میں وصل کو کیوں مقدم کیا جبکہ فصل اصل ہے۔

قوله : ولكن لما كان الخ ـ

اس عبارت شارح مذکورہ سوال کا جواب دے رہے ہیں۔

جواب : دیا کہ وصل ملکہ کا درجہ رکھتا ہے اور فصل عدم کا اور یہ بات بدیہی ہے کہ ملکات اعدام کیلئے موقوف علیہ ہے۔ اور موقوف علیہ پہلے ہوتا ہے اسلئے وصل کو مقدم کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ وصل کہا جاتا ہے بعض جملوں کو بعض پر عطف کرنا اس میں عطف جملہ علی الجملہ بھی داخل ہے

اورعطف مفرد علی المفرد بھی داخل ہے اور فصل ترک عطف کا نام ہے جب ایک جملہ کے بعد دوسرا جملہ ذکر کیا جائے تو پہلا یا تو محل اعراب میں ہوگا یا نہیں اگر وہ محل اعراب میں ہے۔یعنی مفرد کے جگہ میں واقع ہے اور معرب ہے تو اس صورت میں اگر جملہ ثانیہ کو شریک کرنے کا ارادہ ہے جملہ اولیٰ کے حکم میں تو ثانی کو اولیٰ پر عطف کیا جائیگا جیسے کہ ”زید یکتب ویشعر “ اس مثال میں خبر ہونے میں دونوں شریک ہیں جیسے کہ مفرد کی صورت میں ایک مفرد اعراب میں دوسرے کا شریک ہوتا ہے جیسے شرکت فاعل کی مثال ”اکل بکر وخالد“۔

قوله : فشرط كونه الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عطف کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ عطف [واو] کیساتھ بلغاء کی ترکیب میں مقبول ہو یا [واو] جیسا کوئی دوسرا حرف ہو اور دونوں جملوں کے درمیان کوئی جہت جامعہ موجود ہو۔یعنی مناسبت موجود ہو چنانچہ ”زید یعطی ویمنع “ کہنا صحیح ہے لیکن ”زید یکتب ویمنع “ کہنا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ جہت جامعہ موجود نہیں ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص [ضب]اور [نون] کو یعنی گوہ اور مچھلی کو جمع کرے کسی حکم میں اسلئے کہ گوہ خشکی کا جانور ہے جب کہ مچھلی پانی کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

قوله : نحوه الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے کہا کہ عطف [واو] یا اس جیسے حرف کیساتھ ہو جیسے کہ ”ف، ثم حتی وغیرہ بقول شارح کے مصنف کا [نحوہ] والا کلام زائد اور فاسد ہے اسلئے کہ مذکورہ تفصیل واو کیساتھ خاص ہے اسلئے کہ واو میں سوائے جامعیت اور شرکت کے اور کوئی معنی نہیں پایا جاتا لہذا مناسبت ضروری ہے جبکہ باقی حروف میں اور معانی بھی پائے جاتے ہیں جیسے کہ [ف] کے اندر تعقیب [حتی] کے اندر ترتیب [ثم] کے اندر تراخی ۔لہذا اگر مناسبت نہ بھی ہو تب بھی عطف جائز ہوگا اسلئے کہ دوسرا معنی موجود ہوگا۔

قوله : ولهذا الخ ۔

اور اسی لئے کہ [واو] کیساتھ عطف کیلئے جہت جامعہ کا پایا جانا شرط ہے ورنہ کلام معیوب سمجھا جائیگا۔ابوتمام کے اس شعر کو ناپسند کیا گیا ہے۔ شعر۔

لا والذی ھو عالم ان النوی صَبِرٌ وان اباالحسین کریم

ترجمہ : نہیں اس ذات کی قسم جو جانتا ہے کہ جدائی کڑوی ہے اور ابوالحسین شریف ہے۔ اس شعر میں [نوی] اور [اباالحسین] کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے اسلئے یہ عطف غیر مقبول ہے چاہے اس کو عطف مفرد علی مفرد مان لیں یا عطف جملہ علی الجملہ مان لیں دونوں صورتوں میں عطف جائز ہے اسلئے کہ یہ علم کیلئے مفعول واقع ہے جو محلا منصوب ہے شعر کے شروع میں [لا] نافیہ ہے جو محبوبہ کے دعوے کی نفی کیلئے ہے جس کا وہ دعوی کررہی ہے۔

قولہ : والا ای وان لم یقصد تشریک الثانیۃ الخ۔

اور اگر جملہ ثانیہ کو جملہ اولی کے شریک بنانے کا ارادہ نہ ہو ترک عطف کیساتھ کلام کو لایا جائیگا یعنی فصل ضروری ہوگا جیسا کہ " وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیَاطِیْنِھِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِؤُنَ اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ " اس آیت میں " اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ " کو " انا معکم " پر عطف نہیں کیا گیا اسلئے کہ عطف کی صورت میں یہ منافقین کا مقولہ بنتا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔

قولہ : وانما قال علی انا معکم الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے " انا معکم " کو معطوف علیہ قرار دیا نہ کہ " انما نحن، مستھزؤن " کو اسلئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے کہ پہلا مبین ہے دوسرا بیان ہے۔ اور بات یہ ہے کہ عطف میں متبوع اصل ہے اسلئے متبوع پر عطف کیا نہ کہ تابع پر۔

قولہ : وعلی الثانی ای علی تقدیر ان لایکون الخ۔

اور اگر جملہ ثانیہ جملہ اولی کیلئے محل اعراب نہیں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں یا [واو] کے علاوہ حروف کے ذریعے ربط اور عطف مقصود ہوگا یا ربط مقصود نہیں ہوگا۔ اگر [واو] کے علاوہ ربط مقصود ہے تو وصل اور عطف کیا جائیگا بغیر کسی شرط کے یعنی جہت جامعہ کا پایا جانا ضرور نہیں ہے جیسا کہ " دخل زید فخرج عمر " یا " ثم خرج عمر " ان مثالوں میں جہت جامعہ ضروری نہیں ہے اسلئے کہ [ف] اور [ثم] تعقیب اور تراخی پر دلالت کررہے ہیں۔ لہذا افائدہ پایا جارہا ہے۔

قولہ : وھذا انما یظھر الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ حرف [واو] کا اشتراک کا فائدہ دینا اس جملے میں تو ظاہر ہوگا جو اعراب کا حکم رکھتا ہو مگر اس جملے میں جو اعراب کا حکم نہیں رکھتا اشتراک کے فائدے کو سمجھنا انتہائی پوشیدہ اور مشکل چیز ہے اسی سبب کی وجہ سے فصل اور وصل کے باب کو مشکل تصور کیا جاتا ہے حتی کہ بعض نے بلاغت کو اس بحث کے سمجھنے پر موقوف سمجھا۔

قوله : والا ای وان لم یقصد ربط الثانیة بالاولی الخ۔

اگر [واو] کے سواء سے بھی ربط مقصود نہیں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں یا جملہ اولی کے حکم کو جملہ ثانیہ کو دینے کا ارادہ ہوگا یا نہیں ہوگا اگر ارادہ نہیں ہے تو فصل واجب ہے تاکہ حکم میں شرکت لازم نہ آئے جیسے کہ "واذاخلوا...الی اخرالآیه" آیت مذکورہ میں "الله یستهزئ" کو "قالوا" پر عطف نہیں کیا گیا ورنہ خلاف مقصود لازم آیگا وہ اس طرح کہ [اذا] ظرفیہ اپنے متعلق [قالوا] پر مقدم ہے جو تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ لہذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافقین جب اپنے سرداروں سے ملتے تھے تو خاص اس وقت میں "انما معکم" کہتے اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ اس طرح کے کلام نہیں کرتے اور یہی مطلب صحیح ہے۔ اب اگر "الله یستهزئ" کو اس پر عطف کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ بھی خاص اسی وقت ان کا استہزاء کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا استہزاء دائمی ہے حاصل ان کا "انما معکم" کہنا مطلقہ عامہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا استہزاء دائمہ مطلقہ ہے۔ اور یہ مطلب درست ہے اور ترک عطف کی صورت میں صحیح بنتا ہے۔

قوله : فان قیل اذا شرطیة لا ظرفیة الخ۔

اعتراض : اگر کوئی اعتراض کرے کہ [اذا] کو بجائے ظرفیہ کے شرطیہ قرار دیا جائے تو پھر تقدیم لازم نہیں آیگا اسلئے کہ شرط پہلی آتی ہے پھر عطف کی صورت میں خلاف مقصود بھی لازم نہیں آیگا۔

قوله قلنا الخ۔

جواب : شارحؒ نے "قلنا" سے اس کا جواب دیا کہ [اذا] شرطیہ در حقیقت ظرفیہ ہی ہے مجازاً اس کو شرطیہ کہا گیا ہے۔

قولہ : ولوسلم فلاینافی الخ۔

اوراگرشرطیہ تسلیم کربھی کیاجائے تویہ ایسااسم ہے جووقت پردلالت کررہاہےاور معمول ہےاوراس کیلئے کوئی عامل ضروری ہےاوروہ "قـــالـــوا" ہےاس صورت میں بھی تقدیم پائی گئی اوراختصاص کامعنی بھی پاگیااسلئے کہ جب کسی فعل کے متعلق کومقدم کیاجائے اوردوسرے فعل کوپہلے فعل پرعطف کیاجائے اختصاص کاتعلق دونوں فعلوں سے ہوتاہے جیسے "یوم الجمعۃ سرت وضربت زیداً" کہ جمعہ کادن میں نے سیرکی اورزیدکومارایعنی دونوں فعل جمعہ کےدن واقع ہوئے ہیں معلوم ہواکہ اس صورت میں بھی تخصیص پائی جاتی ہے لہذاترک عطف ضروری ہے تاکہ مطلب صحیح ہوسکے۔

قولہ : والا عطفت علی قولہ فان کان للاولی حکم الخ۔

اگرجملہ اولی کیلئے کوئی ایسازائدمفہوم نہیں ہے کہ جس کوجملہ ثانیہ کودینے کاارادہ نہ کیاگیاہواس کی دوصورتیں ہیں۔

[۱]یاتوجملہ اولی کیلئے کوئی زائدمفہوم نہ ہو۔

[۲]یازائدمفہوم ہوجس کوجملہ ثانیہ کودینے کاارادہ کیاگیاہواس صورۃ میں چاراحتمالات ہیں یاتودونوں جملوں کے درمیان کمال انقطاع بلاایہام ہوگا۔بلاایہام کامقصدفصل کی صورت میں مقصودظاہرہواوروصل کی صورت میں مقصودظاہرنہ ہویادونوں جملوں کےدرمیان کمال اتصال ہوگایاشبہ کمال انقطاع ہوگا۔یاشبہ کمال اتصال ہوگاان چاروں صورتوں میں کوئی صورت پائی جائیگی توفصل متعین ہوگااوروصل ممنوع ہوگاوصل ممنوع اسلئے ہوگاکہ وصل[بالواو]مغایرت بھی چاہتاہے اورمناسبت کوبھی چاہتاہے جب کہ مذکورہ صورتوں میں یاتوکمال مغایرت یاکمال مناسبت ہےشبہ ہے۔اگرمذکورہ چارصورتیں نہ پائی جائیں توپھروصل متعین ہوگااسلئے کہ وصل کاتعین موجودہےاورکوئی ممانعت موجودنہیں ہے۔

قولہ : فالحاصل ان للجملتین اللتین لامحل لھما الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس بحث کاحاصل یہ ہے کہ جن دوجملوں کیلئے محل اعراب نہ ہواورجملہ اولی کیلئے کوئی زائدمفہوم نہیں ہےتواس صورت میں چھ احوال ہیں۔

[۱] کمال انقطاع بلا ایہام [۲] کمال اتصال [۳] شبہ کمال انقطاع [۴] شبہ کمال اتصال [۵] کمال انقطاع مع ایہام [۶] التوسط بین الکمالین ۔ان مذکورہ احوال ستہ میں سے پہلے چار میں فصل متعین ہے اور آخری دونوں میں وصل متعین ہے۔

قولہ : واما کمال الانقطاع الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ احوال ستہ کی تفصیل بتانا چاہتے ہیں۔

[۱] کمال انقطاع بین الجملتین یہ اس وقت ہوگا جب دونوں جملوں کے درمیان "خبراًوانشاءً لفظاًومعناً" اختلاف ہو کہ ایک خبر ہو لفظاً ومعناً ۔اور دوسرا انشائً ہو لفظاً ومعناً جیسے کہ شاعر کا شعر۔

وقال رائدهم ارسوا نزاولها

ترجمہ : قوم کے سردار نے کہا کہ ٹھہر جاؤ ہم لڑائی کا ارادہ کرینگے (اسلئے کہ ہر آدمی قضاء الٰہی کے مطابق مرے گا نہ بزدلی موت سے نجات دے سکتی ہے نہ اقدام قتل موت دے سکتا ہے)۔اس شعر میں [نزاولها] کو [ارسوا] پر عطف نہیں کیا گیا اسلئے کہ [ارسوا] انشاء ہے لفظاً ومعناً [نزاولها] خبر ہے لفظاً ومعناً۔

قولہ : وهذامثال لكمال الانقطاع الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثال کمال انقطاع کی ہے قطع نظر اس سے ان کیلئے کوئی محل اعراب ہے یا نہیں ہے اگر چہ ان کیلئے محل اعراب ہے اسلئے کہ یہ [محلا] منصوب ہیں مفعول ہونے کی وجہ سے

قولہ : قال او لاختلافهما خبرا وانشاء الخ ۔

کمال انقطاع کی دوسری صورت صرف خبر اور انشاء میں اختلاف ہو اس طور پر کہ ان میں سے ایک معناً خبر ہو دوسرا انشاء ہو اگر لفظاً دونوں خبر ہو یا دونوں انشاء ہو جیسے کہ "مات فلان رحمه الله" اس مثال میں [رحمه الله] کو [مات] پر عطف نہیں کیا گیا اسلئے کہ [رحم] معناً انشاء ہے کمال دعا ہونے کی وجہ سے اور [مات] معناً خبر ہے اگر چہ لفظاً دونوں خبر ہیں ۔کمال انقطاع کی تیسری صورت دونوں جملوں کے درمیان کوئی مناسبت نہ ہو جیسا کہ "زيد طويل وعمرو نائم" جائز نہیں ہے اور ان میں سے ہر جملہ خبر یہ ہے لفظاً ومعناً۔

[۲] کمال اتصال دو جملوں کے درمیان کمال اتصال اس وقت ہوتا ہے جب دوسرا جملہ پہلے کیلئے یابدل ہو یا تاکید یا بیان ہو تاکید سے مراد تاکید معنوی ہے تاکید یا تو اسلئے لائی جاتی ہے کہ مجاز کے احتمال کو رد کیا جائے یا غلطی کے احتمال کو دور کیا جائے جیسے کہ "لا ریب فیه " یہ تاکید معنوی ہے "ذلک الکتٰب" کیلئے اور "ذلک الکتٰب" تاکید معنوی ہے [الم] کیلئے [الم] سے مراد یا تو حروف کا مجموعہ ہے یا یہ مستقل جملہ ہے۔ یا "ھذا الم ،الم ھذا "لا ریب فیه" "ذلک الکتب " کی تاکید معنوی اس طور پر ہے کہ جب اسم اشارہ کے ذریعے اس کے ممتاز ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا اور اسم اشارہ بعید سے اس کے کمال عظمت کو بیان کیا گیا اور مبتداء اور خبر دونوں کو معرفہ لاکر کامل کتاب ہونے کے انحصار ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا کہ کامل کتاب یہی ہے باقی کتابیں نہ ہونے کے درجے میں ہے تو اس مبالغہ سے سامع کو وہم ہو سکتا تھا کہ یہ کلام محض ایک دعوی ہے اسلئے "لا ریب فیه " کیساتھ اس بات کا بھی ازالہ کیا گیا ہے کہ ماقبل والا کلام نہ مجازاً ہے نہ متکلم سے غلطی ہوئی ہے اور یہ کلام ایسا ہے جیسے کہ "جاء نی زیدنفسا" کہ زید خود آیا ہے نہ کہ اس کا دوست مجاز کی بھی نفی ہے اور غلطی کی بھی نفی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ "ذلک الکتب" سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ کمال میں یہ کتاب انتہائی درجے کو پہنچی ہوئی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں ہے۔

قوله : اوتاکیدالفظیاالخ ـ

کمال کبھی تاکید لفظی کی صورت میں ہوتا ہے جیسے کہ "ھدی المتقین " یہ تاکید لفظی ہے "لاریب فیه " کے واسطے اسلئے کہ یہ دونوں ایک ہی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں اور وہ ہے کمال فی الھدایت اور تاکید لفظی میں معنی مغایرت نہیں ہوتی ہے جب کہ تاکید معنوی میں ہوتی ہے "ھدی للمتقین" کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کیلئے ہے جو تقوی کو تلاش کرنے والے ہیں اور ھدایت کے طلب گار ہیں ھدایت کے اعلی درجے کو پہنچی ہوئی ہے کوئی اسکی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا اسلئے کہ [ھدی] نکرہ تفخیم اور عظمت پر دال ہے اور اسلئے بھی کہ مصدر کا حمل مبالغۃً ہوتا ہے گویا کہ یہ کتاب سراپا ھدایت ہے اسلئے کہ آسمانی کتابیں ھدایت کے اعتبار سے متفاوت ہیں اسلئے کہ آسمانی کتابوں کا نزول ھدایت ہی کے واسطے ہیں ان میں کمال درجات

کے اعتبار سے قرآن سراپا ھدایت ہے اور اس کا مرتبہ اور نسبت ایسی ہے جیسے کہ "جاء نی زید زید" میں زید ثانی کا ہے اسلئے کہ یہ بھی تا کید لفظی ہے۔

قوله : اولکونه بدلاالخ۔

کمالِ اتصال کبھی بدل کی صورت میں ہوتا ہے جب جملہ ثانیہ بدل واقع ہو اسلئے کہ جملہ اولی معنی مراد کو ادا کرنے میں یا پورا نہیں ہوتا ہے یا کچھ خفاء باقی رہ جاتا ہے یا غیر وافی کے مانند ہوتا ہے اور جملہ ثانیہ اس معنی مراد کو مکمل طور پر ادا کرتا ہے۔

قوله : والمقام یقتضی اعتناء بشانه الخ۔

سوال : مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر سوال ہوسکتا ہے کہ ایسی صورت میں جملہ ثانیہ ہی کو ذکر کیا جاتا جو کہ وافی ہے دونوں کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

جواب : اس کا جواب دیا کہ کبھی کوئی مقام کسی نکتے کی وجہ سے اہتمام شان کے لائق ہوتا ہے اس اہتمام شان کو بتلانے کیلئے بدل کا سہارا لیا جاتا ہے جیسے کہ معنی مراد مقصود فی نفسہ ہو یا کوئی امر شنیع ہو یا کوئی امر عجیب ہو یا کوئی باریک نکتے والا ہو تو ان صورتوں میں ان کے مہتم بالشان ہونے کو بتلانے کیلئے بدل البعض اور بدل الاشتمال کا سہارا لیا جاتا ہے بدل البعض کی مثال "اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ اَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ" اس مقام پر اور اس آیت میں مراد اور مقصود اللہ تعالیٰ کے انعامات پر تنبیہ کرنا ہے جو مقصود بالذات ہی ہے اور عمل اور تقوی کیلئے ذریعہ بھی ہے اسلئے اس معنی کو مکمل طور پر واضح کرنے کیلئے "امدکم بانعام" والا کلام کو لا گیا اسلئے کہ جملہ اولی ان انعامات پر اجمالاً دلالت کرتا ہے اور بدل البعض ان پر تفصیلاً دلالت کرتا ہے مخاطبین کے علم کا حوالہ نہیں کرتا ہے جیسے کہ جملہ اولی میں کیا گیا ہے اور یہ بدل ایسا ہے جیسے "اعجبنی زید وجهه" میں [وجهه]۔ بدل الاشتمال کی مثال شاعر کا یہ شعر ہے

اقول له ارحل لاتقیمنّ عندنا : والاّ فکُن فی السر والجهر مسلما

ترجمہ : میں اس شخص سے کہتا ہوں کہ کوچ کر ہمارے پاس مت ٹھہرے ورنہ ظاہراً و باطناً مسلمان بنکر رہیے۔ اس شعر سے مقصود مخاطب سے کراہت کا اظہار ہے جس پر [ارحل] التزاماً دلالت کرتا ہے اور [لاتقیمن] مطابقۃً دلالت کرتا ہے اور مطابقۃً سے مراد عرفی

ہے تو[ارحل] کیلئے [لاتقیمن]بدل الاشتمال ہے جو[نون] تاکید کیساتھ لایا گیا ہے جس کا مقصد ٹھہرنے سے روکنا نہیں ہے بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور یہ بدل ایسا ہے جیسے کہ "اعجبنی الدار حسنها" ہے جو بدل الاشتمال ہے۔

قوله : لان عدم الاقامة مغاير للارتحال الخ ۔

اس عبارت سے مصنفؒ اس بات کی دلیل دینا چاہتے ہیں کہ مذکورہ مثال تاکید نہیں ہوسکتا اسلئے کہ [ارحل]اور[تقیمن]کے مفہوم آپس میں متغایر ہے جبکہ تاکید میں مفہوم متغایر نہیں ہوتا جیسا کہ تاکید لفظی میں ہے یا مغایر ہوتا ہے مگر مغایر قریبہ ہوتا ہے جیسا کہ تاکید معنوی اور ان کے درمیان مغایرت قریبہ ہے اور بدل البعض بھی نہیں ہوسکتا اسلئے کہ عدم اقامت کا مفہوم ارتحال کے مفہوم میں داخل نہیں ہے اور بدل الکل بھی نہیں مان سکتے اسلئے کہ بلغاء بدل الکل کا اعتبار نہیں کرتے عدم اعتبار کی وجہ یہ ہے کہ مفردات میں تاکید اور بدل میں دو اعتبار سے فرق ہے۔

[۱] بدل میں مغایرت دائمی ہوتی ہے جبکہ تاکید میں دائمی نہیں ہوتی۔

[۲] بدل خود مقصود بالنسبت ہے جبکہ تاکید اور مؤکد دونوں ہوتا ہے ۔یہ فرق جملوں میں نہیں پایا جاتا اور خاص کر اس وقت جب جملے کیلئے محل اعراب نہ ہو گویا کہ جملوں کے اندر تاکید اور بدل میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔اور دوسری بات یہ ہے کہ عدم اقامت اور ارتحال کے درمیان ملازمت پائی جاتی ہے کہ [ارحل] کیلئے [لاتقیمن]التزاماً ثابت ہے اور یہی معنی بدل الاشتمال کا ہے۔

قوله : والكلام في ان جملة الاولى الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مثال بدل البعض کے بیان کیلئے ہے اس سے قطع نظر کہ اس کیلئے محل اعراب ہے یا نہیں ہے ورنہ اس اعتبار سے یعنی اعراب کے اعتبار سے یہ دونوں اَقول کیلئے مفعول ہے مصنفؒ نے جملہ ثانیہ کیلئے [اوفی] کا لفظ استعمال کیا اسلئے کہ جملہ اولی وافی ہوتا ہے معمولی خفاء کیساتھ اس لئے جملہ ثانیہ اوفی ہے۔

قوله : اولكونه بيانا لها لخفائها الخ ۔

کمال اتصال کبھی مبین اور عطف بیان کی صورت میں ہوتا ہے اسلئے کہ مبیّن میں خفاء پایا جاتا ہے اور جملہ ثانیہ اس کی توضیح کرتا ہے جیسے کہ "فَوَسْوَسَ الیہ الشیطان قال یاآدمُ ھل اَدُلُّکَ عَلیٰ شجرۃ الخلد ومُلْکٍ لَایَبْلیٰ" اس آیت کے پہلے جملے میں خفاء تھا کہ وہ وسوسہ کیا ہے [قال] سے لیکر آخر تک جملہ ثانیہ میں اس وسوسے کی وضاحت کی گئی ہے کہ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کو کھانے سے ہمیشہ جنت میں رہنا ہوگا اور بادشاہت بھی دائمی ہوگی اور یہ جملہ ثانیہ ایسا ہے جیسے کہ اس شعر میں عمر ہے۔ شعر۔

اَقْسمَ باللہ ابوحفص عمر : مامسھامن نقب ولا دبر

ترجمہ : ابوحفص عمر نے قسم کھائی کہ اونٹنی کے نہ پاؤں میں سراخ ہے اور نہ پشت پر زخم۔ اس شعر میں [ابوحفص] مبیّن ہے [عمر] بیان۔ یہ ایک دیہاتی کا شعر ہے جس نے سفر کی حالت میں حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ میری اونٹنی کمزور ہے پاؤں میں سوراخ ہے اور پشت پر زخم ہے لہذا مجھے سواری دیجائے حضرت عمرؓ نے اس کو جھوٹا گمان کر کے سوال کو قبول نہیں کیا اور یہ بطحہ کی طرف روانہ ہوگیا اور یہ شعر کہتے ہوئے جارہا تھا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اے اللہ حضرت عمر اپنی قسم میں حانث ہے تو اس کی مغفرت فرما اتفاقاً حضرت عمرؓ نے اس کے کلمات سن لئے اور حقیقت حال کا ادراک اور اس کو سواری کیساتھ اور بھی تحفے تحائف دیے۔

قولہ : وظاھر ان لیس لفظ قال بیانا الخ۔

یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہے کہ بات چل رہی ہے بیان جملہ کی جبکہ مذکورہ مثال میں وسوس فعل کیساتھ کی گئی نہ کہ جملہ کیساتھ۔

جواب : اس کا جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ پہلا پورا جملہ مبیّن ہے اور دوسرا جملہ بیان ہے۔

قولہ : واما کونھا کالمتقطعۃ عنھا الخ۔

یہاں سے مصنفؒ تیسری قسم شبہ انقطاع کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کبھی دو جملوں کے بعد ایک ایسا جملہ آتا ہے کہ جس کا عطف ایک جملہ پر صحیح ہے اور دوسرے پر غلط ہے تو اس وقت عطف کو ترک کیا جاتا ہے تاکہ خلاف مقصود کا وہم نہ ہو اور اس کو شبہ کمال انقطاع اسلئے کہا کہ قرائن سے

مقصود کو پہچانا جاسکتا ہے اسلیئے ذاتی انقطاع نہیں ہوتا ہے جیسے کہ شاعر کا یہ شعر ہے۔

تَظُنُّ سَلْمیٰ انّنی ابغی بھابَدَلًا : أراھافی الضلال تھیم

ترجمہ : سلمی یہ گمان کرتی ہے کہ میں اس کے علاوہ کسی اور چاہتا ہوں میں سلمی کو اس کے اس گمان میں گمراہی میں بھٹکی ہوئی تصور کرتا ہوں۔اس شعر میں دو جملے ہیں[تظن]اور[ارا] جن میں مناسبت ظاہر ہے اسلیئے کہ مسند ایک ہے کیونکہ [ارا][تظن] کے معنی میں ہے اور[تظن] کا مسندالیہ محبوبہ ہے[ارا] کا مسندالیہ محبّ ہے محبّ اور محبوب کے درمیان تضایف کا علاقہ ہے کہ ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہے اس کے باوجود عطف کو ترک کیا گیا اور [واراھا] نہیں کہا اسلیئے کہ اس صورت میں وہم ہوسکتا تھا کہ اس کا عطف [ابغی] پر ہے جو کہ قریب ہے اس صورت میں یہ سلمی محبوبہ کے مظنونات سے ہوتا جبکہ یہ شاعر کا گمان ہے۔

قوله : ویحتمل الاستیناف الخ ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ [اراھا] جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے جو سوال کا جواب ہوتا ہے۔

سوال : یہ ہوسکتا تھا کہ آپ سلمی کو اس گمان میں کیا سمجھتے ہو۔

جواب : اس نے جواب دیا کہ میں اس کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکی ہوئی تصور کرتا ہوں۔

قوله : واما کونها کالمتصلة بها الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ شبہ کمال انقطاع کو بیان کرنا چاہتے ہین کہ کبھی جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کیلیئے " کالاتصال " کا درجہ رکھتا ہے اس طور پر کہ جملہ ثانیہ جواب بن کر واقع ہوتا ہے اس سوال کیلیئے جس کا تقاضہ جملہ اولی کر رہا ہے اور جس پر مضمون کلام دلالت کر رہا ہے اسلیئے ثانی کو اولی سے الگ کیا جاتا ہے جیسے کہ سوال کو جواب سے الگ کیا جاتا ہے۔

قوله : قال السکاکی الخ ۔

علامہ سکاکی نے فرمایا کہ جملہ اولی کو سوال واقع کا درجہ دیا جائیگا اور جملہ ثانیہ کو اس کا جواب تصور کیا جائیگا اور ایسا کرنا کسی نکتے کی وجہ ہوگا جیسے کہ سامع کو متوجہ کرنا کہ اس سے پوچھا جائے اور یا اسلیئے کہ سامع کو حقیر سمجھتے ہوئے اس سے کچھ سننے کا ارادہ نہیں کیا جاتا ہے یا اس کے کلام کو ناپسند کیا جاتا ہے یا متکلم اپنے کلام کو منقطع کرنا نہیں چاہتا یا قلیل الفاظ سے کثیر معنی

ادا کرنا چاہتا ہے ان تمام نکات کی وجہ سے متکلم کے ان دو جملوں کو سوال جواب کا درجہ دیا جائیگا۔

قوله : وليس في كلام السكاكي دلالة على الخ ۔

یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال : یہ ہے کہ مصنفؒ نے اپنی کتاب میں علامہ سکاکی کی موافقت کی ہے جبکہ علامہ سکاکی نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے جو مصنف کہنا چاہ رہا ہے کہ جملہ اولی کو سوال کا درجہ دیا جائیگا۔

جواب : [۱] کا حاصل یہ ہے کہ جملہ ثانیہ کو جملہ اولی سے منقطع کرنا ایسا ہے جیسے کہ جواب کو سوال سے الگ ذکر کرنا یہ اس وقت ہوتا ہے جب اولی کو سوال کا درجہ دیا جائے اور ثانی کو جواب کا درجہ دیا جائے۔

جواب : [۲] اور دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصنفؒ خود بلاغت کے امام ہیں اسلئے ہر مقام پر علامہ سکاکی کی موافقت ضروری نہیں ہے لہذا یہ مصنف کا اجتہاد ہے۔

قوله : والاظهر انه لاحاجة الى ذلك الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر بات یہ ہے کہ جملہ اولی میں منشاء سوال کافی ہے سوال کا درجہ دینا ضروری نہیں ہے فصل کی اس صورت کو جملہ مستانفہ کہا جاتا ہے اسی طرح جملہ ثانیہ کو بھی استیناف اور مستانفہ کہا جاتا ہے۔

پھر استیناف کی تین صورتیں ہیں۔

[۱] جملہ اولی جس سوال کو متضمن ہے اس سوال کا مقصد حکم کے سبب کو معلوم کرنا ہو جیسے کہ اس شعر میں ہے۔

قال لی کیف انت قلت علیل سهر دائم وحزن طویل

اس شعر میں [کیف انت] سے مراد بیماری کا سبب پوچھنا ہے اسلئے کہ عرف اس بات پر قرینہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں مریض ہے اس وقت اس سوال سے مراد مرض کا سبب دریافت کرنا ہوتا ہے یہ مقصد نہیں ہوتا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے ۔ خصوصاً جب سبب بیداری اور غم ہو اسلئے کہ یہ بیماری کے اسباب نہیں ہے کہ سوال کسی خاص سبب کے بارے میں ہو۔

[۲] یا سوال سبب خاص سے متعلق ہوگا جیسے کہ "وَمَا أُبَرِّئُ نفسی انَّ النَّفْسَ لأمَّارةٌ بالسُّوءِ" گویا کہ سوال یہ تھا کہ کیا نفس بھی برائی پر امادہ کرتا ہے تو تا کید کیساتھ جواب دیا کہ "انَّ النَّفْسَ لأمَّارةٌ بالسُّوءِ" گویا کہ سائل سبب خاص کی تعیین میں متردد ہے اسلئے حکم کو تا کید کیساتھ مؤکد کیا گیا۔

قوله : ولا يخفى ان المراد بالاقتضاء الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ سائل کا ترتب تا کید حکم کا تقاضہ کرتا ہے اور تا کید مستحسن ہوئی اس استحسان سے مراد فن بلاغت میں وجوب ہے۔

قوله : واما عن غيرهما الخ ۔

[۳] تیسری قسم سوال کا تعلق نہ مطلق سبب سے ہوگا نہ سبب خاص سے بلکہ کسی اور شیٔ سے متعلق ہوگا جیسے کہ قوم لوط کے عذاب کے فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا "قالوا سلاما" سوال ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیا جواب دیا "قال سلامٌ" یعنی حضرت ابراہیمؑ نے ان سے بہتر سلام کا جواب دیا اسلئے کہ حضرت ابراہیمؑ کا سلام جملہ اسمیہ ہے جو ثبوت اور دوام پر دال ہے جبکہ فرشتوں کا سلام جملہ فعلیہ ہے اسلئے کہ یہ فعل محذوف کا مفعول ہے "نسلم الیک یا ابراہیم سلاما" اسی طرح شاعر کا شعر ہے۔

زعم العواذل انني في غمرة صدقوا ولكن غمرتي لا تنجلي

ترجمہ : ملامت گروں نے گمان کیا کہ میں شدید غم میں مبتلاء ہوں سوال ہوا کہ ان کا گمان کیسا ہے فرمایا [صدقوا] کہ وہ اپنے گمان میں سچے ہیں لیکن میرا غم ایسا ہے جو ختم ہو جائے۔

قوله : وايضا منه اى من الاستيناف الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ استیناف کی دوسری تقسیم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کبھی مستانف عنہ کو دوبارہ ذکر کیا جاتا ہے وہ جواب بن کر واقع ہوتا ہے جیسے "احسنت انت الی زید" آپ نے زید کیساتھ احسان کیا۔ سوال ہوا کہ کیا وہ اس کے مستحق ہے تو جواب دیا کہ "زید حقیق بالاحسان" کہ زید احسان کے مستحق ہے۔

قوله : ومنه ما يبنى على صفة اى صفة ما استونف الخ ۔

استیناف کی دوسری تقسیم کی دوسری قسم ہے استیناف مستانف عنہ کی ایسے صفت سے ہوگا جس میں حکم کیلئے علت بننے کی صلاحیت ہو جیسے کہ ''اس مثال میں'' صدیقک القدیم ''ایسی صفت ہے جس میں علت بننے کی صلاحیت ہو اس میں سوال یہ ہے کہ اس کیساتھ احسان کیوں کیا جائے کیا وہ مستحق ہے احسان کا جواب دیا'' اھل لذلک ''۔

قولہ : وھذاابلغ لاشتمالہ علی بیان السبب الخ ۔

استیناف کی یہ قسم زیادہ بلیغ ہے اسلئے کہ یہ مشتمل ہوتا ہے اس سبب پر جو حکم کو ثابت کرتا ہے جیسے کہ مثال مذکور میں صدیق قدیم کہ ذہن فوراً اس صفت کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ حکم کی علت ہے۔

قولہ : وھھنابحث الخ ۔

اعتراض : شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ابلغ ہونے پر اعتراض ہے اسلئے کہ سبب سے کیا مراد ہے اگر مطلق سبب ہے تو یہ اسم اور صفت دونوں میں پائی جاتی ہے اور اگر سبب مراد نہیں ہے تو پھر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ [سلاماً] اور [سلامٌ] میں فرق ہے۔

جواب : یہ ہے کہ یہ ابلغ اسلئے ہے کہ یہ سبب السبب پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ پہلی صورت صرف سبب پر مشتمل ہوتا ہے۔

قولہ : وقد یحذف صدر الاستیناف الخ ۔

اور کبھی استیناف کے صدر کلام کو حذف کیا جاتا ہے چاہے اسم ہو جیسے کہ ''یسبح لہ فیھافی الغُدُوِّ وَالآصَالِ ''اس کی تسبیح بیان کیجاتی ہے صبح وشام سوال ہو گیا کہ من یسبح جواب دیا [رجال] جبکہ [رجال] سے تسبیح محذوف ہے اسی طرح ''نعم الرجل زید'' کو بھی اس صورت پر محمول کیا گیا ان لوگوں کے مطابق جو مخصوص بالمدح مبتداء محذوف کیلئے خبر مانتے ہیں کہ کیا ہی اچھا آدمی ہے سوال ہوا کہ کون جواب دیا ''ھو زید'' اور کبھی پورا استیناف کو حذف کیا جاتا ہے کبھی قائم مقام کیساتھ اور کبھی قرینے کیساتھ قائم مقام کی مثال شاعر کا شعر ہے۔

زعمتم ان اخوتکم قریشٌ لھم الفٌ ولیس لکم الاف

ترجمہ : شاعر اس شعر میں قبیلہ بنو اسد کی ھجو کر رہا ہے جو اپنے آپ کو قریش کی طرف منسوب کر رہا ہے اور کہتا ہے۔ کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ قریش تمہارے بھائی ہین جبکہ وہ دو سفروں سے محبت

کرتے تھے ایک سفر سردی میں یمن کی طرف اور دوسرا سفر گرمی میں شام کی طرف بغرض تجارت جبکہ آپ لوگوں کا ان سے کوئی محبت نہیں ہے اور قریش بھوک اور خوف سے مامون تھے جبکہ آپ لوگوں کو یہ بھی نصیب نہیں ہے تو سوال ہوا کہ بنو اسد اپنے دعوی میں سچے ہیں یا جھوٹے تو جواب استیناف کی صورت میں پورا محذوف ہے کہ "کذبتم "تم نے جھوٹ بولا اور اس کذب پر قرینہ "لهم الف ولیس لکم الاف " ہے اور قرینے کی وجہ سے استیناف محذوف ہوتا ہے بغیر قائم مقام کے جیسے کہ "فنعم الماهدون " سوال ہو سکتا تھا کہ کون جواب محذوف ہے "هم نحن ":-

قوله : ولما فرغ عن احوال الاربعة الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ وصل کے اقسام اربعہ سے فارغ ہونے کے بعد وصل کی دو صورتیں بیان کرنا چاہتے ہیں۔

[۱] کمال انقطاع مع الایہام جس میں وصل ہوتا ہے جیسے کہ "لا و أیدك الله "اس مثال میں [لا] سابقہ مضمون کی نفی ہے اور اگلہ جملہ دعائیہ ہے پہلا جملہ خبریہ ہے اور دوسرا جملہ انشائیہ ہے جو کمال انقطاع ہے مگر اس کے باوجود عطف کیا گیا اسلئے کہ ترک عطف خلاف مقصود کا وہم ہے کیونکہ عطف کی صورت میں یہ جملہ دعائیہ ہے اور ترک عطف کی صورت میں بددعا بن جاتا ہے۔

قوله : وبعضهم لما لم يقف الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر بھی ایسا کلام واقع ہوگا کہ [لا] کے ذریعے سابقہ کی نفی ہو اور اگلہ جملہ دعائیہ ہو تو معطوف علیہ وہ سابقہ جملہ ہوگا چونکہ بعض حضرات اس حقیقت پر واقف نہ ہوسکے جیسے کہ علامہ زوزنی اور انہوں نے ایک ایسی حکایت امام ثعلبی سے نقل کی جو قلت [لا] پر مشتمل ہے اور انہوں نے قلت کو معطوف علیہ قرار دیا اور یہ نہیں سمجھ پایا کہ اگر اس کا عطف قلت پر کیا جائے تو دعا کا قلت کے ماتحت مذکور ہونا لازم آئیگا جب کہ دعا قلت کے تحت مذکور نہیں ہوتا دوسری بات اگر قلت کی حکایت منقول نہ ہو تو پھر معطوف علیہ کس کو قرار دوگے معلوم ہوا کہ علامہ زوزنی کا خیال بدیہی البطلان ہے۔

[۲]وصل کی دوسری صورت"توسط بین الکمالین "یہ "اَمّا التوسط" ہے "اِمّا" نہیں ہے جنہوں نے "اِمّا" کہاہے۔توسط کی صورت یہ ہے کہ جب دو جملے متفق ہو خبر اور انشاء میں لفظاً ومعناً یا صرف معنیً اوران دونوں کے درمیان کوئی جہت موجود ہو تو وصل کیا جائیگا پھر دو جملے آپس میں متفق ہو خبراً وانشائاً لفظاً ومعناً "اس کی دو قسمیں ہیں یا تو دونوں خبر ہوں گے یا دونوں انشاء ہوں گے اور جو دو جملے صرف معنی میں متفق ہو اس کی چھ قسمیں بنتی ہیں۔

[۱]یا تو دونوں معنیً انشاء ہوں گے اور لفظاً خبر ہوں گے۔

[۲]پہلا خبر ہوگا دوسرا انشاء ہوگا۔

[۳]پہلا انشاء دوسرا خبر ہوگا۔

[۴]معنیً دونوں خبر ہو لفظاً دونوں انشاء ہو۔

[۵]اول انشاء ثانی خبر۔

[۶]اول خبر ہو ثانی انشاء ہو یہ کل آٹھ قسمیں بن گئی مصنفؒ نے صرف پہلے دو کی مثال بیان فرمائی

[۱]دونوں خبر ہو کقولہ تعالیٰ "یخادعون اللہ وھوخادعھم ""ان الابرارلفی نعیم وانّ الفجارلفی جحیم " دونوں مثالیں لفظاً ومعناً خبر ہے البتہ مثال اول فعلیہ اور اسمیہ ہے اور مثال ثانی دونوں اسمیہ ہیں۔

[۲]دونوں انشاء ہو لفظاً ومعناً جیسے کہ "کلواواشربواولاتسرفوا" اسی طرح یہ مثال "واذ اخذنامیثاق بنی اسرائیل لاتعبدون الااللہ ......وقولواللناس حسنا" یہ مثال صرف معناً متفق ہونے کی ہے [قولوا] کا عطف ہے [تعبدون] پر جبکہ [تعبدون] خبر ہے لیکن معنیً انشاء ہے "ای تحسنون بالوالدین احسانا" اور [تحسنوا] معنی میں ہے [احسنوا] کے [تحسنون] محذوف ماننے میں لفظاً ومعناً فائدہ ہے لفظاً اس طرح کہ [تعبدون] کیساتھ مناسبت ہوگی اور معنیً اس طرح کہ مضارع میں حال کا معنی پایا جاتا ہے بخلاف امر کے گویا کہ حکم کی تعمیل ابھی شروع ہوئی جس میں مبالغہ ہے۔

قولہ : اویقدرواواحسنواالخ۔

”وبالوالدین احساناً“ شروع ہی سے [احسنوا] کومقدر مانا ہے اس صورت میں معنی دونوں جملہ انشاء ہوں گے اور لفظاً پہلا خبر اور دوسرا انشاء ہوگا۔

قوله : والجامع بينهما اى بين الجملتين الخ۔

دوجملوں کے درمیان صفت جامعہ کا پایا جانا ضروری ہے کہ دونوں جملے مسندالیہ اور مسند کے اعتبار سے جامع ہوگا جیسے کہ ”یشعر زید ویکتب“ شعر اور کتابت میں مناسبت ہے اور مسندالیہ دونوں کا ایک ہے اور صاحب شعر اور صاحب کتابت ان دونوں کو مقارن سمجھتے ہیں اسی طرح ”یعطی زید ویمنع“ اعطاء اور منع کے درمیان تضاد کا علاقہ موجود ہے اور مسندالیہ دونوں کا ایک ہے اور اگر مسندالیہ متحد نہ ہو بلکہ متغایر ہوتو مسند میں مناسبت ضروری ہے جیسے کہ ”زید شاعر وعمرو کاتب“ دونوں میں مناسبت ظاہر ہے ”زید طویل وعمرو قصیر“ دونوں میں تضاد کا علاقہ ہے اور ساتھ ساتھ مسندالیہ کے درمیان بھی مناسبت ہے چاہے وہ کسی بھی اعتبار سے ہو جیسا کہ بھائی ہونا دشمن اور دوست ہونا وغیرہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ دونوں مسندالیہ ایک دوسرے کیساتھ مناسبت رکھتا ہو اور کسی درجے کا اختصاص پایا جائے برخلاف ”زید شاعر وعمر کاتب“ کے جب مناسبت کا اعتبار نہ ہو عطف درست نہیں ہوگا اگر چہ مسند متناسب یا متحد ہو اسلئے ”خفی ضیقٌ وخاتمی ضیق“ میں عطف ممتنع ہے اسلئے کہ موزہ اور انگوٹھی میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اسی طرح ”زید شاعر وعمرو طویل“ میں عطف درست نہیں ہے چاہے زید اور عمرو میں کوئی مناسبت ہو یا نہ ہو اسلئے کہ شعر اور طوالت میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

قوله : السكاكى ذكر انه يجب ان يكون بين الجملتين الخ۔

علامہ سکاکی نے جامع بین الجملتین کی تین قسمیں بیان کی ہیں کہ قوت متفکرہ میں دو چیزوں کو جمع کرنے والی چیز یا امر حقیقی ہوگی یا امر اعتباری اگر امر حقیقی ہے تو اس کو جامع عقلی کہا جاتا ہے۔ اور اگر امر اعتباری ہے تو محسوس ہوگا یا غیر محسوس اگر محسوس ہے تو امر جامع وہمی ہے اگر غیر محسوس ہے تو امر جامع خیالی ہے۔

قوله : والمراد بالعقل القوة العاقلة الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ عقل سے مراد وہ قوت عاقلہ ہے جو کلیات کا ادراک کرتا ہے اور وہم سے مراد وہ قوت مدرکہ ہے جو معانی جزئیہ کا ادراک کرتی ہے جو موجود ہوتے ہیں محسوسات کے شکل میں اور یہ قوت ان کا ادراک حواس کے بغیر کرتی ہے مثلاً بکری بھیڑیئے کا تصور عداوت کیساتھ اور بچے کا تصور محبت کیساتھ کرتے ہیں اسی قوت کے ذریعے اور خیال اس قوت کو کہتے ہیں جس میں محسوسات کی صورتیں جمع ہوتی ہیں اور حس مشترک سے غائب ہونے کے باوجود خیال سے غائب نہیں ہوتی اور اس قوت کی طرف محسوسات کی صورتیں حواس ظاہرہ کے ذریعے پہنچتی ہے اور قوت مفکرہ سے مراد وہ قوت ہے جو حاصل شدہ صورتوں میں تفصیل اور ترتیب کا کام کرتی ہے جو صورتیں حس مشترک کے ذریعے حاصل ہو یا معانی مدرکہ بالوہم کے ذریعے۔

قوله : ونعني بالصور ما يمكن ادراكه الخ۔

صورت سے مراد وہ چیز ہے جس کا ادراک حواس ظاہرہ کے ذریعے کیا جائے اور معانی سے مراد وہ چیزیں ہیں جنکا ادراک حواس ظاہرہ سے نہ ہو۔

قوله :۔ وقال السكاكی الخ۔

علامہ سکاکی نے فرمایا کہ دو جملوں کے درمیان جامع عقلی ہوگا اور جامع عقلی کا مطلب یہ ہے کہ دو جملوں میں اتحاد ہو امر متصور میں یعنی مسندالیہ میں یا مسند میں یا ان کیساتھ لگی ہوئی کسی قید میں جیسے کہ حال صفت وغیرہ اتحاد فی التصور سے مراد مصنف کے نزدیک صرف تصورات نہیں ہیں صرف امر متصور ہے۔

قوله : ولما كان مقررا انه الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ دو جملوں میں عطف کیلئے دو مفردوں کے درمیان وجود جامع کافی نہیں بلکہ جملوں میں مناسبت ضروری ہے دوسری بات یہ بھی ہے کہ عطف کیلئے جامع بین المفردین وبین الجملتین دونوں ضروری ہے اسلئے مصنف نے علامہ سکاکی کی عبارت کو جو الجامع بین الجملتین تھی تبدیل کر کے الجامع بین الشیئین کہدیا اور کہا کہ [اما عقلی] کہ جامع عقلی اس امر کو کہتے ہیں جس کے سبب سے عقل دونوں جملوں کے درمیان اجتماع کا تقاضہ کرے قوت مفکرہ میں تو یہ (جامع عقلی) تین صورتوں میں متصور ہو سکتی ہے۔

[۱] اتحاد فی التصور ہو یعنی مسند الیہ اور مسند ایک ہو۔

[۲] ان کے درمیان تماثل ہو کسی اعتبار سے مماثلت پائی جائے۔

[۳] تضایف ہو ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو۔

قوله : فان العقل بتجريده المثلين الخ ۔

یہ عبارت تماثل کی جامع عقلی ہونے کا بیان ہے اور حقیقت میں ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض : یہ ہے کہ عقل کا کام کلیات اور جزئیات کا ادراک کرنا ہے لہذا اگر کوئی دو متماثل مادیات میں سے ہو تو عقل ان کا ادراک کیسے کریگی۔

جواب : اس کا جواب دیا کہ عقل ان کا ادراک کریگی اس وقت جب ان کو مشخصات خارجیہ سے خالی کیا جائے جب مشخصات خارجیہ سے خالی ہوں گے تو وہ متحد ہوں گے اور اس سے معنی کلی پیدا ہوگا اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ عقل تشخصات کے بغیر معنی کلی کو پیدا کر دیتی ہے۔

قوله : وانما قال فی الخارج الخ ۔

خارج کی قید اسلئے لگائی کہ عقل مشخصات ذہنیہ سے کسی شئ کو خالی نہیں کر سکتی اسلئے کہ ہر موجود فی العقل کیلئے ایسا تشخص ضروری ہے جس کے ذریعے وہ ماعداہ سے ممتاز ہو۔

قوله : وههنا بحث وهو ان التماثل هو الاتحاد فی النوع الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بحث ہے کہ تماثل کہا جاتا ہے اتحاد فی النوع کو کہ دو چیزیں کسی نوع میں متحد ہو اس معنی کے اعتبار سے زید اور عمرو نوع انسانیت میں متحد ہیں لہذا پھر ان کے درمیان اخوت اور صداقت کو ضروری قرار دینا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ تماثل ان کے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔

قوله : والجواب الخ ۔

کہ تماثل سے مراد علم بیان میں دو چیزوں کا ایک ایسے وصف میں مشترک ہونا جس وصف کا ان دونوں کیساتھ کوئی اختصاص نہ ہو وہ تماثل مراد نہیں ہے جو حکماء کے ہاں ہے اس لئے زید عمرو کے درمیان کوئی ایک ایسا وصف مشترک ہونا ضروری ہے جس کا ان دونوں کیساتھ کوئی تعلق ہو جیسے اخوت اور صداقت وغیرہ۔

قوله : اوتضایف الخ۔

جامع عقلی کی تیسری صورت تضایف ہے دو چیزوں کا اس طرح ہونا کہ ایک کا سمجھنا دوسرے پر موقوف ہو جیسے کہ علت اور معلول اسلئے کہ علت اور معلول ایسے ہیں ان میں سے ہر ایک سے دوسرا امر نکلتا ہے یا تو استقلال کے طور پر جیسے علت تامہ میں یا انضمام غیر کیساتھ جیسے کہ علت ناقصہ میں اسی طرح اقل اور اکثر میں تضایف ہو اسلئے کہ ہر وہ عدد جو شمارے سے پہلے ختم ہو جائے وہ اقل ہوتی ہے اور بعد والی اکثر ہوتی ہے۔

قوله : اووهمی وهو امر بسببه یختال الوهم الخ۔

اس کا عطف ہے جامع عقلی پر کہ جامع کی دوسری صورت جامع وہمی ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس کے سبب سے وہم دو چیزوں کو ایک خیال کرتا ہے قوت مفکرہ میں برخلاف عقل کے وہ دونوں کو الگ الگ سمجھتا ہے۔

قوله : وذلک بان یکون بین تصوریهما شبة الخ۔

اور یہ دونوں کو ایک اسلئے سمجھتے ہیں کہ دوشئی کے درمیان شبہ تماثل ہوتا ہے جیسے کہ بیاض اور صفرہ کہ وہم ان دونوں کو ایک سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ ان میں سے ایک میں کدورت اور صفرت زیادہ ہے ورنہ دونوں ایک ہے اور عقل کے ہاں یہ متبائنین اسلئے ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نوع ہیں جنس کے تحت داخل ہیں۔

قوله : ولذلک ای ولان الوهم یبرزهما الخ۔

اور اسلئے کہ وہم بعض چیزوں کو ایک گمان کرتا ہے اس شعر کو حسن سمجھا گیا جس میں تین چیزیں کو جمع کیا گیا ہے۔ شعر۔

ثلاثة تشرق الدنیاببهجتها : شمس الضحی وابوالاسحاق والقمر

تین چیزیں خوبصورتیں سے دنیا کو روشن کرتی ہے سورج، ابواسحاق، اور چاند۔ وہم کے ہاں یہ تینوں ایک ہیں جب کہ عقل کے ہاں یہ متبائنین ہیں۔

قوله : اویکون تضاد وهو التقابل بین امرین الخ۔

جامع عقلی کی دوسری صورت تضاد ہے اور تضاد کہا جاتا ہے دو وجودی چیزوں کا اس طرح مقابل

ہونا کہ وہ یکے بعد دیگرے ایک محل میں اس کے اوران دونوں کے درمیان غایت خلاف ہو یعنی بالکل ایک دوسرے سے الگ ہو جیسے کہ سواد، اور بیاض "السواد قبیح والبیاض محبوب" ان کا تعلق محسوسات سے ہے۔ معقولات کی مثال ایمان اور کفر "الایمان محبوب والکفر قبیح"۔

قوله : والحق ان بينهما تقابل العدم والملكة الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان تضاد نہیں ہے بلکہ تقابل عدم ملکہ ہے اسلئے کہ ایمان ان چیزوں کی تصدیق کا نام ہے جس کو حضور اکرم ﷺ لیکر آئے اور کفر ان کی تصدیق نہ کرنے کا نام ہے جن کی تصدیق کرنی چاہیئے تھی۔

قوله : فقديقال الكفر الخ۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ کفر نام ہے انکار کرنے کا اور ایمان نام ہے انکار نہ کرنے کا لہذا اس اعتبار سے ان میں تضاد ہے۔

قوله : ومايتصف بهاالخ۔

اور جو چیزیں متضاد صفتوں کیساتھ متصف ہونگے ان میں بھی تضاد ہوگا جیسے کافر اور مؤمن اور اسود وابیض۔

قوله : اوشبه تضاد كالسماء والارض الخ۔

جامع وہمی کی تیسری صورت شبہ تضاد ہے جیسے کہ آسمان اور زمین کہ آسمان انتہائی بلندی کیساتھ متصف ہے اور زمین غایت پستی کیساتھ اور یہ معنی ہے شبہ تضاد کا اور متضادین اسلئے نہیں کہ اجسام کے قبیل ہونے کی وجہ سے یکے بعد دیگرے ایک محل میں نہیں آسکتا اور اسود اور ابیض کی طرح بھی نہیں ہے اسلئے کہ ارتفاع اور انحطاط آسمان اور زمین کے مفہومات میں سے نہیں ہے۔

قوله : والاول والثانى الخ۔

اول اور ثانی میں بھی شبہ تضاد ہے چاہے محسوسات کے قبیل سے ہو چاہے معقولات کے قبیل سے ہو اسلئے کہ اول اس مفہوم کا نام ہے جو غیر سے مقدم ہو اور مسبوق بالغیر نہ ہو اور ثانی اس مفہوم کو کہتے ہیں جو مسبوق بواحد ہو پس یہ متضادین کے مشابہ ہوگئے اسلئے کہ وصف مسبوق

میں اشتراک پایا جاتا ہے اوران دونوں کو متضادین نہیں کہا اسود اور ابیض کی طرح اسلئے کہ تضاد میں غایت خلاف شرط ہے جب کہ اول اور ثانی میں غایت خلاف نہیں ہے اسلئے کہ یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ ثالث اور رابع کی مخالفت اول سے ثانی کے مقابلے میں زیادہ ہے تو غایت خلاف نہیں پایا گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ اول مفہوم میں عدم داخل ہے لہذا وہ وجودی نہیں رہا اور تضاد کیلئے وجودی ہونا ضروری ہے۔

قوله : فانه ای انما جعل التضاد وشبهه جامعا الخ ـ

وہم میں تضاد اور شبہ تضاد کو جامع بین الجملتین اس لئے قرار دیا کہ وہم ان کو تضایف کا درجہ دیتا ہے اس طور پر کہ ان میں سے دوسرا بھی حاضر ہوتا ہے ذہن میں۔

قوله : ولذلک نجد الضد أقرب خطورًا بالبال مع الضد الخ ـ

اور اسی لئے کہ وہم ان دونوں کو ایک سمجھتا ہے کہ آپ اپنے دل اور خیال اور ذہن میں ایک ضد کو پائینگے دوسرے ضد کیساتھ دوسرے متغایرات سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان وہم کے قربت ہوتی ہے اور یہ حکم وہم کا ہے ورنہ عقل ان دونوں کو الگ سمجھتی ہے ایک کے بغیر دوسرے کا تعلق ممکن ہوتا ہے۔

قوله : اوخیالی وهو امر بسببه الخ ـ

جامع کی تیسری قسم جامع خیالی ہے جو ایک ایسا امر ہے جس کے سبب سے خیال جملتین کو مجتمع سمجھتا ہے قوت مفکرہ میں اور ایسا اسلئے ہوتا ہے کہ ان دونوں چیزوں کا تصور خیال میں ملا ہوتا ہے عطف سے پہلے ان اسباب کی وجہ سے جو مقارنت پر دلالت کرتے ہیں اور وہ اسباب مختلف ہوتے ہیں زمان، مکان، اور شخص کے اعتبار سے اسلئے خیالات میں ثابت شدہ تصورات ترتیب اور وضاحت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں کتنی صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے درمیان جدائی ممکن نہیں ہوتی ایک خیال کے مطابق اور اجتماع ممکن نہیں ہوتا دوسرے خیال کے مطابق اور بہت سی صورتیں ایک خیال سے غائب نہیں ہوتی اور دوسرے خیال میں آتی نہیں۔

قوله : ولصاحب علم معانی فضل احتیاج الخ ـ

علم معانی سے شغل رکھنے والے شخص کیلئے ضروری ہے کہ وہ جامع کے بحث کو سمجھے اسلئے کہ علم

معانی میں فصل اور وصل کا باب اہمیت رکھتا ہے خصوصاً جامع خیالی میں اسلئے کہ جامع خیالی کا مدار انسیت اور عادت پر ہے جو اسباب کو منعقد کرتے ہیں تا کہ وہ اسباب خیال کے خزانے میں صورتوں کو ثابت ظاہر کریں اور اگر اسباب متبائنین ہو گئے تو حصر بھی فوت ہو جائیگا کہ کس کو جامع قرار دیدے اور کس کو نہ دے۔

قوله : فظهر ان ليس المراد بالجامع العقلى الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ جوامع ثلاثہ کی مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جامع عقلی سے مراد وہ چیزیں نہیں جن کو عقل کے ذریعے سے سمجھا جائے خیال سے مراد وہ جو خیال کے ذریعے سمجھا جائے اور وہم سے مراد وہ جن کو وہم کے ذریعے سمجھا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ دل ان کے درمیان اجتماع کا عقل وہم یا خیال تقاضہ کرے چاہے وہ جس قبیل سے ہو ورنہ تضاد اور شبہ تضاد جامع وہمی کی صورتیں ہیں یہ معانی کے قبیل سے نہیں کہ صورتیں خیال میں نقش ہو جائیں اسلئے کہ تمام چیزیں معقولات کے قبیل سے ہیں مگر کبھی وہم اور خیال اس میں تصرف کر بیٹھتا ہے اور تفصیل بہت سارے لوگوں سے مخفی رہی اسلئے ان لوگوں نے اعتراض کیا کہ سواد اور بیاض ہے تو محسوسات میں سے ہے وہمیات میں سے نہیں پھر وہم ان کے درمیان اجتماع کا تقاضہ کیوں کرتا ہے پھر لوگوں نے خود اس کا جواب دیا کہ ان دونوں کا جامع وہمی سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا ضد ہے اور یہ معنی جزئی ہے اسلئے کہ جزئی ایک دوسرے کے ضد ہوتے ہیں اور جزئی کا ادراک صرف وہم کرتا ہے۔

قوله : وفيه نظر لانه ممنوع الخ ـ

ان لوگوں کا یہ جواب غلط ہے اسلئے کہ اگر تضاد سے آپ یہ معنی مراد لیتے ہیں یعنی جزئی تو یہ معنی تماثل کے اندر بھی پایا جاتا ہے تضایف کے اندر بھی پایا جاتا ہے تو پھر ان کے درمیان کوئی فرق باقی نہیں رہے گا اور یہ جامع عقلی سے نکل کر جامع وہمی میں داخل ہو جائیگا کیونکہ ان اشیاء کی اضافت جزئی کی طرف کرو تو جزئی ہے کلی کی طرف کرو تو کلی ہے تو پھر بعض مطلقاً جامع عقلی قرار دینا بعض کو وہمی اور بعض کو خیالی قرار دینا کیسے درست ہوگا جب ان میں فرق نہیں ہے اور یہی اعتراض جامع خیالی کے درمیان بھی ہوگا اسلئے ہم نے کہا ان کا مدار ان کے تقاضے پر ہے

چاہے وہ کسی بھی قبیل سے ہو۔

قوله : فان قلت كلام صاحب المفتاح مشعرٌ الخ ـ

اعتراض : یہ عبارت علامہ سکا کی پر اعتراض ہے کہ علامہ سکا کی کا کلام اس بات کی طرف مشیر ہے کہ عطف بینا لجملتین کے صحت کیلئے کسی مفرد میں مناسبت کافی ہے اور پھر علامہ سکا کی نے خود اس بات کی صراحت کی ہے کہ "خفی ضیق وخاتمی ضیق" میں عطف جائز نہیں ہے حالانکہ مسند میں مناسبت ہے اسی طرح سورج اور خرگوش کا پتہ اور ایک ہزار بھینگن محدث ہیں بقول علامہ سکا کی یہ مثال بھی غلط ہے باوجود مسند میں مناسبت ہے۔

قوله : قلناالخ ـ

جواب : ہم نے جواب دیا علامہ سکا کی کی طرف سے اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ علامہ سکا کی الجامع بین الجملتین کہکر صرف جامع کے ضروری ہونے کو بیان کرنا چاہتے ہیں رہا یہ سوال کہ جامع ہونی کی مقدار کیا ہے تو اس کو دوسرے مقام میں بیان کیا کہ مسند اور مسند الیہ میں اسی طرح فوائد قیود میں مناسبت ضروری ہے لہذا سکا کی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

قوله : والمصنف لما اعتقد ان كلامه الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ نے علامہ سکا کیؒ کو اعتراض سے بچانے کیلئے اس کے عبارت کو تبدیل کر کے جملتین کی جگہ شیٔین رکھ دیا اور فی تصور ما نکرہ کے بجائے التصور معرفہ رکھ دیا اور خود اعتراض کے زد میں آگیا اسلئے کہ بقول مصنف جامع وہمی کی تعریف یہ ہوگی کہ دو چیزوں کے تصور میں شبہ تماثل تضاد اور شبہ تضاد ہو حالانکہ شبہ تماثل تضاد اور شبہ تضاد تصور میں نہیں ہوتا ہے بلکہ ان چیزوں کے ذات میں ہوتا ہے اسی طرح جامع خیالی کی تعریف یہ ہوگی کہ چیزوں کے درمیان تقارن فی الخیال کا تصور ہو حالانکہ تقارن فی الخیال نفس صورتوں میں ہوتا ہے نہ کہ تصورات میں اسلئے صحیح یہی ہے جو علامہ سکا کی نے کی۔

قوله : وحمله على ماذكره السكاكى الخ ـ

بعض حضرات نے مصنف کا دفاع کیا کہ مصنف کی مراد وہی ہے جو علامہ سکا کی کی مراد ہے شارح نے اس کا جواب دیا یہ دفاع غلط ہے اسلئے کہ مصنف کی عبارت خود اس پر تصریح ہے کہ

علامہ سکاکی سے سہو واقع ہوگیا ہے لہذا اس کے کلام کو سہو کہنا پھر دونوں کی مراد کو ایک سمجھنا خلاف اصل و عقل ہے اس مقام پر مزید ایسی تشریح ہے جس کے قریب کوئی نہیں گیا اور شارح نے "مطول" میں اس کو ذکر کیا ہے۔

قوله : ومن محسنات الوصل الخ۔

صحت اور عظمت وصل کے بعد محسنات وصل کو بتانا چاہتے ہیں کہ دو جملوں کے درمیان اسمیہ اور فعلیہ ماضی اور مضارع ہونے میں مناسبت ہو وصل کے محسنات میں سے ہے۔الا یہ کہ کوئی مانع موجود ہو مثلاً ایک جملے سے تجدد اور دوسرے سے ثبوت مقصود ہو ایک سے ماضی اور دوسرے سے مضارع مقصود ہو ایک میں تقیید دوسرے میں اطلاق ہو۔جیسے کہ اطلاق اور شرط کی مثال "وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عليه مَلَكٌ ولو انزلْنَا مَلَكاً لَّقُضِيَ الامرُ" اسی طرح "فَإِذَا جَآءَ اَجَلُهم لايستاخرونَ ساعةً ولا يستقدمونَ" ان مثالوں میں ایک مقید ہے اور ایک مطلق ہے۔

قوله : فعندی الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ [لایستقدمون] کا عطف صرف [لایستاخرون] پر نہیں ہے بلکہ پورے مجموعے پر ہے ورنہ مطلب یہ ہوگا کہ اجل کے آنے کے بعد موت مقدم نہیں ہوگی اور یہ معنی غیر مقصود ہے۔

تذنیب

تذنیب کالغوی معنی : ہے پیچھے لگانا ایک چیز کے بعد دوسری چیز کو لانا۔

تذنیب کی اصطلاحی تعریف :یہ ہے کہ ایک بحث کے بعد دوسری ایسی بحث لیکر آنا جن کا آپس میں کچھ نا کچھ تعلق ہو۔

تنبیہ اور تذنیب میں فرق :تنبیہ ایسے مقام پر لایا جاتا ہے کہ اگر بحث متقدم میں غور کیا جائے تو بحث ثانی سمجھ میں آسکے جبکہ تذنیب میں ایسا نہیں ہوتا مصنف نے جملہ حالیہ کے بحث کو وصل کے بعد لیکر آیا اسلئے کہ یہ بھی کبھی [واو] اور کبھی بغیر [واو] کے ہوتا ہے جیسا کہ فصل اور وصل میں ہوتا ہے چنانچہ فرمایا کہ حال منتقلہ میں اصل یہ ہے کہ وہ بغیر [واو] کے ہو یعنی راجح اور شائع

یہی ہے کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے حالانکہ منتقلہ کے ذریعہ احتراز کیا حال موکدہ سے جو مضمون جملہ کو پکا کرنے کیلئے آتا ہے جس میں ترک عطف واجب اور ضروری ہوتا ہے اسلئے کہ ان دونوں میں شدید تعلق ہوتا ہے گویا کہ کمال اتصال ہوتا ہے جیسے "زید ابوك عطوفاً"۔ "عطوفاً" حال موکدہ بغیر [واو] کے ہے اور حال منتقلہ میں [واو] کے بغیر ہونا اسلئے اصل ہے کہ وہ اپنے ذوالحال کیلئے ایسا ہے جیسا کہ مبتداء کیلئے خبر اسلئے "جاء نی زید راکباً" کا مطلب جیسا کہ "زید راکب" صرف اتنی بات ہے کہ حال ہونے کی صورت میں اثبات رکوب تابع ہے اصل مقصود مجیئت زید ہے اور یہ معنی میں مزید اطلاع اور زیادتی کیلئے ہے اور یہ حال مؤکدہ ذوالحال کیلئے ایسا ہے جیسا کہ صفت موصوف کیلئے البتہ اتنا فرق ہے کہ حال کی صورت میں فعل کے صدور کی حالت کو بتلانا ہے اور صفت ہونے کے اعتبار سے صرف موصوف کیساتھ تعلق بتلانا ہے

قوله : واذا كانت الحال مثل الخبر والنعت الخ۔

شارحؒ اس بات کو شکل اول کے ذریعے سمجھاتے ہیں۔

(صغریٰ) کہ حال منتقلہ خبر اور صفت کی طرح۔

(کبریٰ) اور حال اور صفت بغیر [واو] کے ہوتا ہے۔

(نتیجہ) حال منتقلہ بھی بغیر [واو] کے ہوتا ہے۔

قوله : واما ما اورده بعض النحويين من الاخبار الخ۔

کبریٰ پر منع وارد کیا گیا کہ کبھی خبر اور نعت [واو] کے ساتھ بھی آتے ہیں جیسے کہ افعال ناقصہ کان کی خبر اور وہ حال جو نکرہ کی صفت واقع ہو۔

قوله : فعلىٰ سبيل التشبيه والالحاق بالحال الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ نے اس منع کا جواب دیا کہ ان میں اصل تو بغیر [واو] ہے کبھی مجازاً [واو] کیساتھ بھی آتے ہیں اور کبھی ان کو حال کیساتھ ملحق کرنے کیلئے [واو] کیساتھ لیکر آتے ہیں اسلئے کہ حال کبھی [واو] کیساتھ ہوتا ہے ورنہ اصل ان میں بغیر [واو] ہے۔

قوله : ولكن خولف هذا الاصل اذا كانت الحال الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حال منتقلہ میں اصل بلا[واو] ہے لیکن اگر حال منتقلہ جملہ ہوتو جملہ مستقل ہونے کی وجہ سے کسی رابطے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ حال کوذوالحال کیساتھ جوڑدے مصنفؒ نے من حیث جملہ کہا اسلئے کہ من حیث الحال غیر مستقل ہوتا ہے اور ربط کیلئے [واو] بھی لائی جاسکتی ہے اور ضمیر بھی البتہ اصل ضمیر ہے اسلئے کہ حال مفردہ خبراور صفت میں ضمیر لائی جاتی ہے لہذا جملے میں بھی ضمیر اصل ہے لہذا جو جملہ ضمیر ذوالحال سے خالی ہوگا اس صورت میں [واو] لانا واجب ہے تاکہ حال کوذوالحال سے جوڑدیا جائے اور پھروہ جملہ جوضمیر ذوالحال سے خالی ہومثلاً ضمیر فاعل سے ضمیر مفعول سے چاہے معرفہ ہوچاہے نکرہ مخصصہ ہوتو درست ہے کہ جملہ حالیہ کو[واو] کیساتھ لایا جائے نکرہ مخصصہ اسلئے کہا کہ اگر نکرہ محضہ ہویا مبتداء اور خبر ہوتو پھر صحیح قول کے مطابق ان کوذوالحال بنانا درست نہیں ہوگا اور مصنفؒ نے کل جملۃ کہا بجائے اس کے خالیۃ عن ضمیر صاحب الحال کہتے تو اسلئے کہ ذوالحال کوذوالحال اس وقت کہا جاتا ہے جب حال فی الفعل واقع ہووقوع حال سے پہلے ذوالحال کہنا مجاز ہے اور مجاز کے مقابلے میں حقیقت اولی ہے اسلئے کل جملۃ کہا۔

قوله : ولم يقل يجوزالخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنف نے "یجوزان ینصب" کہا "یجوزان تقع" نہیں کہا اسلئے کہ مصنفؒ کی عبارت اس حال کوبھی شامل ہے جومضارع مثبت کیساتھ حال واقع ہوتا کہ اس کومستثنی قرار دیا جائے اسلئے مصنف نے "الا المصدر بالمضارع" کہہ کر استثناء کیا کہ اگر جملہ حالیہ مضارع سے شروع ہوتا ہے تو پھر[واو] لانا جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس صورت میں صرف ضمیر لائی جاتی ہے کیونکہ مضارع، حال اور مستقبل دونوں پردلالت کرتا ہے اور حال میں مقارنت پائی جاتی ہے اور مقارنت کے وقت [واو] نہیں لائی جاتی ہے بلکہ ضمیر لائی جاتی ہے چنانچہ "جاء نی زید و یتکلم عمرو" کہنا جائز نہیں ہے اور "کل جملۃ" سے مراد جملہ خبریہ ہے انشائیہ نہیں ہے اسلئے کہ انشاء حال واقع نہیں ہوتا نہ [واو] کیساتھ نہ بغیر[واو] کیساتھ۔

قوله : والا ای وان لم تخل الجملة الحالية الخ ۔

اور اگر جملہ حالیہ ضمیر ذوالحال سے خالی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ہے تو اگر جملہ حالیہ فعلیہ ہے اور فعل فعل مضارع ہے تو [واو] کا دخول ممتنع ہے جیسے کہ "وَلَاتَمْنُنْ تَسْتَكْثِرْ" آپ اعطاء مت کرو اس حال میں کہ آپ اس کو کثیر سمجھتے ہو اس میں [تستکثر] بغیر [واو] کے ہے اسلئے کہ حال میں اصل حال مفردہ ہوتا ہے کیونکہ اعراب میں اصل مفرد ہے اور جملہ مفرد کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے محل اعراب ہوتا ہے اور حال مفردہ دلالت کرتا ہے صفت غیر ثابتہ کے حصول پر جو حصول مقارن ہوتا ہے ذوالحال کے اسلئے کہ حال سے مقصد اور غرض حال کے عامل کے مضمون کے وقوع کو خاص کرنا ہے حال کے مضمون کے حصول کے وقت کیساتھ اور یہی معنی ہے مقارنت کا اور یہی مقارنت مضارع مثبت کے اندر پائی جاتی ہے تو جس طرح حال مفردہ میں [واو] ممنوع ہے اسی طرح حال مصدرہ بالمضارع میں بھی ممنوع ہے آسان الفاظ میں یو کہا جاسکتا ہے کہ حال جب فعل مضارع سے شروع ہوتا ہے تو وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حال اور ذوالحال کے مضمون کے حصول کا وقت ایک ہے اور یہی مقارنت ہے اور یہ حال مفردہ کے مشابہ ہو گیا اسلئے بغیر [واو] کے لانا ضروری ہے۔

قوله : واماالحصول ای دلالة المضارع المثبت الخ۔

مضارع مثبت حصول صفت پر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ وہ فعل تجدد پر اور عدم ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور مقارنت پر اسلئے کہ وہ فعل مضارع ہے جس میں حال کا معنی بھی پایا جاتا ہے جیسے کہ مستقبل کا معنی پایا جاتا ہے۔

قوله : وفيه نظر لان الحال الذى الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مقارنت کی دلیل پر نظر ہے اسلئے کہ وہ حال جس پر مضارع دلالت کرتا ہے وہ زمانہ تکلم ہے جس کی حقیقت صرف اتنی ہے جس کے اجزاء ماضی کے آخر اور مستقبل کے شروع کے اتصال (ملاپ) سے ہوتا ہے اور ہم جس حال کی بات کر رہے ہیں اس سے مراد وہ حال ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ ذوالحال اور حال کے مضمون کے حصول کا وقت ایک ہے چاہے وہ ماضی کے ساتھ ہو یا حال اور استقبال کیساتھ ہو لہذا فعل مضارع کے معنی کا مقارنت میں کوئی دخل نہیں ہے۔

قوله : فالأولی ان یعلّل امتناع الواو الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مقارنت کی علت یوں بیان کرنا اولی ہے کہ مضارع مثبت میں [واو] کا لانا اسلئے ممتنع ہے کہ وہ اسم فاعل کے وزن پر ہوتا ہے لفظاً ومعناً اس طرح کہ حروف میں اشتراک ہے اور معنی اس طرح کہ حال کے معنی کو شامل ہے۔

قوله : واماماجاء من نحو قول بعض العرب الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

اعتراض : یہ ہے کہ کلام عرب میں مضارع مثبت [واو] کیساتھ بھی واقع ہے جیسے کہ ''قمت واصكّ وجهه'' میں کھڑا ہو گیا اس حال میں کہ میں اس کے چہرے پر مار رہا تھا۔ اسی طرح شاعر کا شعر ہے۔

فلماخفیت اظافیرهم نجوت وارهنهم مالکا

ترجمہ : مجھے ان کے ہتھیاروں کا خوف محسوس ہوا پس میں نے نجات پایا اس حال میں اپنے مالک کو اس کے پاس رھن رکھوایا۔ محل استشہاد [ارهنهم] ہے۔

قوله : فقیل انما جاز الواو فی المضارع الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ نے اس کا جواب دینا شروع کیا۔

جواب :[۱] پہلا جواب یہ ہے کہ دونوں مثالوں میں مبتداء محذوف ہے ''انا اصك وانا ارهنهم'' جیسے کہ اسکی نظیر یہ آیت ہے ''لِمَ تُوذُونَنِي وَقَدتَعْلَمُونَ انی رسول الله ای وانتم قدتعلمون''۔

جواب :[۲] وقیل سے ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلا مثال شاذ ہے اور دوسرے میں ضرورت شعری ہے۔

جواب :[۳] اور تیسرا جواب شیخ عبدالقاہر نے دیا کہ ان میں [واو] حالیہ نہیں ہے بلکہ [واو] عطف کیلئے ہے ان مثالوں میں مضارع بمعنی ماضی ہے اصل میں اس طرح ہے ''کنت وصككت ورهنت'' ماضی سے مضارع کی طرف عدول کیا گیا حال ماضی کی حکایت کے واسطے حال ماضی کی حکایت کا مطلب زمانہ ماضی میں واقع شدہ کام کو زمانہ حال میں فرض

کرنا اور زمانہ مضارع سے اس کو تعبیر کرنا۔

قوله : وان كان الفعل مضارعا منفيا الخ ـ

اگر فعل مثبت نہ ہو بلکہ منفی ہو (جملہ حالیہ میں) تو [واو] بھی جائز ہے اور ترک [واو] بھی جائز ہے جیسے کہ ابن زکوان کی قرائت "فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِ" تخفیف کیساتھ اسلئے کہ تخفیف کی صورت میں [لا] نفی کے واسطے ہوگا نہ کہ نہی اسلئے کہ [نون] علامت رفع موجود ہے لہذا ما قبل پر عطف درست نہیں ہے اسلئے کہ وہ انشاء ہے اور یہ خبر ہے اور اگر تشدید کیساتھ ہو "ولا تتبعان" تو پھر یہ ما قبل پر عطف ہوگا اسلئے کہ یہ دونوں انشاء ہے اسی طرح "ومالنا لانؤمن بالله ای شیء ثبت لنا" [لانؤمن] جملہ حالیہ ہے اور بغیر [واو] کے ہے دونوں امر کیوں جائز ہے" لدلالته "ترک [واو] اسلئے جائز ہے کہ فعل مضارع مقارنت پر دال ہے اور [واو] اسلئے جائز ہے کہ حصول پر دلالت نہیں کرتا اسلئے کہ منفی ہے اور منفی مطابقۃً عدم حصول پر دلالت کرتا ہے۔

قوله : وان كان الفعل ماضيا لفظًا او معنىً الخ ـ

اگر فعل ماضی ہو چاہے مثبت ہو یا منفی ہو لفظاً و معناً ہو یا صرف معناً ہو تب بھی دونوں صورتیں جائز ہے مع الواو یا بغیر الواو جیسے قولہ تعالیٰ "اَنّٰى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ" جملہ حالیہ [واو] کیساتھ ہے اسی طرح "جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ" بغیر [واو] کے ہے ماضی معناً سے مراد مضارع [بلم] اور [لما] ہے جیسے قولہ تعالیٰ اَنّٰى يَكُونُ لِيْ غُلَامٌ وَ لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ" [لم يمسسنى] مضارع جملہ حالیہ [واو] کیساتھ ہے۔ بغیر [واو] کی مثال "فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْءٌ" [لم يمسسهم] بغیر [واو] کے ہے جملہ حالیہ [لما] کی مثال "اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ" [لما] واو کیساتھ ہے۔

قوله : واما المثبت الخ ـ

ماضی مثبت میں دونوں اسلئے جائز ہے کہ مثبت دلالت کرتا ہے حصول پر لہذا اقتران کی وجہ سے حال مفردہ کے مشابہ ہوگا بغیر [واو] کے ہوگا مقارنت نہ ہونے کی وجہ سے بوجہ ماضی ہونے کے

[واو] کیساتھ ہوگا۔

قولہ : ولھذا ای ولعدم دلالتہ علی المقارنۃ الخ ۔

اور اسی لئے کہ ماضی مقارنت پر دلالت نہیں کرتا ہے یہ شرط لگائی گئی وہ [قد] کیساتھ ہو چکا ہے [قد] ظاہر ہو یا مقدر ہو۔

ظاہرہ کی مثال "وَقَدْ بَلَغَنِی الکبرُ" مقدرہ کی مثال 'حصرت صدورھم' اور [قد] کی شرط اسلئے لگائی کہ [قد] ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے تا کہ اس میں مقارنت پیدا ہو جائے۔

قولہ : والاشکال المذکور وارد ھھنا الخ ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ گزشتہ اشکال اس مقام پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ ہم جس حال کی بات کرتے ہیں وہ حال نحوی ہے اور [قد] جس ماضی کو حال کے قریب کرتا ہے وہ حال لغوی ہے یعنی زمانہ تکلم جبکہ لفظ [قد] ماضی کو حال سے دور بھی کر دیتا ہے مثلاً "جاء نی زیدفی السنۃ الماضی وقدرکب فرسہ" زید گزشتہ سال آیا اس حال میں کہ وہ گھوڑے پر سوار تھا پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ [قد] ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے اور حال بھی لغوی ہے جو ہمارا مقصود بھی نہیں ہے البتہ حال اور عامل دونوں ماضی ہو تو پھر مقارنت پر دلالت ہو سکتی ہے۔

قولہ : واما المنفی الخ ۔

اور اگر جملہ حالیہ ماضی منفی کیساتھ ہو تو مع الواو اور بغیر الواو دونوں جائز ہے ترک [واو] اسلئے جائز ہے کہ یہ مقارنت پر دلالت کرتا ہے لہذا حال مفردہ کے مشابہ ہو گیا اور مع الواو اسلئے جائز ہے کہ حصول صفت پر دلالت نہیں کرتا۔

قولہ : اما الاول الخ ۔

مقارنت پر دلالت اس طور پر کرتا ہے کہ [لما] استغراق کے واسطے ہے یعنی نفی میں استمرار کو بتاتا ہے انتفاء کے وقت سے لیکر زمانہ تکلم تک اور [لم] اور [ما] اور [لا] یہ مطلق انتفاء مقدم پر دلالت کرتے ہیں۔

قولہ : مع ان الاصل استمرارہ الخ ۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ نفی میں استمرار اصل ہے جیسا کہ "لم یضرب زیدٌ أمس لکنہ

ضــــرب الیــــوم “ اس مثال میں [ضرب الیوم] قرینہ ہے اس بات پر کہ انتفاء ضرب میں استمرار نہیں ہے تکلم کے وقت سے معلوم ہوا کہ اصل استمرار ہے اِلاّ یہ کہ کوئی قرینہ اس کے خلاف ہو جیسے کہ مثال مذکور میں اسلئے مقارنت ثابت ہو جائے گی استمرار کی وجہ سے لہذا ترک [واو] جائز ہے برخلاف مثبت کے کہ وہ استمرار پر دلالت نہیں کرتا اسلئے کہ اسکی وضع تجدد اور حدوث کیلئے ہے مثلاً صرف ضرب کہنا اس بات کیلئے کافی ہے کہ زمانہ ماضی میں ضرب واقع ہوا ہے کسی بھی وقت جب کہ ”ماضرب“ میں اس بات پر دلالت ہے کہ تمام زمانہ ماضی میں ضرب واقع نہیں ہوا البتہ یہ استمرار [لما] میں قطعا ہے اور ماضی میں غیر یقینی ہے۔

قوله : وذلک لأنهم قصدوا الخ۔

اور یہ بات کہ نفی میں استمرار ہے اور مثبت میں نہیں یہ اسلئے ہے کہ اثبات اور نفی ایک دوسرے کی نقیض ہے اور یہ اس صورت میں ہو سکتا کہ اثبات فی الجملہ کے مقابلے میں نفی دائمی ہو۔

قوله : وتحقیقه ان استمرار العدم الخ ۔

اور اس بات کی مزید تحقیق یہ ہے کہ استمرار عدم کسی سبب کا محتاج نہیں ہے اور استمرار وجود سبب کا محتاج ہے اسلئے کہ استمرار وجود بقاء حادث کا نام ہے اور حادث کی بقاء کسی سبب موجود کا محتاج ہے اسلئے کہ یہ وجود میں آیا ہے کسی شئی کے وجود کے بعد برخلاف استمرار عدم کے کہ وہ ایک عدمی شئی ہے اور عدمی شئی کیلئے کسی سبب کا وجود ضروری نہیں بلکہ وجود کا سبب نہ ہونا عدم کے استمرار کیلئے کافی ہے اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ حوادث میں اصل عدم ہے جب تک وجود کا علت نہ پایا جائے حاصل کلام یہ ہے کہ چونکہ منفی میں استمرار پایا جاتا ہے جو مقارنت پر دال ہے اسلئے ترک عطف کیا جائیگا۔

قوله : واماالثانی الخ ۔

اور دوسری بات کہ ماضی منفی حصول صفت پر دلالت نہیں کرتا ہے اسلئے کہ وہ منفی ہے لہذا [واو] کیساتھ ذکر کیا جائیگا یہ تفصیل اس وقت تھی جب حالیہ فعلیہ ہو۔

قوله : وان کانت اسمیاالخ ۔

اگر اسمیہ ہو تو دونوں جائز ہے مگر مشہور ترک [واو] ہے اسلئے کہ اسمیہ مقارنت پر دلالت کرتا ہے

بوجہ اس میں استمرار ہونے کے اور یہ صفت ثابتہ پر دلالت کرتا ہے نہ کہ غیر ثابتہ پر اور دلالت بھی بالدوام کرتا ہے لہذا حال مفردہ کے زیادہ قریب ہے جس میں ترک [واو] اولی ہے جیسے کہ ''کلمتهُ فوه الی فی ''میں نے اس سے بات کی اس حال میں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے یعنی بالمشافہ۔

قوله : وایضاالمشهور ان دخولها ای الواو الخ ۔

بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ مشہور مع الواو ہے اسلئے کہ جملہ اسمیہ دلالت نہیں کرتا ہے عدم ثبوت پر یعنی ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور اس میں استیناف کا بھی احتمال ہے لہذا زیادہ تعلق کی ضرورت ہے تو [واو] کیساتھ ذکر کرنا حسن ہوگا جیسے کہ قولہ تعالیٰ ''فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا و انتم تعلمُونَ '' [واو] کیساتھ ہے۔

قوله : وقال عبدالقاهر الخ ۔

شیخ عبدالقاہرؒ نے فرمایا اگر جملہ اسمیہ حال واقع ہو اور جملہ اسمیہ میں ضمیر مبتداء ذوالحال کی ضمیر ہو یعنی اس کی طرف راجع ہو تو پھر [واو] لانا واجب ہے چاہے خبر فعل ہو یا اسم ہو جیسے ''جاء نی زید وهو یسرع '' خبر فعل ہے ''جاء زیدفهومسرع ''خبر اسم ہے۔

قوله : ذلک لان الجملة لا تترک فیها الواو الخ ۔

اس صورت میں [واو] کا لانا واجب اسلئے ہے کہ ترک [واو] کیلئے تین شرائط ہیں۔

[۱] جملہ عامل کے صلے میں داخل ہو یعنی اس کیلئے قید ہو۔

[۲] ان دونوں کا اثبات ایک دوسرے پر موقوف ہو مضمون عامل سے جملہ بھی ثابت ہو۔

[۳] وہ جملہ مفرد کے تاویل میں ہو سکتا ہو جب یہ تینوں باتیں پائی جائیں تو ترک [واو] ہوتا ہے ورنہ [واو] کا لانا واجب ہے اور مثالیں مذکورین میں یہ تینوں باتیں مفقود ہے اس طور پر کہ [یسرع] مجیئی کیلئے قید نہیں ہے اور اثبات [یسرع] ایک دوسرے پر موقوف نہیں ہے۔

اس جملے کو مفرد کی تاویل میں نہیں کیا جاسکتا اسلئے کہ ذکر زید کے بعد [ھو] ضمیر مرفوع لانا ایسا ہے جیسے کہ زید کا اعادہ کرنا لہذا استیناف کے بغیر اور کوئی صورت نہیں ہے اور استیناف کی صورت میں [واو] لایا جاتا ہے اسلئے کہ استیناف نہ ماننے کی صورت میں مبتداء

کاذکر لغو اور بیکار ہو جاتا ہے اور یہ مثال ایسی ہوگئی جیسے کہ یہ مثال ہے "جاءنی زیدو عمرو یسرع امامه" اس دوسری مثال میں "عمرو یسرع امامه" جملہ حالیہ مستانفہ ہے جس میں ربط [واو] کیساتھ ضروری ہے اصل اور قاعدہ یہی ہے کہ جملہ اسمیہ حال واقع ہونے کی صورت میں بغیر [واو] کے نہیں آتا اور جہاں بغیر [واو] کے آیا ہے تو کسی تاویل کیساتھ اور کسی تشبیہ کیساتھ آیا ہے مذکورہ تفصیل شیخ کے کلام کا خلاصہ ہے جو دلائل اعجاز میں مذکور ہے اور اس بات کی طرف مشیر ہے کہ ایسی صورت میں [واو] واجب ہے اسلئے کہ مصنفؒ نے مثال مذکور کو "یسرع امامه" والی مثالوں کیساتھ تشبیہ دی ہے تو مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے معلوم ہوا "یسرع امامه" والی مثالوں میں بھی [واو] کا لانا اولیٰ ہے۔

قوله : ثم قال الشيخ الخ ـ

اس عبارت سے شیخؒ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ اگر جملہ اسمیہ میں ظرف ہو جب کہ جملہ اسمیہ حال واقع ہو تو [واو] کو ترک کر دینا زیادہ مشہور ہے جیسے شاعر کا شعر ہے۔

اذاانکرتنی بلدۃاونکرتھا : خرجت مع البازی علی سواد

ترجمہ : جب اہل شہر میرے مرتبے کو نہ پہچانے یا میں ان کو نہ پہچانوں تو میں وہاں سے نکل جاتا ہوں اپنے باز کیساتھ جو سب سے جلدی اٹھنے والا ہے اس حال میں کہ مجھ پر رات کی تاریکی ہوتی ہے اور میں صبح کا انتظار نہیں کرتا۔ اس مثال میں [علی سواد] حال ہے جو بغیر [واو] کے ہے علی ظرف مقدم ہے پھر ترکیبی اعتبار سے اس میں یہ احتمال ہے کہ سواد علی کا فاعل ہے یعنی ظرف کا اگر چہ فعل بھی مقدم مان سکتے ہیں جو [قد] کیساتھ ہوگا۔

قوله : وفيه بحث والظاهر الخ ـ

شارحؒ فرماتے ہیں کہ مصنفؒ کا یہ کہنا کہ اس صورت میں ترک [واو] کا کثرت ہے اسمیں نظر ہے اسلئے کہ "علی کتفه سیف" جیسی مثالوں میں کہ جہاں ظرف مقدم ہوتا ہے یہ احتمال ہے کہ اس کو مفرد کی تاویل میں کیا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو جملہ اسمیہ بنایا جائے اور خبر کو مقدم مانا جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فعلیہ مانا جائے ماضی کیساتھ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مضارع کیساتھ مانا جائے ان مذکورہ چار صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں مفرد یا جملہ اسمیہ

ہو[واو] کالانا ممتنع ہے اور آخری دو صورتوں میں[واو] کالانا واجب نہیں بلکہ دونوں جائز ہے تو پھر مصنف کا بکثرت کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قوله : وقال الشيخ الخ ـ

شیخ نے فرمایا کہ کبھی جملہ اسمیہ میں ترک [واو] حسن ہوتا ہے جب کوئی حرف مبتداء پر داخل ہو جائے اور ربط کا معنی پیدا کرے جیسے کہ شاعر کا یہ شعر ہے۔

فقلت عسى ان تبصرينى كانّما : بَنِيَّ حوالىَّ الاسود الحوارِدُ

ترجمہ : میں نے کہا کہ عنقریب آپ مجھے دیکھو گے اس حال میں کہ میرے بیٹے میرے اردگرد غضبناک شیروں کی طرح ہونگے ۔اس مثال میں[بنی]اور[الاسود] مبتداء خبر حال واقع ہے [تبصرنی]کے ضمیر مفعول سے ۔اگر اس پر[کانما]داخل نہ ہوتا تو پھر ترک [واو] جائز نہیں ہوتا بلکہ [واو] کالانا حسن ہوتا اور کبھی ترک [واو] حسن ہوتا ہے اس وقت جب جملہ اسمیہ حال واقع ہو حال مفردہ کے بعد اور جیسے کہ شاعر کا یہ شعر ہے۔

الله يبقيک لناسالما : بر داک تعظيم و تبجيل

ترجمہ : اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بحالت سلامت ہمارے لئے باقی رکھے اس حال میں کہ تیری چادر تیری شرافت اور بزرگی ہے۔اس مثال میں[سالماً] حال مفردہ کے بعد جملہ حال واقع ہے اگر[سالماً] نہ ہوتا تو پھر[واو] کالانا ضروری ہوتا ترک[واو] مستحسن نہ ہوتا۔

الباب الثامن
الايجاز والاطناب والمساواة

آٹھواں باب ایجاز، اطناب، اور مساوات کے بیان میں ہے۔

قوله : وقال السكاكى الخ ـ

علامہ سکاکیؒ نے فرمایا کہ ایجاز، اور اطناب امور نسبی ہے یعنی ایک کا تعلق دوسرے پر موقوف ہے اور امور نسبیہ کی تعیین نہیں کی جاسکتی اسلئے کہ ان کے مقدار مختلف ہوتی رہتی ہے اس لئے مصنفؒ نے بھی تعریف نہیں کی کیونکہ کلام موجز اسے کہا جاتا ہے جس کے مقابلے میں کلام زائد ہو حاصل یہ ہے کہ کلام میں انقص اور زائد کو دیکھ کر ایجاز اور اطناب ہوتا ہے دشوار امر ہے بلکہ اس کا مراد عرفی

پر ہے اورامرعرفی کامطلب یہ ہے کہ درمیانی قسم کے لوگوں کے کلام میں انقص اورازید کااعتبار معتبر ہوگا کہ ان کاکلام عرف میں اس طور پر جاری ہو کہ وہ اپنا مقصود کوادا کرے اپنے معاملات اورمحاورات کے اعتبار سے ایسے کلام کی نہ تعریف کی جائیگی مقتضیات احوال پر مشتمل نہ ہونے کی وجہ سے اورنہ مذمت کی جائیگی معنی مرادکوادا کرنے کی وجہ سے اورایسا کلام راعی کے آواز سے نکل جائیگا۔

قوله : فالايجاز اداء المقصود الخ ـ

حاصل یہ ہوا کہ ایجاز کہاجاتا ہے معنی مقصودکوادا کرنا کلام متعارف سے کم کلام کے ذریعے اوراطناب معنی مقصودکوادا کرنا متعارف سے زائد کلام کے ذریعے۔

قوله : ثم قال الاختصار الخ ـ

علامہ سکاکی نے ایجاز اوراطناب کی ایک اورنام کیساتھ الگ تعریف کی یعنی اختصار اورتفصیل کہ یہ دونوں بھی امورنسبیہ میں سے ہیں۔ان کاحاصل یہ ہے کہ ایجاز اوراختصار اس کلام کوکہاجائیگا جومقام مقتضی ظاہر سے کم ہواوراطناب اورتفصیل اس کلام کوکہاجائیگا جومقتضی ظاہر سے زیادہ ہوگویا کہ ان کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے مادہ اجتماع وہ کلام ہے جومتعارف سے بھی کم ہواورمقتضی ظاہر سے بھی کم ہوجیسے کہ "یارب شخت" یہ متعارف سے کم ہے اسلئے کہ [یاء] حرف نداء پر مشتمل ہے اورمقتضی ظاہر سے بھی کم ہے اسلئے کہ مقام شکایت میں کلام طویل ہوتا ہے۔مادہ انفراد[۱] غزال یہ متعارف سے کم ہے اسلئے کہ ھذا محذوف ہے مگر مقتضی کے موافق ہے اسلئے کہ مقام فوت فرصت ہے۔مادہ انفراد[۲] "رَبِّ اِنِّی وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّی" مقام کے موافق ہے اسلئے کہ مقام شکایت ہے مگر متعارف نہیں ہے اسلئے کہ متعارف "رب شخت" ہے۔

قوله : وتوهم بعضهم الخ ـ

شارح فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے "ماذکر" سے متعارف الاوسط مرادلیا جوکہ غلط ہے بلکہ اس سے مرادمتکلم کاکلام مرادلیاہے جوکہ غلط ہے بلکہ اس سے مرادمتکلم کاکلام ہے جس کااس نے ارادہ کیاہے اورغلط اسلئے ہے کہ اگرکوئی کلام متعارف سے کم ہویامتعارف کے مساوی ہواورمقام

بھی اس کا تقاضہ کررہا ہوتو وہ موجز نہیں ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے شارحؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظاہراً کی قید بھی اسلئے لگائی (مقتضی حال میں) کہ اگر کوئی کلام مقتضی ظاہر سے ظاہراً بھی کم اور تحقیقاً بھی کم ہوتو وہ کلام کسی درجے کا شمار نہیں ہوگا اسلئے صرف ظاہر کا اعتبار ہے جیسے "رَبِّ اِنِّی وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّی" مقلہ یہ کلام اطناب ہے تعارف کے اعتبار سے اور ایجاز ہے مقتضی ظاہر کے اعتبار سے اسلئے کہ عرف میں صرف "رب شخت" کافی ہے اور مذکورہ کلام اس سے زائد ہے اور مقتضی ظاہر اطناب کا متقاضی ہے اسلئے کہ مقام مقام شکایت ہے اس اعتبار سے یہ کلام کلام موجز ہے۔

قوله : وفيه نظر الخ۔

مصنفؒ نے علامہ سکاکی کے اوپر دو اعتراض وارد کیے۔

اعتراض : [۱] علامہ سکاکی کا کہنا ایجاز اور اطناب امور نسبی ہیں ان کی تحقیق مشکل ہے۔

اعتراض :[۲] دوسرا اعتراض کہ اس کا مدار عرف پر ہے جس میں متعارف الاوسط معتبر ہے یہ دونوں غلط ہے اسلئے کہ امور نسبیہ کی تعریف کی جاسکتی ہے جیسے ابوۃ، اخوۃ یہ امور نسبی ہیں مگر ان کی تعریف کی جاتی ہے اور متعارف الاوسط ایک مجہول چیز ہے اسلئے کہ لوگوں کے طبقات مختلف ہیں اور کلام میں تقدیم اور تاخیر بھی مختلف ہوتی ہے اسلئے اس کو مراد نہیں بنایا جاسکتا۔ شارحؒ نے دونوں کا جواب دیا۔

جواب :[۱] پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ انکی تعریف مشکل نہیں بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ مقدار کی تعیین مشکل ہے۔

جواب :[۲] اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ الفاظ معانی کیلئے سانچے ہوتے ہیں لہذا ہر شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ کون سا لفظ کونسے معنی کیلئے مناسب ہے اسی طرح وسط مقام کا مجہول ہونا ہمیں تسلیم نہیں اسلئے کہ لوگ مقام کے تقاضوں سے بے خبر نہیں ہوتے لہذا ان کو کلام کی حد معلوم ہوتی ہے۔

قوله : والاقرب ان يقال الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ ایجاز، اطناب، اور مساوات کی یوں تعریف کی جائے کہ

اگر الفاظ معنی مراد کے بقدر ہے تو مساوات ہے۔اور اگر معنی مراد سے کم ہے اور اس کو ادا کر سکتے ہیں تو ایجاز ہے۔اور اگر اس سے زائد ہے کسی فائدے کیساتھ تو اطناب ہے۔[وافٍ] کی قید سے احتراز مقصود ہے اخلال سے اور اخلال کہا جاتا ہے لفظ کا اصل معنی مراد سے کم ہونا اور اس کو پورا ادا نہیں کرتا جیسے کہ شاعر کا شعر ہے۔

والعیش خیر فی ظلال النوک : ممن عاش کدًا فی ضلال العقل

ترجمہ : حماقت کے سائے میں زندگی گزارنا بہتر ہے اس شخص کی زندگی سے جو مشقت کی زندگی گزارے۔اس شعر میں خلل (اخلال) ہے کہ الفاظ معنی مقصود کو پورا ادا نہیں کرتا اور مطلب صحیح طور پر سمجھ میں آتا اور شاعر بتانا یہ چاہتا ہے کہ

العیش الناعم فی ضلل النوک خیر من العیش الشاق فی ضلل العقل

ترجمہ : حماقت اور جہالت کے سائے میں خوش عیش زندگی گزارنا بہتر ہے اس زندگی سے جو مشقت والی ہو عقل کی سائے میں۔مذکورہ شعر یہ معنی پوری طرح ادا نہ کرنے کی وجہ پر مخل اور غیر مقبول ہے۔

قوله : احتراز بفائدة الخ۔

فائدے کی قید سے احتراز کیا تطویل سے۔اور تطویل کہا جاتا ہے لفظ کا معنی مراد سے زائد ہونا بغیر فائدے کے اور لفظ زائد متعین بھی نہیں ہوتا ہے جیسے کہ شاعر کا یہ شعر ہے۔

وقدّدتِ الادِیمَ لراھشیة : والفٰی قولها کذبا و مینا

ترجمہ : اور تحقیق کاٹ دیا اس کی دور گوں کے چمڑے کو اور اس نے اس عورت کے قول کو جھوٹا پایا۔اس شعر میں [کذب] اور [مین] ایک ہی چیز ہے اور ان میں سے ایک زائد ہے بلا فائدہ اور بلا تعیین کے [قددت] کا معنی ہے کاٹنا [راھشیۃ] دو رگوں کو کہا جاتا ہے جو ہتھیلی کے نیچے ہوتا ہے [واھشیۃ] اور [الفی] کے دونوں ضمیریں جذیمہ ابرش کی طرف راجع ہے جس نے جذیمہ کو مار ڈالا۔اور یہ اشعار ضبہ کے جذیمہ کو قتل کرنے کے بارے میں ہے جس کا واقعہ یوں ہوا تھا کہ جذیمہ نے ضبہ کے والد کو قتل کر دیا تھا اور ضبہ بدلہ لینے کیلئے جذیمہ سے شادی کی درخواست کی جس کو انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا باوجود اس کے وزیر کے منع کرنے کے

اورملاقات کے وقت ضبہ نے اپنے لشکر کے ذریعے اس کوقتل کرڈالا اور ضبہ کے وزیر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور بعد میں جذیمہ کے بانجھے کے مدد سے ضبہ کوقتل کرنے کی کوشش کی اورتجارت کی غرض سے لشکر کیساتھ ضبہ کوگھیرے میں لیاضبہ صورتحال کوسمجھ کرانگوٹھی کانگینہ کھاکرھلاک ہوگئی۔[فائدہ] کی قید سے حشو سے بھی احتراز ہے حشواس لفظ کو کہتے ہیں جومتعین ہوبغیر فائدے کےاور معنی کے اعتبار سے مفسد ہوجیسے متنبّی کاشعر ہے۔

ولافضل فیھاللشجاعۃوالندی : وصبر الفتی لو لالقاء شعوب

ترجمہ : اگرموت سے ملاقات نہ ہوتی توپھرشجاعت سخاوت اورنو جوان کی صبر کی کوئی فضیلت نہ ہوتی ۔اس شعرمیں[ندی]حشو ہے زائد ہے بلافائدے کے اورمعنی فاسد ہے اسلئے کہ صبراورشجاعت موت کے وقت قابل قدر ہے جب کہ سخاوت زندگی میں قابل قدر ہے۔

قولہ : وغایۃ اعتذارہ ما ذکرہ الامام الخ۔

علامہ ابن جنی نے متنبّی کاجودفاع کیاہے یہ تاویل کرکے سخاوت بھی موت کے وقت قابل قدرہوسکتی ہے اسلئے زندگی میں انسان مختلف حال میں عادی ہوتاہے لہذاخرچ کابھی پروا نہیں کرتے جب کہ موت کے وقت مال کی امید ختم ہوتی ہے اسلئےخرچ کرنا قابل قدرہوگایہ تاویل بھی قابل قبول نہیں ہے فائدے کی قید سے اس حشو سے بھی احتراز ہے جومعنی کے اعتبار سے مفسد نہ ہوجیسے کہ شاعر کاشعر ہے۔

واعلم علم الیوم والامس قبلہ : ولکننی عن علم ما فی غدٍ عمی

ترجمہ : میں آج اورکل کاعلم جانتاہوں لیکن آنی والی کل کی باتوں سے بےخبر ہوں۔اس شعرمیں[قبلہ]زائد ہے حشو ہے اسلئے کہ[امس]اس کامعنی اداکررہاہے مقام چونکہ انکارکانہیں اسلئے تاکید پربھی محمول نہیں کرسکتے جیسے "ابصرتہ بعینی سمعتہ باذنی" میں کرسکتے ہیں۔

المساواۃ

مساوات کی مثال"ولایحیقُ المکر السیئُ الّا باھلہ" بری تدبیرنازل نہیں ہوئی مگراس کے اہل پر۔دوسری مثال شعر۔

فانک کاللیل الذی ھو مدرکی : وان خلت ان المنتای عنک واسع

ترجمہ : آپ اس رات کی طرح ہیں جو مجھے پالیتی ہیں اور میں خیال کرتا ہوں آپ کی دوری کا مقام وسیع ہے ۔شاعر نے ممدوح کی غصے کی حالت کورات سے تشبیہ دی ان دونوں مثالوں میں الفاظ اور معانی برابر ہے۔

قوله : قیل فی الآیۃ حذفه الخ ۔

بعض حضرات نے کہا کہ دونوں مثالیں ایجاز کی ہیں نہ کہ مساوات کی اسلئے کہ آیت میں مستثنی منہ محذوف ہے۔اور شعر میں جواب شرط محذوف ہے۔

قوله : وفیه نظر لان اعتبار ھذا الحذف الخ ۔

یہ کہکر شارحؒ نے اس کا جواب دیا کہ اس حذف کا اعتبار نہیں ہے اسلئے کہ ان کے بغیر اصل معنی پورا ہوتا ہے چنانچہ اگر محذوف کو ملحوظ بنایا جائے تو اطناب یا تطویل یا حشو ہونا لازم آئیگا۔دوسری بات آیت اور شعر اصل مراد سے ناقص نہیں ہے۔

قوله : والایجاز ضربان الخ ۔

ایجاز کی دو قسمیں ہیں [۱] ایجاز قصر [۲] ایجاز حذف ۔

قصر اس ایجاز کو کہا جاہے جس میں حذف نہیں ہوتا جیسے کہ "ولکم فی القصاص حیوۃ" اس کے معانی کثیر ہیں اور الفاظ کم ہیں اسلئے اس کا معنی یہ ہے کہ انسان جب یہ بات جان لیتا ہے کہ جب وہ قتل کرے گا تو قتل کیا جائے گا تو یہ جاننا اس بات کی داعی ہے کہ وہ قتل کا اقدام نہیں کریگا تو اس قصاص کے ذریعے بہت سے سارے لوگ قتل سے محفوظ ہوں گئے اور یہ ان کیلئے حیات ہے ۔اس مثال میں ایسا کوئی لفظ محذوف نہیں ہے جو اصل مراد پر دلالت کرتا ہو رہا وہ فعل جو متعلق بن جائے [لکم] ظرف کیلئے تو یہ ایک امر لفظی ہے معنی مراد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے یہاں تک کہ اگر اس کو ذکر کیا جائیگا تو تطویل اور حشو ہو جائیگا۔

قوله : وفضله علی ما کان عندھم الخ ۔

یہاں سے مصنفؒ اس آیت کی فضیلت اور وجہ ترجیح بتانا چاہتے ہیں اس قول کے مقابلے میں جو اہل عرب کے ہاں اس معنی کیلئے استعمال ہوتا ہوا اور وہ قول "القتل انفی للقتل" ۔

[۱] آیت میں حروف کم ہیں بنسبت کلام اہل عرب اسلئے کہ [لکم] کا معنی سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے علاوہ مع تنوین گیارہ حروف ہیں اور انکی نظیر میں چودہ حروف ہیں اور اعتبار ملفوظہ کا ہوتا ہے نہ کہ مکتوبہ کا۔

[۲] آیت معنی مراد پر صراحتاً دلالت کرتا ہے جبکہ نظیر التزاماً۔

[۳] آیات کا نکرہ ہونا تعظیم پر دال ہے کہ ان کو حیات عظیمہ حاصل ہوتی ہے اسلئے کہ ایک کے قتل سے جماعت قتل ہو جاتے ہیں، یا تنوین نوعیت کیلئے ہے کہ ان کو ایک خاص نوعیت کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے اور وہ قصاص کی وجہ سے قاتل اور مقتول دونوں کا قتل سے بچنا۔

[۴] "واطرادہ" کہ آیت میں جامعیت ہے اسلئے کہ قصاص مطلق سبب حیات ہے برخلاف قتل کے کہ وہ کبھی قصاص کیلئے ہوتا ہے کبھی ظلماً ہوتا ہے۔

[۵] آیت تکرار سے خالی ہے جو تکرار سے بہر صورت افضل ہے اگر چہ مخل للفصاحت نہیں ہے۔

[۶] حذف سے مستغنی ہے جب کہ نظیر میں ماننا ضروری ہے اسلئے کہ اسم تفضیل کیلئے متعلق ہونا ضروری ہوتا ہے۔

[۷] یہ صناعت مطابقہ کو شامل ہے۔ صناعت مطابقہ کا مطلب دو متقابل معنوں کو جمع کرنا جیسے حیات اور قصاص۔

(۲) ایجاز حذف کیساتھ ہوتا ہے محذوف کبھی جزء جملہ ہوتا ہے چاہے عمدہ ہو چاہے فضلہ ہو کبھی مضاف ہوتا ہے کبھی بدل ہوتا ہے۔ حذف مضاف کی مثال "وسئل القریۃ" اہل محذوف ہے یا موصوف محذوف ہوتا ہے جیسے کہ شعر ہے۔

انا ابن الجلا و طلاع الثنایا : متی اضع العمامۃ تعرفونی

ترجمہ : میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو واضح الامر ہے اور گھاٹیوں پر چڑھنے والا ہے جب میں عمامہ رکھوں گا تو آپ مجھے پہچانو گے۔ اس میں [رجل] محذوف ہے "انا ابن رجل جلا"، بعض نے کہا کہ [جلا] علم ہے اس صورت میں حذف نہیں ہوگا البتہ تنوین محذوف ہے یا صفت محذوف ہوگا جیسے کہ "وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ای سفینۃ سلیمۃ او صحیحۃ" اسلئے کہ بادشاہ معیوب کشتیوں کو غصب نہیں کرتے جس پر دال

ہے "فاردت ان اعیبھا"۔

قوله : اوشرط الخ۔

یاشرط محذوف ہوتا ہے جیسے کہ "فالله هو الولی ای ان ارادولیاء" محذوف ہے۔

قوله : اوجواب شرط الخ۔

یاجواب شرط محذوف ہوگایاتو صرف اختصار کے واسطے جیسے کہ "وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ اتَّقُوا" [الآية] اس کاجواب ہے "اَعْرَضُوا"۔

قوله : بدليل مابعده الخ۔

محذوف ہونے کی دلیل "وَمَاتَاتِيْهِمْ مِنْ آيَةٍ.....مُعْرِضِيْنَ" اوریاحذف اسلئے ہوگااس بات پردلالت ہوجائے کہ جواب شرط ایسی شئی ہے جس کاکوئی وصف احاطہ نہیں کرسکتااوریااسلئے محذوف ہوگا تاکہ سامع کاذہن ہرممکن کی طرف منتقل ہوجائے دونوں کی مثال "ولوتری اذ وُقِفُوا علی النار"۔

قوله : اوغيرذلک الخ۔

یاان کے علاوہ اورکوئی صورت، ہومثلاً معطوف کاحذف ہوناحرف عطف کیساتھ جیسے "لَايَسْتَوِی مِنكُم مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ومن انفق من بعده" [وقاتل] محذوف ہے جس پردلیل اگلی آیت ہے "اولٰئک اَعْظَمُ درجةً مِنَ الَّذِيْنَ انفقوامِنْ بَعْدُ وقاتَلُوا" یاجملے محذوف ہوگا۔ سوال ہواکہ جملے سے کیامراد ہے اسلئے شرط اورجزاءمستقل جملہ تصورنہیں کیاجاتا۔

قوله : قلت الخ۔

سے جواب دیاکہ جملے سے مرادکلام مستقل ہے جوکسی کلام کاجزءنہ ہواوروہ جملہ محذوف مسبب ہوسبب مذکورکاجیسے "لِيحق الحق ويبطل الباطل" اس کامسبب ہے "فَعَلَ مَافَعَلَ" اوریاوہ جملہ سبب ہوگامسبب مذکورکاجیسے "فَقُلْنَااضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ منه" تومحذوف "فضربه بها" جوجملہ ہے اور [فانفجرت] کاسبب ہے اوریہ بھی مقدرماناجائزہے "فان ضربت بها" اس صورت میں جزءجملہ محذوف ہوگایعنی شرط۔

قوله : ومثل هذه الفاء تسمی فاء فصیحة الخ۔

اس [فاء] کو [فاء] فصیحہ کہا جاتا ہے اسلئے کہ وہ جملہ مقدرہ کی وضاحت کرتا ہے [فاء] فصیحہ یا تو تقدیر اول پر۔ تقدیر اول سے مراد حذف معطوف ہے یا تقدیر شرط پر یا دونوں تقدیر پر۔

قوله : اوغیرهما الخ۔

یا وہ جملہ محذوف نہ مسبب ہوگا نہ سبب ہوگا بلکہ ان کے علاوہ ہوگا جیسے "فنعم الماهدون" مبتداء محذوف ماننے کی صورت میں یعنی [هم نحن] یا محذوف جملے سے زائد ہوگا جیسے "انا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاوِيْلِهٖ" اس میں محذوف ہے "فَاَرْسِلُوْن يوسفُ لاستعبره الرؤيا ففعلوا فاتاه" "فقال له یا یوسف" جملے سے زائد محذوف ہے۔

قوله : والحذف علی الوجهین الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ایجاز میں حذف دو وجھوں سے ہوتا ہے یا کوئی شئی محذوف کا قائم مقام نہیں ہوتا ہے بلکہ قرینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے جیسے کہ گذشتہ مثالیں یا کوئی قائم مقام ہوتا ہے جیسے "وانْ يُكذبوكَ فقد كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ" اس آیت میں "فقد كذبت" جزاء نہیں ہے اسلئے کہ تکذیب رسل مقدم ہے۔ بلکہ یہ سبب ہے جواب کے مضمون کیلئے اور اس کا قائم مقام ہے "فلاتحزن واصبر":-

قوله : لابد له من دلیل وادلته کثیرة الخ۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حذف کیلئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور دلائل کثیر ہیں ان میں سے ایک عقل ہے جیسے "حُرِمَتْ عَلَيْكُم الْمَيْتَةُ" عندالمعتزلہ اور اہل عراقیین من اہل سنۃ حکم کا تعلق [میتۃ] سے نہیں ہے بلکہ [اکل میتۃ] سے ہے اسلئے انکے ہاں احکام شرعیہ افعال سے متعلق ہوتے ہیں ذوات سے نہیں جبکہ احناف کے ہاں احکام شرعیہ کا تعلق ذوات سے ہوتا ہے

قوله : منها الخ۔

اور کبھی عقل حذف اور تعیین حذف دونوں پر دلالت کرتا ہے جیسے "وجاء ربک" مراد اس سے اللہ کا امر اور عذاب ہے۔

قوله : ومنها یدل العقل علیه الخ۔

دلائل حذف میں سے ایک یہ ہے عقل حذف پر دلالت کرے اور عادت تعیین حذف پر دلالت جیسے کہ "فذلکن الذی لمتننی فیه" اس لئے کہ عقل اس بات پر دال ہے کہ اس آیت میں کچھ حذف ہے اسلئے کہ من حیث الشخص کسی انسان کی ملامت نہیں کی جاتی بلکہ کسی فعل پر کی جاتی ہے رہا تعیین محذوف تو اس میں تین احتمال ہیں۔

[۱] فی حبہ" دلیل شغفھا [۲] فیہ سے مراد "فی مراودته" دلیل "تراودفتاھاعن نفسه" [۳] فی شانہ جو دونوں کو شامل ہے۔ حب کو مراودۃ بھی البتہ عادت دلالت کرتی ہے ثانی کی تعیین پر یعنی مراودۃ پر اس لئے کہ محبت شدیدہ میں کسی کی ملامت نہیں کی جاتی کیونکہ وہ محبت اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص مغلوب ہوجاتا ہے۔ اور [شانہ] چونکہ حب کو شامل ہے اسلئے یہ دونوں احتمال عادۃً باطل ہے اور مرودۃ متعین ہے۔

قوله : ومنهاالشروع فی الفعل الخ ـ

تعیین حذف میں سے ایک کسی فعل کو شروع کرنا ہے جیسے "بسم الله الرحمن الرحیم" حذف ہونا متعین ہے عقلاً اسلئے کہ جار مجرور کیلئے متعلق چاہیئے اور تعیین پر فعل دال ہے حسب مواقع مقام قرائت میں اقرا اور مقام اکل وغیرہ تعیین محذوف میں سے ایک اقتران ہے یعنی جس کلام میں حذف ہوا ہے اس کلام کا فعل مخاطب سے مل جانا" وقوله للمعرس "جیسے کہ شادی شدہ سے کہا جائے "بالرفاء والبنین" یعنی "اعرست بالرفاء والبنین" یعنی آپ نے شادی کی التئام کیساتھ التباس کیساتھ اس کا مطلب یہ ہے کہ زوجین کے درمیان محبت ہے اور [بنین] کا رشتہ ہے اور اولاد کا سلسلہ ہے گویا کہ معنی انشاء یعنی دعائیہ ہے یا مخاطب کو شادی کیساتھ جوڑ دیا جاتا ہے جس پر [رفاء] اور [بنین] دلالت کرتے ہیں۔

قوله : والاطناب الخ ـ

اطناب یا ایضاح تو بعد الا یہام ہوتا ہے تا کہ ایک معنی کو دو مختلف صورتوں میں دیکھا جائے ایک مبہم ہو دوسرا واضح ہو اسلئے کہ دو علم ایک علم سے بہتر ہے اور یا اطناب اسلئے ہوتا ہے کہ وہ بات سامع کے ذہن میں جم جائے اسلئے کہ ایضاح بعد الا یہام اوقع فی النفس ہوتا ہے یا سامع کو زیادہ لذت حاصل ہوجائے اسلئے کہ شوق کے بعد حصول لذت حاصل ہوجائے جیسے "رب اشرح لی

صـدری "اشراح بعد صدری مذکورہ فائدوں کا فائدہ دیتا ہے ایضاح بعد الایہام کی ایک صورت باب نعم ہے ان کے مطابق جومخصوص کومبتداء محذوف کی خبر مانتے ہیں اسلئے کہ اگر اختصار مقصود ہوتا تو نعم زید، اذلوار یدسے پتہ چلا کہ اختصار کا اطلاق مساوات پر بھی ہوتا ہے اسلئے کہ اطناب نام ہو گیا ترک کلام کا ترک کلام کا اطلاق مساوات اور ایجاز دونوں پر ہوتا ہے اور ایسا کرنے میں ایک خوبی ہے اور وہ ہے کلام کو اعتدال پر لانا اور دو متنافیین کو جمع کرنا یعنی ایجاز اور اطناب گویا اجمال اور تفصیل کو یہ ان نادر امور میں سے ہے جس سے نفس لذت محسوس کرتا ہے۔ گویا کہ باب نعم میں ایجاز بھی ہے اور اطناب بھی ہے۔

قوله : وانماقال ایهام الجمع الخ۔

مصنفؒ نے ایہام کہا اسلئے کہ دو متنافیین کو شئی واحد پر زمانہ واحد جہت واحدہ کیساتھ صادق ماننا محال ہے اور ایضاح بعد الایہام کی ایک صورت توشیع ہے توشیع لغت میں دھنی ہوئی روئی کو لحاف میں لپیٹنے کا نام ہے۔

اور اصطلاح میں کلام کے آخر میں تثنیہ لانا اور اس تثنیہ کی تفسیر دو ایسے اسموں کیساتھ کرنا کہ ان میں سے دوسرا پہلے پر عطف ہو جیسے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان "یشیـب ابن آدم ویشبُّ فیه الخصلتان الحرص وطول الامل" کہ بنی آدم بوڑھا ہوتا ہے اس حال میں کہ اس میں دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں۔ [۱] حرص [۲] لمبی امید۔ اور اسی سے ذکر خاص بعد العام بھی ہے بطریقہ عطف اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ خاص کو خصوصیت حاصل ہے گویا کہ وہ اپنے مخصوص صفات کی وجہ سے عام سے متغایر ہے اور عام اس کو شامل نہیں ہے جیسے کہ "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى" [صلوۃ وسطی] خاص ہے یہ اپنی خصوصیت کے اعتبار سے دوسری نمازوں سے ممتاز ہے جو اکثر کے نزدیک نماز عصر ہے۔

قوله : وامابالتكريرلنكتة ليكون اطنابا الخ۔

اور کبھی اطناب تکرار کیساتھ ہوتا ہے کسی نکتے کی وجہ سے جیسے کہ انذار کی تاکید اس قول میں "كلاسوف تعلمون ثم كلاسوف تعلمون" پہلے [کلا] کے ذریعے انہماک فی الدنیا پر زجر اور تنبیہ ہے۔ اور دوسری کے ذریعے انذار اور تخویف ہے کہ عنقریب یوم

محشر میں اپنے اعمال کے صلے کا مشاہدہ کرلو گے اور [ثم] اس بات پر دال ہے کہ ثانی پہلے سے زیادہ بلیغ ہے گویا کہ دوسرے انذار کو مرتبہ اور زمانے کے اعتبار سے بعید قرار دیا گیا ہے اور لفظ [ثم] کا استعمال ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف تدریجی ارتقاء اور انتقال پر دال ہے اور تکریر کبھی ایغال کیساتھ ہوگا۔

ایغال کا لغوی معنی: دور ہونا۔

اصطلاح میں: بقولِ بعض: شعر کو ختم کرنا اس طور پر کہ جو نکتہ کا فائدہ دے جس کے بغیر اصل معنی پورا ہوتا ہو جیسے شاعرہ نے اپنے بھائی کے مرثیہ میں مبالغہ کرتے ہوئے کہا۔ شعر۔

وان صخرًا لَتَاتَمّ الهداة به : كأنَّهُ عَلَمٌ فی راسه نار

ترجمہ : بیشک صخرہ کی پیروی (اقتداء) ھدایت یافتہ لوگ کرتے ہیں گویا کہ وہ علم ہے (یعنی اونچا پہاڑ) اور اس پر آگ ہے۔ شاعرہ اپنے بھائی کو پہاڑ سے تشبیہ دے رہی ہے وجہ تشبیہ رہنمائی حاصل کرنا ہے اور اس بات کیلئے علم کا کہنا کافی تھا [فی راسہ نار] مبالغہ کیلئے ہے۔

قوله : وتحقيق التشبيه الخ۔

ایغال کبھی تشبیہ کی تحقیق کیلئے ہے جیسے کہ شعر۔

كان عيون الوحش حول خبائباو أرْحُلِنا الجزع الذى لم يثقب

ترجمہ : ہرن اور نیل گائیں کی آنکھیں ہمارے خیموں اور کجاووں کے ارد گرد ایسی تھی جیسے کہ خرزیمانی موتی جو غیر مثقب ہو (یعنی جس میں سیاہی اور سفیدی ہو)۔ اس شعر [لم یثقب] تحقیق تشبیہ کیلئے بڑھایا اسلئے کہ ہرن اور نیل گائیں جب زندہ ہوں تو انکی آنکھیں کالی ہوتی ہیں جب مرجائے تو سفید ہوجاتی ہے تو ان کی آنکھوں کی تشبیہ دیدی راسفتہ موتی کیساتھ جس میں سیاہی اور سفیدی ہوتی ہے گویا کہ دونوں برابر ہوتے ہیں اور مقصد اس شعر کا کثرت شکار کو بتلانا ہے کہ ہمارے کھائے ہوئے شکار کی آنکھیں اس طرح بکثرت پڑی ہوئی تھی۔ مذکورہ تفصیل کے مطابق ایغال شعر کیساتھ خاص ہے۔

قوله : وقيل لا يختص بالشعر الخ۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ شعر کیساتھ خاص نہیں بلکہ ایغال کہا جاتا ہے کلام کو ختم کر دینا کسی

نکتے پر جس کے بغیر بھی معنی تام ہوں غیر شعر کی مثال قولہ تعالیٰ 'قال یاقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لایسئلکم اجرا وھم مھتدون '' اس آیت میں [مھتدون] ایغال ہے اس کے بغیر بھی معنی تام ہے کیونکہ رسول سراپا ہدایت ہوتے ہیں۔

قوله : واما بالتذييل الخ۔

اور تکریر کبھی تذییل کیساتھ ہوتا ہے۔ تذییل کا لغوی معنی ہے: شئی کو شئی کے تابع بنانا۔

اصطلاح میں: ایک جملے کو دوسرے جملے کے بعد لانا جو پہلے جملے کے معنی پر مشتمل ہو تاکید کے واسطے تذییل اور ایغال کے درمیان من وجہ کی نسبت ہے اسلئے تذییل ایغال سے عام ہے ایک وجہ کے اعتبار سے کہ وہ کلام اور غیر کلام کے آخر میں ہوتا ہے جبکہ ایغال ختم کلام میں ہوتا ہے اور ایک اعتبار سے خاص ہے اس طور پر کہ ایغال کبھی بغیر جملہ اور بغیر تاکید کے بھی ہوتا ہے جبکہ تذییل تاکید اور جملے کیساتھ ہوتا ہے۔ تذییل کی دو قسمیں ہیں "ھو ضربان" [ا] بطور کہاوت اور ضرب المثل کے نہ ہو اور مراد میں مستقل نہ ہو بلکہ ماقبل پر موقوف ہو جیسے کہ قولہ تعالیٰ "ذٰلِکَ جَزَیْنَاھُمْ بِمَا کَفَرُوا وَھَلْ نُجَازِی اِلَّا الْکَفُوْرَ '' جب جزاء سے مخصوص جزاء ہو اور اس کا تعلق ماقبل کے عمل سے ہو جیسے کہ قوم سبا کے بارے میں مذکورہ آیت ہے۔ اور اگر کفور سے مراد مطلق عقاب ہو تو پھر یہ دوسری قسم میں داخل ہو جائیگی کہ مجازاۃ سے مراد مطلق مکافاۃ عمل ہے اگر خیر ہے تو جزاء بھی خیر ہے اگر عمل شر ہے تو جزاء بھی شر اور دوسری قسم جو بطور ضرب المثل کے ہو کہ جملہ ثانیہ سے حکم کلی مقصود ہو جو ماقبل سے جدا ہو اور استعمال میں عام ہو جیسے کہ "وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الباطلُ اِنَّ الباطلَ کان زَھُوقًا' اس آیت میں "اِنَّ الباطلَ کان زَھُوقًا" ایک مستقل کلام ہے۔

قوله : وايضا اى التذييل يقسم قسمة أخرٰى الخ ۔

اس عبارت سے مصنف "تذییل کی ایک اور تقسیم بتاتے ہیں کہ کبھی تذییل منطوق کی تاکید کیلئے ہوتی ہے اور کبھی مفہوم کی تاکید کیلئے ہوتی ہے منطوق کی مثال 'اِنَّ الباطلَ کان زَھُوقًا' اور مفہوم کی مثال یہ شعر ہے۔ شعر۔

ولست بمستبق اخالا تلمه على شعث اى الرجال المهذب

ترجمہ : اور تو باقی رکھنے والا نہیں ہے کسی بھائی کو اس حال میں کہ نہ ملائے تو اس کو باوجود پراگندگی کے لوگوں میں اچھے افعال اور خصلتوں والا۔ اس شعر میں ''ای الرجال المهذب'' وہی مفہوم ادا کر رہا ہے جو ''لست بمستبق ''میں ہے اور شاعر کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ مخاطب بھائی چارگی اور دوستی کو نبھانے والا نہیں ہے اسلئے کہ وہ نیک افعال اور خصلتوں سے خالی ہے۔

قوله : واما بالتكميل الخ ۔

اطناب کبھی تکمیل کی صورت میں ہوتا ہے جس کو احتراس بھی کہا جاتا ہے تکمیل کا معنی ہے معنی مراد کو پورا کرنا خلاف مقصود کو دفع کرنا۔ اور احتراس کا معنی خلاف مقصود سے بچنا۔

اصطلاح میں: تکمیل کہا جاتا ہے کلام کے آخر میں ایسا اضافہ کرنا جو خلاف مقصود کو دفع کرے اور یہ کبھی وسط کلام میں ہوتا ہے کبھی آخر کلام میں۔ وسط کلام کی مثال شعر ۔

فَسَقَى دیارَک غیر مفسدھا ھو صوبُ الربیع دیمة تَهْمِیْ

ترجمہ : سیراب کرے تیرے شہر کو اس حال میں کہ اس کو خراب نہ کرے موسم بہار کی تیز بارش اور ہلکی بارش (چونکہ بارش کبھی فساد دیار کا ذریعہ بنتی ہے) ۔اسلئے [غیر مفسدھا] بڑھایا [۲] آخر کلام میں ''اَذِلَّةٍ عَلَى المومنين اَعِزَّةٍ على الكافرين'' کہ وہ لوگ مومنین کیلئے نرم دل ہیں اور کافروں پر سخت ہیں [اعزۃ علی الکافرین] دفع خلاف مقصود ہے اسلئے کہ پہلے کلام سے شبہ ہو سکتا تھا کہ نرمی انکی کمزوری کی وجہ سے ہو اور اسلئے کہ انکی نرمی بطور تواضع کی تھی اس کو متعدی کیا [علی] کیساتھ جو مہربانی کے معنی کو متضمن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ [علی] کیساتھ تعدی سے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ اپنے بلند مرتبے کے باوجود مسلمانوں کیلئے نرم دل ہیں۔

قوله : واما بالتتميم الخ ۔

اطناب کبھی تتمیم کی صورت میں ہوتا ہے اور تتمیم کہا جاتا ہے کہ کلام میں ایسا اضافہ کرنا جو فضلہ ہو اور جس میں خلاف مقصود کا وہم نہ ہو فضلہ سے مراد جملہ نہ ہو یا جملہ مستقلہ نہ ہو جیسے کہ مفعول ،حال ،وغیرہ۔

قوله : ومن زعم الخ ۔

اور جن لوگوں نے فضلہ سے یہ مراد لیا ہے کہ جس کے بغیر معنی تام ہو مصنف کا کلام جو"ایضاح" میں مذکور ہے ان کی تکذیب کرتی ہے اسلئے کہ مصنف نے مثال دی "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" میں [مما تحبون] جس کے بغیر معنی مراد پورا نہیں ہوتا بلکہ یہی معنی مراد ہے اور تتمیم کسی نکتے کے واسطے ہوتی ہے جب مبالغہ مقصود ہو"ویطعمون الطعام علی حُبِّہ مسکینا" میں [علی حبہ] ہے۔ اگر ضمیر کا مرجع [طعام] ہو۔ اگر ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو پھر تتمیم نہیں ہوگی بلکہ یہی اصل مراد ہوگا۔

قولہ : واما بالاعتراض الخ۔

یا اطناب ہوگا جملہ معترضہ کیساتھ اور اعتراض کہا جاتا ہے اثناء کلام میں یا دو متصل کلاموں کے درمیان جملہ یا جملے سے زائد کے ذریعے کوئی معنی پیدا کرنا جس جملے کیلئے کوئی محل اعراب نہ ہو اور یہ اعتراض بھی کسی نکتے کے واسطے ہوگا دفع ایہام کیلئے علاوہ کلام سے مراد مسند اور مسند الیہ کا مجموعہ نہیں بلکہ اس کے تمام متعلقات مراد ہیں جیسے توابع وغیرہ اور اتصال کلامین سے مراد یہ ہے کہ کلام ثانی کلام اول کیلئے بیان، بدل، تاکید وغیرہ اور اعتراض کبھی تنزیہ کے واسطے ہوتا ہے "ویجعلون لِلّٰہِ البناتِ سبحانہ ولَھم مایَشْتَھُوْنَ" اس مثال میں [سبحانہ] معترضہ ہے تنزیہ کے واسطے ہے اسلئے کہ [لھم] کا عطف [للہ البنات] پر ہے اور یا معترضہ دعا کے واسطے ہوگا جیسے شعر ہے۔ ان الثمانین وبُلّغتھا قداحوجت سمعی الی ترجمان

ترجمہ : بیشک اسی سال اور اللہ تعالیٰ کرے کہ آپ بھی اسی سال کو پہنچ کر میرے کانوں کو ترجمان بنادے۔ اس مثال میں [بلغتھا] معترضہ اور دعا ہے اور اس میں [واو] کو [واو] اعتراضیہ کہا جاتا ہے نہ کہ عاطفہ اور حالیہ۔ اور اعتراض کبھی تنبیہ کے واسطے ہوتا ہے جیسے کہ شعر ہے۔

واعلم فعلم المرء ینفعہ ان سوف یاتی کل ماقدر

ترجمہ : جان لو پس آدمی کا علم اس کو فائدہ دیتا ہے کہ عنقریب ہر وہ چیز آئیگی جو تقدیر میں ہے۔ اس مثال میں "فعلم المرء ینفعہ الخ" معترضہ ہے اور تنبیہ کے واسطے ہے۔

قولہ: فالاعتراض یباین التتمیم الخ۔

اس عبارت سے شارحؒ اطناب کے بعض صورتوں کے درمیان نسبتوں کو بیان کرنا چاہتے

ہیں چنانچہ فرمایا کہ اعتراض مباین ہے تتمیم کا اسلئے کہ تتمیم فضلے کیساتھ ہوتا ہے اور فضلے کیلئے محل اعراب چاہیئے جبکہ دونوں باتیں اعتراض میں نہیں ہے ۔اسی طرح اعتراض مباین ہے تکمیل کا اسلئے کہ تکمیل خلاف مقصود کے دفع کے واسطے ہے جب اعتراض ایسا نہیں ہے اعتراض مباین ہے ایغال کا اسلئے کہ ایغال آخر کلام میں ہوتا ہے البتہ اعتراض تذییل کے بعض صورتوں کو شامل ہے اور وہ بعض صورتیں یہ ہے کہ تذییل جملہ ہوتا ہے جس کیلئے محل اعراب نہ ہو اور وہ ایسے جملوں کے درمیان واقع ہو جس میں معنیٰ اتصال ہو اسلئے کہ تذییل جس طرح یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دو کلاموں کے درمیان واقع ہو اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ دونوں کلاموں کے درمیان نہ ہو بلکہ عموم ہو۔

قوله : حتى يظهر فساد ماقيل الخ ۔

ہماری تشریح سے بعض لوگوں کا یہ قول رد ہو گیا کہ وہ تذییل اور اعتراض کے درمیان تباین کا قائل ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ تذییل میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ دو کلاموں کے درمیان ہو لہذا مفہوم مخالف سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ شرط ہے اعتراض کیلئے لہذا دونوں کے درمیان تباین ہے۔

قوله : ماجاء بين كلامين الخ ۔

اور اعتراض دو کلاموں کے درمیان جملے سے زائد بھی ہوتا ہے جیسے "فاتوهن من حيث امركم الله ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين نساء كم حرث لكم" اس مثال میں [فاتوا] الخ ...مبین [نساء کم] اس کا بیان اور [انّ اللہ] الخ ...معترضہ ہے اور جملے سے زائد ہے مقصود اس آیت سے اس بات کو بتلانا ہے کہ اپنی کھیتی پر آنا طلب نسل اور بقاء نسل کے واسطے نہ کہ قضاء شہوت کے واسطے اور جملہ معترضہ میں نکتہ یہ ہے کہ مقام پر کام کرنے کی ترغیب ہے اور غیر مقام سے اجتناب کا حکم ہے۔

قوله : وقال قوم قد يكون النكتة فيه الخ ۔

بعض حضرات نے کہا کہ جملہ معترضہ کبھی خلاف مقصود کے وہم کو دور کرنے کیلئے بھی آتا ہے اور اس کے قائلین میں دو مسلک ہیں۔ بعض حضرات اس بات کے جواز کے قائل ہیں کہ جملہ

معترضہ جملے کے آخر میں بھی آسکتا ہے اور یہ اس طریقے پر ہوگا کہ معترضہ کے بعد جملہ بالکل نہ ہو یا جملہ ہو لیکن معنی اس سے متصل نہ ہو یہ اصطلاح تفسیر کشاف کے کئی مقام پر موجود ہے۔

قوله : فالاعتراض عند هؤلاء الخ ـ

ان لوگوں کے ہاں اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی جملہ یا جملہ سے زائد لایا جائے کلام کے درمیان میں یا آخر میں یا معنی متصل دو کلاموں کے درمیان یا غیر متصل کے درمیان میں اور اس جملہ معترضہ کیلئے کوئی محل اعراب نہ ہو کسی نکتے کے واسطے چاہے دفع ایہام ہو یا غیر ہو اس تفسیر کے اعتبار سے اعتراض تذییل کو بھی شامل ہوگا اسلئے کہ تذییل کیلئے بھی محل اعراب نہیں ہوتا ہے اگر چہ مصنفؒ نے اس شرط کو ذکر نہیں کیا اور تکمیل کے بعض صورتوں کو بھی شامل ہوگا جب تکمیل ایسا جملہ ہو جس کیلئے محل اعراب نہ ہو اسلئے کہ تکمیل کبھی جملے کے ساتھ ہوتی ہے کبھی بغیر جملے کے اگر جملے کے ساتھ ہو تو کبھی محل اعراب والا ہوتا ہے کبھی غیر اعراب والا۔

قوله : لكنها تباين التتميم الخ ـ

البتہ اعتراض اور تتمیم کے درمیان تباین ہے اسلئے کہ تتمیم فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کیلئے محل اعراب کا ہونا ضروری ہے۔

قوله : وقيل لانه لا يشترط فى التتميم الخ ـ

بعض حضرات نے تباین کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ تتمیم میں جملہ ہونا شرط نہیں ہے اعتراض میں شرط ہے لیکن یہ وجہ غلط ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ انسان اور حیوان میں تباین مانا جائے کہ حیوان میں نطق شرط نہیں ہے اور انسان میں نطق شرط ہے۔ فافھم۔

قوله : وبعضهم الخ ـ

مذکورہ تفصیل کے اعتبار سے دوسرا مسلک یہ ہے کہ اعتراض کا جملہ ہونا ضروری نہیں ہے پس ان لوگوں کے ہاں اعتراض یہ ہے کہ کلام کے درمیان میں یا معنی دو متصل کلاموں میں کوئی جملہ یا غیر جملہ لایا جائے کسی نکتے کی غرض سے۔

قوله : فيشتمل الخ ـ

ان کی تفصیل کے اعتبار سے اعتراض تتمیم اور تکمیل کے بعض صورتوں کو بھی شامل ہوگا جب وہ

بعض صورتیں اثناء کلام میں واقع ہو یا معنی دو متصل کلاموں کے درمیان واقع ہو۔

قوله : واما بغير ذلك الخ ـ

اس کا عطف ہے ایضاح بعد ابہام پر کہ اطناب کبھی اسلئے ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ " الــذيــن يحملون العرشَ ومَنْ حَوْلَـهُ يسبحون بحمدربهم ويؤمنون به "اس آیت میں [یؤمنون بہ] کو اگر ترک کیا جاتا تب بھی معنی مکمل تھا چاہے ایجاز ہو یا مساوات اسلئے کہ فرشتوں کے ایمان کا کوئی منکر نہیں ہے۔

قوله : وحسّن ذكره اظهار شرف الايمان و ترغيباً الخ ـ

البتہ اس کا ذکر حسن ہے اس طور پر کہ ان کے ایمان میں ایمان کی شرافت کا اظہار ہے اور ترغیب ہے اور یہ مثال اطناب کے مذکورہ وجوہ کے علاوہ ہے اسلئے کہ ان میں سے کسی کی تعریف اس مثال پر صادق نہیں آتی : بالتامل فیھا۔

قوله : واعلم انه قد يوصف الكلام بالايجاز الخ ـ

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ایجاز اور اطناب کو بیان کیا جاتا ہے کبھی قلت حروف اور کثرت حروف کے اعتبار سے حاصل یہ ہے کہ جس طرح ایجاز اور اطناب کی یہ تعریف کی گئی تو مقتضی مقام اور متعارف سے کم ہو تو ایجاز ہے اگر زیادہ ہو تو اطناب ہے اگر مساوی ہو تو مساوات ہے۔ اسی طرح جس کلام کے حروف کم ہوں وہ ایجاز ہے بنسبت اس کے جس کے حروف زیادہ ہو اور دونوں اصل معنی میں مشترک ہو جیسے شعر۔

يصدّعن الدنيااذاعنّ سُوْدَدٌ : ولوبرزت في زيّ عذراء ناهد

ترجمہ : کہ ممدوح دنیا سے اعراض کرتا ہے جب اس میں سرداری اور خودداری ظاہر ہو جائے اگر چہ دنیا بلند پستان باکرہ لڑکی کی روپ میں ظاہر ہو جائے ۔ اس شعر کا پہلا مصرعہ ایجاز ہے بنسبت دوسرے پورے شعر کے اسلئے کہ اگلے شعر کا معنی ادا کرتا ہے مذکورہ شعر کے مصرعہ اول دوسرا شعر یہ ہے۔

ولست بنظّار الى جانب الغنى اذا كانت العليافي جانب الفقر

ترجمہ : میں نہیں دیکھتا ہوں مالداری کی طرف جب کے بلندی اور رفعت محتاجی

میں ہو۔شاعر بتانا چاہتا ہے کہ سرداری مشقت کیساتھ مجھے پسند ہے اس راحت کے مقابلے میں جوگمنامی کی حالت میں ہو۔شارحؒ مزید فرماتے ہیں کہ [لست] متکلم کا صیغہ ہے اس پر دلیل ماقبل شعر ہے۔

وانی لصبارٌ علی ماینوبنی وحسبک ان اللہ اَثْنٰی علی الصبر

ترجمہ : میں صبر کرنے والا ہوں ان مصائب پر جو مجھے درپیش ہوتی ہیں اور آپ کیلئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود صبر کی تعریف کی ہے۔یہ شعر [لست] کے متکلم ہونے پر دال ہے۔

قوله : ويقرب منه الخ۔

اس ایجاز اور اطناب کی قبیل سے یہ آیت بھی ہے "لایُسْئَلُ عمایَفْعَلُ وھم یُسْئَلُونَ" اللہ تعالیٰ سے کوئی نہیں پوچھ سکتا انکے افعال کے بارے میں جبکہ وہ سب سے پوچھ سکتا ہیں۔اس آیت میں ایجاز ہے بنسبت اگلے شعر کے۔

ننکران شئنا علی الناس قولھم ولاینکرون القول حین نقول

ترجمہ : ہمارے حکم کا کوئی انکار نہیں کرسکتا جبکہ ہم انکار کرسکتے ہیں۔

قوله : وانماقال يقرب لان ما فی الآية الخ۔

شارحؒ فرماتے ہیں کہ "ویقرب" اسلئے کہا کہ یہ آیت تمام افعال کو شامل ہے جبکہ شعر قول کیساتھ خاص ہے اسلئے دونوں کلام اصل معنی میں مساوی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام زیادہ بلند اور عظمت والا ہے اور کیوں نہ ہو۔

:اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فن اول اختتام کو پہنچا:

رضینا قسمة الجبار فینا لنا علم وللجهال مال

تحقیق التّرکانی

لحلّ

مختصر المعانی

یہ شرح علامہ تفتازانیؒ کی مشکل ترین کتاب مختصر المعانی کی فن ثانی اور ثالث کو آسان کرتے ہوئے لکھی گئی ہے جو کہ ہر طالب علم کیلئے ایک نیا تحفہ ہے

افادات

حضرت مولانا اظہار اللہ شاہ صاحب (**مد ظلہ العالی**)

استاذ الحدیث جامعہ تحفیظ القرآن گول مارکیٹ ناظم آباد ۳ کراچی

حصہ دوم

جامع مولانا شاکر صاحب

مرتب

باز محمّد حنفی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن

فہرست عنوانات

گزارش

ناظرین حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ ہم نے اپنی پوری استطاعت خرچ کی ہے لیکن انسان کمزور ہے اور خطاء کا پتلا ہے لھذا جس صاحب کو بھی کسی قسم کی خامی نظر آئے تو اس نمبر پر ضرور مطلع فرمائیں 0344-2715277 ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اسکی تصحیح کی جائیگی = شکریہ =

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اسکو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسکو ہمارے اساتذہ ، والدین، دوست اور احباب کیلئے نجات کا ذریعہ بنائے (آمین ثم آمین یارب العلمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلفنُّ الثَّانیُ عِلْمُ الْبیَانِ

یہاں سے مصنفؒ فن ثانی کو بیان فرمارہے ہیں مصنفؒ نے بیان کو بدیع پر مقدم کیا کہ اسکی ضرورت نفس بلاغت کیلئے ہے اور بدیع کا تعلق بلاغت کے توابع کیساتھ ہوتا ہے۔

علم بیان کی تعریف

ھوعلم یعرف بہ ایرادالمعنی الواحدبطریق مختلفۃفی وضوح الدلالۃعلیہ علم بیان وہ علم ہے کہ جسکے ذریعہ پہچان لیاجائے ایک معنی کولانا ایسے مختلف طریقوں کیساتھ کہ وہ اس معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے ظھور اور خفاء کے اعتبار سے مختلف ہو۔اسطور پر کہ بعض طریقے اس معنی پر واضحیت کیساتھ دلالت کرے اور بعض اوضحیت کیساتھ پھر چونکہ ہر دلالت ظھور اور خفاء کے قابل نہیں ہوتا تو مصنفؒ نے دلالت کے تقسیم کیطرف اشارہ کیا اور دلالت کے اس قسم کو متعین کیا جو یہاں پر مقصود ہے۔

ودلالۃالفظ الخ...کسی چیز کا اسطور پر دلالت ہونا کہ اسکے علم سے دوسرے چیز کا علم حاصل ہوجائے پہلے کودال اور دوسرے کو مدلول کھتے ہیں پھر دال یالفظ ہوگا تو اسکو لفظیہ کھتے ہیں اور اگر دال لفظ نہ ہوتو اس کو دلالت غیر لفظیہ کہتے ہیں دونوں کی تین تین اقسام ہیں(۱)عقلیہ (۲)طبعیہ (۳)وضعیہ پھر دلالت لفظیہ میں یا تو وضع کو عمل دخل ہوگا یا نہیں چنانچہ مقصود یہاں قسم اوّل ہے یعنی جسمیں وضع کو عمل دخل ہو یعنی لفظ کا اسطور پر ہونا کہ اطلاق کیوقت اس لفظ کے عالم بالوضع کو اسکے معنی معلوم ہوجائے پھر دلالت لفظیہ وضعیہ کی تین اقسام ہیں (۱) یا تو لفظ کی دلالت تمام معنی موضوع لہ پر ہوگا جیسے انسان کی دلالت حیوان ناطق پر۔(۲) یا لفظ کی دلالت جزء معنی موضوع لہ پر ہوگا جیسے انسان کی دلالت حیوان یا ناطق پر۔(۳) یا لفظ کی دلالت خارج اور لازم معنی موضوع لہ پر ہوگا جیسے انسان کی دلالت ضاحک پر بیانین اول قسم کو وضعیہ کہتے ہیں اسلئے کہ واضع نے اس لفظ کو معنی موضوع لہ کیلئے وضع کیا ہے اور اخیرین کو عقلیہ کہتے ہیں اسلئے کہ لفظ کی دلالت جزء معنی موضوع لہ

پر یا خارج پر عقل کیوجہ سے ہے اسلئے کہ کل اور ملزوم کا حصول جزء اور لازم کے حصول کیلئے مستلزم ہے اور اکثر مناطقہ تینوں کو وضعیہ کہتے ہیں اسلئے کہ وضع کو اسمیں دخل ہے اور وہ اس کو عقلیہ مانتے ہیں جو وضعیہ اور طبعیہ کے مقابل ہو جیسے دخان کی دلالت آگ پر دلالت کی ان تین اقسام میں سے اول کو مطابقی ثانی کو تضمنی اور ثالث کو التزامی کہا جاتا ہے۔

فــان قيل الخ..... یہاں سے شارحؒ ایک اعتراض کو بیان فرمارہے ہیں اعتراض یہ ہیکہ جب ہم نے فرض کرلیا ایک ایسے لفظ کو جو کل، جزء، اور لازم میں مشترک ہو جیسے لفظ شمس یہ ایک ایسا لفظ مشترک ہے کہ اسکا اطلاق اسکے مجموعہ یعنی جرم اور شعاع دونوں پر بھی ہوتا ہے اور صرف جرم پر بھی ہوتا ہے اور شعاع پر بھی پس اگر لفظ شمس کا اطلاق کیا جائے مجموعہ پر دلالت مطابقی کے اعتبار سے اور اعتبار کیا جائے کہ یہ لفظ شمس جرم پر دلالت تضمنی کے اعتبار سے بھی دلالت کرتا ہے اور شعاع پر دلالت التزامی کے اعتبار سے دلالت کرتا ہے تو یہاں پر پہلے دونوں دلالت کی تعریفات ٹوٹ جاتی ہے دوسری دلالت کی تعریف کے لاوازم آنے سے؟

وَالْـجـواب الخ..... یہاں تینوں دلالتوں کی تعریفات دوسری تعریفات سے نہیں ٹوٹتی اسلئے کہ ان امور کی تعریف میں حیثیت کا قید ماخوذ ہوتا ہے جو اضافات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں تو دلالت مطابقی کی تعریف یہ ہوگی کہ لفظ دلالت کرے اپنے تمام معنی موضوع لہ پر اس حیثیت سے کہ وہ اسکا تمام معنی موضوع لہ ہو اور۔

تضمنی کی تعریف یہ ہوگی کہ لفظ جزء معنی موضوع لہ پر دلالت کرے اس حیثیت سے کہ وہ معنی موضوع لہ کا جزء ہو۔

اور التزامی کی تعریف یہ ہوگی کہ لفظ معنی موضوع لہ کے لازم پر دلالت کرے اس حیثیت سے کہ وہ معنی موضوع لہ کا لازم ہے۔

تو یہاں پر بھی ان تینوں کی تعریفات میں حیثیت کا قید معتبر ہے لیکن اکثر اس قید کے ذکر کرنے کو تعریف میں چھوڑ دیتے ہیں اس کی شہرت پر اعتماد کرتے ہوئے اور ذہن کا خود اسکی طرف منتقل ہونے کیوجہ سے۔

وَشرطُـهُ الـلّزوم الذّهنى الخ..... فائدہ: لزوم کی تین اقسام ہیں (۱) لزوم ذہنی وخارجی جیسے اربعہ کیلئے زوجیت کا لزوم ہے خارج میں بھی ہے اور ذہن میں بھی ہے۔

(۲) لزوم ذہنی جیسے عمٰی کیلئے بصر کا لزوم ہے یہ صرف ذہن میں ہے. خارج میں نہیں۔
(۳) لزوم خارجی جیسے کوے کیلئے خارج میں سواد کا لزوم ہے یہ صرف خارج میں ہے ورنہ ذہن میں دوسرا رنگ بھی ہوسکتا ہے۔

لزوم ذهنی کی تعریف: معنی خارجی کا اسطور پر ہونا کہ جب معنی موضوع لہ ذہن میں حاصل ہو جائے تو وہ معنی خارجی بھی ذہن میں حاصل ہو پھر لزوم ذہنی کی دو قسمیں ہیں (۱) لزوم بیّن (۲) لزوم غیر بیّن

لزوم ذهنی بیّن کی تعریف: کہ لازم اور ملزوم کا تصور ہی جزم بالزوم کیلئے کافی ہو۔

لزوم ذهنی غیر بیّن کی تعریف: کہ لازم اور ملزوم کا تصور جزم بالزوم کیلئے کافی نہ ہو بلکہ قرائن وسائط وعلامات کی طرف محتاج ہو جیسے کرم سخاوت کیلئے کثرت راکھ کا موجود ہونا۔ پھر لزوم ذہنی بین کی دو قسمیں ہیں (۱) لزوم بین بالمعنی الاعم (۲) لزوم بین بالمعنی الاخص۔

وَشرطه اللزوم الذهنی الخ.... یہاں مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ دلالت التزامی کیلئے ذہنی شرط ہے لیکن مناطقہ اور اھل عربیت اور اھل بیان کے درمیان اختلاف ہے کہ دلالت التزامی کیلئے لزوم ذہنی کی کونسی قسم شرط ہے تو مناطقہ کے ہاں دلالت التزامی کیلئے لزوم ذہنی بیّن بالمعنی الاخص شرط ہے البتہ بعض مناطقہ کے ہاں صرف لزوم بیّن شرط ہے چاہے بالمعنی الاعم ہو یا الاخص ہو لیکن اھل بیان اور اھل عربیت کے ہاں دلالت التزامی کیلئے مطلقاً لزوم شرط ہے ورنہ بہت سارے کنایات اور معانی مجاز مدلولات التزامیہ سے نکل جائیگے اور اسی طرح لزوم ذہنی بین کو شرط قرار دینے سے وہ اختلاف بھی ختم ہو یگا جو بیان کی تعریف میں وضوح کے اعتبار سے ہے یعنی بعض کا واضح اور بعض کا اوضح ہونا اسلئے کہ اس صورت میں سب برابر ہیں۔

وَلایتأتی بالوضعیة الخ.... یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیکہ ایک معنی کو مختلف طرق پر دلالت مطابقی کے ذریعہ نہیں لایا جاسکتا اسلئے کہ سامع یا تو سارے الفاظ کے وضع کو جاننے والا ہوگا یا نہیں اگر ہے تو وہ الفاظ اس معنی موضوع لہ پر دلالت کرنے میں برابر ہونگے بعض اوضح اور بعض واضحیت کیساتھ دلالت نہیں کرتے ہونگے اور اگر نہیں جانتا تو سارے الفاظ اس معنی موضوع لہ پر دلالت کرنے والے نہیں ہونگے

وَلـقائل ان يقول الخ..... یہاں سے معترض اعتراض کرتاھیکہ ہم اس بات کوتسلیم نہیں کرتے کہ جب سامع الفاظ کے وضع کو جانتاہوتو سمجھنے میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہوتا بلکہ یہ بات جائزھیکہ بعض الفاظ کے معانی ذہن میں تھوڑے سے التفات کیساتھ ہی حاضر ہوجائے بخلاف بعض معنی کے اسلئے کہ وہ التفات کثیرہ کے محتاج ہوتے ہے جیسے اسد سے شیر کا معنی فی الفور ہوتا ہے بہ نسبت لیث اور غنضفر کے۔

وَالْـجَـوَابُ الخ....اس اعتراض کا جواب یہ ھیکہ سمجھنے میں فرق کا پایا جانا یہ الفاظ کے وضع کے یاد نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور وضع کے علم کے تحقق کے بعد الفاظ سے معانی کا سمجھنا ضروری ہے اور اسمیں فرق بھی ہوتا۔

وَيَتأتى بالعقلية الخ.....البتہ ایک معنی کومختلف طرق سے دلالت تضمنی اور التزامی کے ذریعہ لایا جاسکتا ہے اسلئے کہ تضمنی میں کل کیلئے اجزاء کے لزوم کے مراتب ظھور اور خفاء کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور دلالت التزامی میں ملزوم کے لوازم کے مراتب ظھور اور خفاء کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہے دلالت التزامی میں تو یہ ظاہر ہے کہ ایک ملزوم کیلئے کئے سارے لوازم ہو جیسے جود کیلئے کثرت ضیوف اور لکڑیوں کا زیادہ جلنا اور چولھے میں راکھ کا زیادہ موجود ہونا یہ لوازم ہے لیکن ان میں سے اقرب لازم کثرت ضیوف ہے اسی طرح یہ بات بھی ہے کہ ایک لازم کے کئے سارے ملزومات ہو اور ایک لازم کو ان الفاظ کیساتھ جومختلف کیلئے وضع کیئے گئے ہیں اور ظھور اور خفاء کے اعتبار سے بھی مختلف ہے حرارت اور گرمی یہ لازم ہے آگ،سورج،حرکت،بلب،موبتی یہ ملزومات ہیں لیکن ان میں سے اوضحیت کیساتھ لازم حرارت پر آگ دلالت کررہا ہے بہ نسبت باقی کے۔

وَامَّـا في التضمين الخ.....اور ایک معنی کومختلف طرق سے تضمنی کے ذریعہ بھی لایا جاسکتا ہے اسلئے کہ یہ بات جائزھیکہ ایک معنی ایک چیز کا جزء ہو اور دوسرے کا جزء الجزء ہوتو اس چیز کی دلالت اس معنی پر جسکا یہ جزء ہے یہ اوضح ہوگا بہ نسبت اس چیز کے دلالت کے جسکا یہ جزء الجزء ہے جیسے حیوان کی دلالت جسم پر اوضح ہے اسلئے کہ یہ بغیر واسطہ کے جسم پر دلالت کرتا ہے اور انسان کی دلالت جسم پر یہ واضح ہے اسلئے کہ یہ حیوان کے واسطے سے جسم پر دلالت کررہا ہے۔

ثم اللفظ الخ.....وہ لفظ جس سے معنی موضوع لہ کے لازم کا ارادہ کیا گیا ہے اگر معنی موضوع لہ کے ارادہ نہ کرنے پر کوئی قرینہ موجود ہو تو وہ مجاز کہلاتا ہے اور اگر قرینہ نہ ہو تو وہ کنایہ کہلاتا ہے پھر مصنفؒ نے مجاز کو کنایہ پر مقدم کیا اسلئے کہ مجاز کا معنی کنایہ کے جزء کیطرح ہے کیونکہ مجاز میں صرف لازم کا ارادہ کیا جاتا ہے اور کنایہ میں لازم اور ملزوم دونوں کا ارادہ کرنا جائز ہے اور جزء طبعاً کل پر مقدم ہوتا ہے تو مصنفؒ نے وضعاً بھی مجاز کو کنایہ پر مقدم کیا پھر مجاز کے اقسام میں سے چونکہ ایک قسم استعارہ بھی ہے اور وہ موقوف ہے تشبیہ کے سمجھنے پر اس وجہ سے مصنفؒ نے سب سے پہلے تشبیہ کو بیان کیا تو علم بیان کا مقصود منحصر ہے تین اشیاء میں ۔(۱) تشبیہ (۲) مجاز (۳) کنایہ ۔

التشبیہ یہاں سے مصنفؒ تشبیہ کو بیان فرمارہے ہیں تشبیہ سے پہلے چند مبادیات کا جاننا ضروری ہے (۱) مشبِّہ (۲) مشبَّہ (۳) مشبہ بہ (۴) ادات تشبیہ (۵) وجہ تشبیہ ۔ تو مشبِّہ تشبیہ دینے والا مشبَّہ اس چیز کو کہتے ھیکہ جس کو تشبیہ دی جائے مشبہ بہ جسکے ساتھ تشبیہ دی جائے ادات تشبیہ جس حرف کے ذریعہ تشبیہ دی جاتی ہے وجہ تشبیہ مشبہ کو مشبہ بہ کیساتھ جس چیز میں تشبیہ دی جائے وہ وجہ تشبیہ ہے جیسے زیدٌ کالاسد اسمیں زید مشبہ ہے اسد مشبہ بہ ہے (کاف) حرف تشبیہ ہے اور شجاعت وجہ تشبیہ ہے ۔ تشبیہ کے چار اقسام ہیں (۱) اگر مشبہ بہ مذکور ہو اور اس سے مراد مشبہ ہو تو اسے استعارہ تصریحیہ کہتے ہیں جیسے رأیت اسداً یرمی اس مثال میں مشبہ بہ مذکور ہے اور اس سے مراد مشبہ یعنی زید ہے ۔ (۲) اور اگر مشبہ مذکور ہو اور اس سے مراد مشبہ بہ ہو تو اس سے استعارہ مکنیہ کہتے ہیں جیسے انشبت المنیۃ اظفارھا اس مثال میں مشبہ مذکور ہے یعنی موت لیکن مراد مشبہ بہ ہے یعنی درندہ ۔(۳) مشبہ بہ کیلئے جو اشیاء لازم ہیں اگر مشبہ بہ کے لازم کو مشبہ کیلئے ثابت کیا جائے تو استعارہ تخیلیہ کہتے ہیں جیسے انشبت المنیۃ اُظفارھا اس مثال میں مشبہ بہ درندہ ہے اور اسکے ساتھ پنجہ لازم ہے لیکن ان کو آپ نے موت کیلئے ثابت کئے ۔(۴) اگر مشبہ بہ کے مناسبات کو مشبہ کیلئے ثابت کیا جائے تو استعارہ ترشیحیہ کہلاتا ہے جیسے درندہ مشبہ بہ ہے اور پنجہ گاڑنا درندہ کیلئے مناسب ہے لیکن آپ نے اُسے موت کیلئے ثابت کئے ۔

التشبیہ الخ.....مصنفؒ ایک مرتبہ تشبیہ کے لفظ کو ذکر کرنے کے بعد دوبارہ صراحۃ تشبیہ کے

لفظ کولیکر آئے اور ضمیر کولیکر نہیں آئے اسلئے کہ تشبیہ ثانی سے مصنفؒ تشبیہ لغوی کی تعریف بیان فرمارہے ہیں اور تشبیہ اول سے تشبیہ اصطلاحی ہے ضمیر اسلئے لیکر نہیں آئے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ تشبیہ اصطلاحی اور لغوی میں کوئی فرق نہیں۔ تشبیہ کے دو اقسام ہیں (۱) لغوی (۲) اصطلاحی

تشبیہ کی لغوی تعریف : تشبیہ لغوی وہ ہیکہ جو ایک امر کے دوسرے امر کیساتھ کسی معنی میں مشارکت پر دلالت کرے جیسے قاتل زیدٌ عمرٌ او جائی زیدٌ وعمر

تشبیہ کی اصطلاحی تعریف : تشبیہ اصطلاحی وہ ہیکہ جو ایک امر کے دوسرے امر کیساتھ کسی معنی یا وصف میں مشارکت پر دلالت کرنے کو کہتے ہیں لیکن یہ تجرید اور استعارہ تحقیقیہ اور مکنیہ کے طور پر نہ ہو اور متکلم نے اس وصف خاص میں شرکت کا ارادہ بھی کیا ہو یہاں پر علم بیان میں تشبیہ اصطلاحی سے مراد وہ ہے جو استعارہ تحقیقیہ اور مکنیہ اور تجریدیہ کی طور پر نہ ہو۔ تو اسمیں زیدٌ اسد جبکہ حرف تشبیہ کو حذف کیا جائے اور صمٌ بکمٌ عمیٌ جیسی مثالیں سب کے سب داخل ہو جائیں گے۔

وَالنَّظْرُ هٰهُنَا فِيْ اَرْكَانِهٖ الخ..... تشبیہ کے اس باب میں ارکان تشبیہ سے ہم بحث کرینگے ارکان تشبیہ کل چار ہیں۔ (۱) مشبّہ (۲) مشبّہ بہ (۳) وجہ تشبیہ (۴) حروف تشبیہ ۔ اور اسی طرح اس باب میں تشبیہ کے غرض اور اسکے اقسام کو بیان کرینگے اور جب ان ارکان تشبیہ میں طرفین یعنی مشبہ بہ اور مشبہ اصل ہے کیونکہ وجہ تشبیہ تو ان دونوں کیساتھ قائم ہوتا ہے اور اداتؔ ایک آلہ اور ذریعہ ہے اسوجہ سے مصنفؒ نے مشبہ اور مشبہ بہ کے بحث کو وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ پر مقدم کیا۔

طرفاه امّا حسّيّان الخ..... تو تشبیہ کے طرفین یعنی مشبہ مشبہ بہ یا تو دونوں حسی ہونگے یا عقلی ہونگے یا مختلف ہونگے اسکی پھر دو قسمیں [۱] مشبہ عقلی ہوگا اور مشبہ بہ حسی ہوگا [۲] مشبہ حسی ہوگا اور مشبہ بہ عقلی ہوگا (۱) اگر دونوں حسی ہو جیسے خد وَورد یعنی رخسار اور گلاب مبصرات میں، کمزور آواز اور همس یعنی وہ آواز جو انتہائی پوشیدہ اور مخفی ہو جو گویا کہ منہ سے نکلا ہی نہیں مسموعات میں، منہ کا بو اور عنبر مشمومات میں تھوک اور شراب کا مزہ مذوقات میں، اور نرم و ملائم کھال اور ریشم ملموسات میں مذکورہ تمام اشیاء حسی ہیں اسلئے کہ ان تمام کو حواس خمسہ ظاہرہ میں سے کسی ایک سے حاصل کیا جاتا ہے۔ (۲) یا طرفین عقلی ہو جیسے علم

کوحیات کیساتھ تشبیہ دینا اسلئے کہ یہ دونوں چیزوں کے ادراک کا ذریعہ اور آلہ ہے (۳) طرفین کے مختلف ہونے کی صورت میں اگر مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسی ہو اسکی مثال جیسے موت کو پنجہ گاڑنے میں درندے کیساتھ تشبیہ دینا اس مثال میں موت مشبہ عقلی اور درندہ مشبہ بہ حسی ہے۔(۴) اور طرفین کے مختلف ہونے کی صورت میں اگر مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو اسکی مثال جیسے عطر کو اچھے اخلاق کیساتھ تشبیہ دینا اسمیں مشبہ حسی ہے جسکا ادراک سونگنے کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور اخلاق کریمہ اس کیفیت نفسانیہ کا نام ہے جو نفس میں راسخ اور پختہ ہو چکا ہو اور افعال کا صدور اس سے آسانی کے ساتھ ہوتا ہو۔

والوجه فی تشبیه المحسوس بالمعقول الخ.....اعتراض: محسوس اصل ہے اور معقول فرع ہے تو اصل کو فرع کیساتھ تشبیہ دینا قلب موضوع کے مترادف ہے؟

جواب: محسوس کو معقول کیساتھ اسطور پر تشبیہ دی جائیگی کہ معقول کو محسوس فرض کرلیا جائے اور اس کو اس محسوس کیلئے اصل بنایا جائے مبالغہ کے طریقہ پر اور پھر محسوس کو محسوس کیساتھ تشبیہ دی جائے۔

وَالمرادبالحس المدرک الخ... یہاں سے مصنفؒ بیان فرمارہے ہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے بعض اقسام ایسے ہیں جن کو نہ تو قوت عاقلہ کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ حواس کے ذریعہ مثلاً خیالیات، وہمیات، اور وجدانیات تو مصنفؒ نے ارادہ کیا کہ حسی اور عقلی کی ایسی جامع تعریف بیان کی جائے جو ان تمام اقسام کو شامل ہو تو مصنفؒ فرماتے ھیکہ تشبیہ کے باب میں حسی سے مراد وہ ھیکہ بذات خود اسکو یا اسکے مادے کو حواس خمسہ ظاہرہ میں سے کسی ایک کیساتھ حاصل کیا جائے تو حسی کی تعریف میں مادہ کی قید کے اضافہ سے خیالی بھی داخل ہوگیا۔

خیالی کی تعریف: یہ اس معدوم کو کہتے ہیں جسکو ان امور سے مرکب اور مجتمع فرض کیا جائے جنکا ادراک حواس خمسہ کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے جیسے كَأَنَّ مُحْمَرَّ الشَّقِيْقِ إِذَا تَصَوَّبَ أَوْتَصَعَّدَ : أَعْلَامُ يَاقُوْتٍ نُشِرْنَ عَلٰى رِمَاحٍ مِنْ زَبَرْجَدٍ : گویا کہ گل لالہ جب باد نسیم کے جھونکوں سے اوپر نیچے ہوتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ یاقوتی جھنڈے ہو جو سبز زبرجدی نیزوں پر پھیلائے گئے ہو۔ بیشک اس شعر میں علم، یاقوت

،رمح،اورزبرجد یہ چاروں محسوس ہے لیکن وہ مرکب اور مجتمع شی جوان امور سے مرکب ہے اور یہ امور اسکا مادہ ہے وہ شی محسوس نہیں اسلئے کہ وہ خارج میں موجود ہی نہیں اسلئے کہ حس تو اس چیز کا ادراک کرتی ہے جو ہیئت محسوسہ کیساتھ مدرک کے ہاں حاضر ہو۔

وَالمراد بالعقلی ماعدا الخ.....اور اس سے مراد وہ ھیکہ بذات خود اسکو اور اسکے مادے کو حواس خمسہ میں سے کسی ایک کیساتھ حاصل نہ کیا جائے پس عقلی کی اس تعریف سے وہمیات بھی عقلی میں داخل ہو گئے جسمیں حس کا کوئی بھی عمل دخل نہیں ہوتا اور اسی طرح عقلی میں وہ اشیاء بھی داخل ہوئی جنکا ادراک حواس خمسہ سے نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر وہ پائی جائی تو ان کا ادراک حواس خمسہ سے ممکن ہو جیسے امرأالقیس کا یہ شعر۔ ایقتلنی والمشرفی مضاجعی : ومسنونۃ زرق کانیاب اغوال : کیا وہ مجھے قتل کر دیگا اسحال میں کہ مشرفی تلوار اور انیاب اغوال کی طرح تیز دھار شیقل شدہ نیزے میرے پاس ہے۔ تو اس شعر میں انیاب اغوال وہ چیز ھیکہ جسکا ادراک حس کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا اسلئے کہ وہ خارج میں موجود نہیں لیکن اگر یہ خارج میں پایا جائے تو اسکا ادراک حس بصر کے ذریعہ ممکن ہے

وَوجهه الخ.....یہاں سے تشبیہ کے تیسری رکن کو بیان فرماتے ہیں۔

وجہ تشبیہ کی تعریف وہ ھیکہ جسمیں طرفین کے اشتراک کا قصد کیا گیا ہو اور یہ وجہ تشبیہ یا تو تحقیقی ہوگا یا تخیلی ہوگا تخیلی سے مراد یہ ھیکہ وجہ تشبیہ طرفین میں سے ایک میں یا دونوں میں نہ پایا جائے مگر بطریقہ تخیل اور تاویل کے جیسے شاعر کے اس شعر میں ہے ۔وکان النجوم بین دجاہ : سنن لاح بین ھن ابتداع : گویا کہ بیشک ستارے رات کی تاریکی میں ایسلے ہیں جیسے سنت جسمیں بدعت ظاہر ہو جائے ۔اس شعر میں شاعر نے ان ستاروں کو جو رات کی تاریکی میں روشنی دیتے ہیں تشبیہ دی ہے ان سنتوں کیساتھ جو بدعتوں کے بیچ میں ہوتے ہیں جن سے بدعتیں ظاہر ہو جاتی ہے اس تشبیہ میں وجہ شبہ وہ ہیئت ہے جو حاصل ہوا ایسی چمکدار اور سفید اشیاء سے جو ایک تاریک اور کالی چیز کے بیچ میں ہو تو یہ ہیئت مشبہ بہ میں نہیں ہے تحقیقی طور پر البتہ بطریقہ تخیل اور تاویل کے موجود ہے اور وہ مشبہ بہ سنن ہے اسلئے کہ بدعت اور ہر وہ چیز جو جہل ہو وہ اپنے حامل کو اس شخص کی طرح بنا دیتے ہے جو تاریکی میں چل رہا ہو پس نہ تو وہ راہ یاب ہوتا ہے اور نہ راستے کے خطروں سے

محفوظ رہ سکتا ہے تو بدعت کو ظلمت کیساتھ تشبیہ دی گئی تو عکس کے طور پر اب یہ بات لازم آگئی کہ سنت اور ہر وہ چیز جو علم ہو اس کو روشنی سے تشبیہ دی جائے اور یہ بات مشہور ہے کہ سنت اور علم روشنی کیطرح ہے اور جہل اور بدعت ظلمت کیطرح ہے یہاں تک کہ یہ خیال کیا گیا کہ سنت اور علم کیلئے بھی چمک موجود ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ اَتَیْتُکُم بِالْحَنِیْفِیَةِ الْبَیْضَاءِ اور شاھدتُّ سَوَادَ الْکُفْرِ مِنْ جَبِیْنِ فُلَانٍ :

میں نے فلاں کے چہرے سے کفر کے تاریکیوں کا مشاہدہ کیا۔ النجوم بین الدجا کو تشبیہ دینا ان سنن کیساتھ جو بدعتوں کے وسط میں ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے ستاروں کو تشبیہ دی جائے بڑھاپے کی حالت میں ان سفید بالوں کیساتھ جو جوانی کے کالے بالوں کے بیچ میں ہو اور یا یہ ایسا ہے جیسا کہ ستاروں کو تشبیہ دی جائے پھولوں کی کلیوں کیساتھ جو چمک رہی ہو ایسے گہرے سبز پتوں کے درمیان جو مائل ہو سیاہی کی طرف۔

فعلم فساد جعله الخ... یہاں سے مصنفؒ بیان فرما رہے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ وجہ تشبیہ میں طرفین کے اشتراک کا قصد و ارادہ کرنا واجب ہے تو قائل کے اس قول النحو فی الکلام کالملح فی الطعام میں وجہ تشبیہ قلیل کو مصلح قرار دینا اور کثیر کو مفسد قرار دینا فاسد ہے کہ مشبہ یعنی نحو مشبہ بہ نمک کیساتھ اس معنی میں شریک نہیں چنانچہ نحو قلت و کثرت کا احتمال نہیں رکھتا اسلئے کہ نحو سے مراد یہاں پر اسکے قواعد کی رعایت رکھنا اور اس کو استعمال کرنا ہے جیسے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دینا بخلاف نمک کے اسلئے کہ وہ قلت و کثرت کا احتمال رکھتا ہے اسطور پر کہ کھانے میں معتد بہ مقدار نمک کی ڈالدی جائے یا کم یا زیادہ تو بہتر یہی کہ النحو فی الکلام کالملح فی الطعام میں وجہ تشبیہ کو انکے استعمال کو مصلح قرار دینا اور انکے ترک کو مفسد قرار دینا ہو۔

وھو اما غیر خارج عن حقیقته الخ...... یہاں سے مصنفؒ وجہ تشبیہ کے اقسام کو بیان فرما رہے ہیں وجہ تشبیہ یا تو طرفین کے حقیقت سے خارج ہوگی یا نہیں اگر نہ ہو اسکی تین اقسام ہیں۔ (۱) یا تو وہ وجہ تشبیہ طرفین کی تمام ماہیت ہوگی یا جزء ماہیت ہوگی۔ (۲) اور وہ طرفین کی ماہیت اور ایک تیسری ماہیت میں مشترک ہوگی۔ (۳) یا طرفین کی ماہیت کی جزء ہوگی لیکن اور ماہیات سے اس کو جدا کرنے والی ہوگی اول نوع ثانی کو جنس

اور ثالث کو فصل کہا جاتا ہے اور اگر وجہ تشبیہ طرفین کے حقیقت سے خارج ہے اسکی پھر دو قسمیں ہیں (۱) یا تو وصف حقیقیہ ہوگی (۲) یا وصف اضافیہ ہوگی۔ حقیقیہ کی پھر دو قسمیں ہیں (۱) حسیہ (۲) عقلیہ۔ نوع کی مثال جیسے هذا القميص مثل هذا القميص في كونهما كتانا جنس کی مثال هذا القميص مثل هذا القميص في كونهما ثوبا فصل کی مثال هذا القميص مثل هذا القميص في كونهما قطنا

حسیہ کی تعریف: جو حواس خمسہ میں سے کسی ایک کیساتھ حاصل کیا جائے جیسے کیفیات جسمیہ جو جسم کیساتھ مختص ہوتے ہیں تو انکا ادراک بصر کے ذریعہ ہوگا جیسے الوان، اشکال، مقادیر، حرکات اور خوبصورتی بدصورتی وغیرہ، یا اسکا ادراک کان کے ذریعہ ہوگا جیسے قوی ضعیف اور درمیانے آوازوں کا ادراک کان کے ذریعہ کیا جاتا ہے یا اسکا ادراک ذوق کے ذریعہ کیا جائیگا جیسے مٹھاس، کڑواھٹ، نمکینی اور ترش کا ادراک چکھنے کے ذریعہ ہوتا ہے یا اسکا ادراک سونگھنے کے ذریعہ جیسے خوشبوں کا ادراک کیا جاتا ہے سونگھ کر یا چھونے کے ذریعہ ادراک ہوگا جیسے حرارت، برودت، تری، خشکی وغیرہ کسی چیز کا برابر ہونا، نرمی اور سخت اور خفت، اور ثقل یہ سب چھونے کے ذریعہ مدرک ہے۔

او عقلیه الخ...... یہ ماتن کے قول حسیہ پر عطف ہے جیسے کیفیات نفسانیہ جو نفوس کیساتھ خاص ہے جیسے ذکاوت، علم، غصہ، حلم، اور ساری طبیعتیں جس سے صفات ذاتیہ یعنی کرم، سخاوت، شجاعت، شجاعت صادر ہوتے ہے

وَاَمَّا اضافية الخ...... یہ ماتن کے قول حقیقیہ پر عطف ہے یعنی وہ ہیئت جو متقرر فی الذات نہ ہو بلکہ یہ وہ معنی ہو جو اشیاء کیساتھ متعلق ہو جیسے حجت اور برھان کو سورج کیساتھ تشبیہ دینا ازالہ حجاب میں۔

وَايضاً لوجه التشبيه تقسيم اٰخر الخ...... یہاں سے مصنفؒ وجہ تشبیہ کی دوسری تقسیم بیان فرمارہے ہیں اس اعتبار سے وجہ تشبیہ کی سولہ اقسام ہیں وہ اسطرح کہ [۱] وجہ تشبیہ یا تو واحد ہوگی [۲] یا بمنزلہ واحد یعنی مرکب ہوگی [۳] یا متعدد ہوگی، پہلی اور دوسری قسم کی دو دو قسمیں ہیں (۱) وجہ شبہ واحد حسی (۲) وجہ شبہ واحد عقلی (۱) وجہ شبہ مرکب

حسی (۲) وجہ شبہ مرکب عقلی ۔ وجہ شبہ متعدد کی تین قسمیں ہیں (۱) متعدد حسی (۲) متعدد عقلی (۳) متعدد مختلف یعنی بعض عقلی اور بعض حسی اگر وجہ شبہ حسی ہے تو طرفین ہمیشہ صرف حسی ہونگے اور اگر وجہ شبہ عقلی ہے تو پھر طرفین حسی اور عقلی دونوں ہوسکتے ہے۔

وجہ تشبیہ کا نقشہ

واحد مرکب متعدد

واحد حسی واحد عقلی مرکب حسی مرکب عقلی متعدد حسی متعدد عقلی متعدد مختلف

واحد عقلی

طرفین حسی طرفین عقلی مشبہ عقلی مشبہ بہ حسی مشبہ حسی مشبہ بہ عقلی

مرکب عقلی

طرفین حسی طرفین عقلی مشبہ عقلی مشبہ بہ حسی مشبہ حسی مشبہ بہ عقلی

متعدد عقلی

طرفین حسی طرفین عقلی مشبہ حسی مشبہ بہ عقلی مشبہ عقلی مشبہ بہ حسی

والواحد العقلی الخ..... یہاں سے وجہ تشبیہ واحد عقلی کو بیان فرما رہے ہیں اور اسکی چار اقسام ہیں (۱) طرفین عقلی جیسے عدیم النفع شی کو عدم کیساتھ تشبیہ دینا اسمیں وجہ تشبیہ عقلی ہے یعنی فائدہ نہ دینا اور طرفین یعنی وجود اور عدم یہ بھی عقلی ہے۔ (۲) طرفین حسی ہو جیسے بہادر آدمی کو شیر کیساتھ تشبیہ دینا اسمیں وجہ تشبیہ عقلی ہے یعنی بہادری اور طرفین حسی ہے یعنی رجل اور اسد۔ (۳) طرفین مختلف ہو یعنی مشبہ عقلی ہو اور مشبہ بہ حسی ہو جیسے علم کو نور کیساتھ تشبیہ دینا مطلوب تک پہنچانے کے اعتبار سے اسمثال میں وجہ تشبیہ ھدایت ہے اور عقلی ہے اور مشبہ یعنی علم عقلی ہے اور مشبہ بہ نور حسی ہے۔ (۴) طرفین مختلف ہو مشبہ حسی اور مشبہ بہ عقلی ہو جیسے عطر کو اچھے اخلاق کیساتھ تشبیہ دینا اسمیں وجہ تشبیہ خوشدلی ہے اور استطابۃ النفس ہے اور مشبہ عطر حسی ہے اور مشبہ بہ اخلاق عقلی ہے۔

فالمرکب الحسی الخ.... اگر وجہ تشبیہ مرکب حسی ہو تو اسکے طرفین ہمیشہ حسی ہونگے نہ کہ عقلی ہاں یا تو طرفین مفرد ہونگے یا مرکب ہونگے یا ایک مفرد اور دوسرا مرکب ہوگا ترکیب سے یہاں مراد یہ ھیکہ کئی سارے مختلف اشیاء کا ارادہ کیا جائے اور اس سے

ایک ہیئت نکالا جائے اور اسکو مشبہ یا مشبہ بہ بنایا جائے اسطرح وجہ تشبیہ مرکب کا معنی بھی ہے۔ وجہ تشبیہ مرکب حسی کے طرفین اگر دونوں مفرد ہو جیسے شاعر کا یہ شعر۔

وقد لاح فی الصبح الثریا کماتری : کعنود ملاحیۃ حین نورا :

اور تحقیق ظاہر ہوا صبح کیوقت میں ثریا ستارہ بالکل ایسا جیسا کہ تو سفید انگور کے خوشے کو دیکھے جس وقت اسکی کلی کھل جائے اسمثال میں وجہ تشبیہ مرکب حسی ہے وہ وہ ہیئت ہے جو ایسے صورتوں کے اتصال سے حاصل ہو جو سفید گول گول ہو اور دیکھنے میں چھوٹے معلوم ہو اگرچہ وہ حقیقۃً بڑے کیوں نہ ہو اور ایک مخصوص مقدار کیساتھ ایک خاص کیفیت پر آپس میں ملے ہوئے ہو۔

وفیما طرفاہ مرکبان الخ..... یہاں مصنفؒ فرماتے ہیکہ اگر وجہ تشبیہ مرکب حسی ہو اور اسکے طرفین مرکب ہو مثال جیسے بشار شاعر کا یہ شعر۔

کان مثار النقع فوق روسنا : وایسافنا لیل تھاوی کواکبہ :

گویا کہ بشیک اڑی ہوئی غبار جو ہمارے سروں اور تلواروں پر ہے وہ ایک رات ہے جسکے ستارے یک بعد دیگرے گر رہے ہیں۔ اسمثال میں وجہ تشبیہ مرکب حسی ہے اور یہ وہ ہیئت ہے جو ایک سیاہ چیز میں پھیلے ہوئے چمکدار لمبے مناسب مقدار کے اجرام کے ٹوٹنے سے حاصل ہو اور یہ ہیئت حسی ہے اور طرفین بھی مرکب حسی ہے اسلئے کہ مصنفؒ نے اڑنے والے غبار کو رات کیساتھ اور تلواروں کو ستاروں کیساتھ تشبیہ کا ارادہ نہیں کیا بلکہ تلواروں کی اس ہیئت کو تشبیہ دینے کا ارادہ کیا ہے کہ وہ تلوارے نیاموں سے نکالی گئی ہو اور وہ اوپر نیچے ہوتی ہو آتی جاتی ہو اور مختلف اطراف کی طرف تیزی سے حرکت کرتی ہو اور ان تمام احوال پر کبھی ٹیڑھی اور کبھی سیدھی کبھی رفعت اور کبھی پستی کی کیطرف منقسم ہوتی ہو ان تمام احوال کے تداخل کیساتھ اور مشبہ بہ بھی مرکب ہے اسلئے کہ ستاروں کے ٹوٹنے میں تداخل ہوتا ہے۔

وفیما طرفاہ مختلفان الخ..... اس وجہ تشبیہ مرکب حسی کی مثال جسکے طرفین مختلف ہو یعنی ایک مفرد اور دوسرا مرکب ہو جیسے گل لالہ کی تشبیہ میں گزر گیا اسمیں وجہ تشبیہ مرکب حسی ہے اور مشبہ مفرد ہے اور وہ شقیق گل لالہ ہے اور مشبہ بہ مرکب ہے اور یہ وہ ہیئت ہے جو اعلام یاقوت کو سبز زبرجدی نیزوں کے اوپر پھیلانے سے حاصل ہو۔

وان کان المشبہ مرکباً الخ..... اور اگر طرفین میں مشبہ مرکب اور مشبہ بہ

مفرد ہو اسکی مثال جو آگلے صفحے میں ہے کہ نہار مشمس کو لیل مقمر کیساتھ تشبیہ دی جائے۔

ومن بديع المركب الحسي الخ...... یہاں سے مصنفؒ وجہ شبہ مرکب حسی کے کچھ اقسام بیان فرمار ہے ہیں فرماتے ہیں کہ وجہ شبہ مرکب حسی بدیع کی اقسام یہ ہیکہ وجہ شبہ آئے ان ہیئات میں جن پر حرکت واقع ہو یعنی وجہ شبہ وہ ہیئت ہو جس پر حرکت واقع ہو مثلاً اسکا گول ہونا مستقیم ہونا تیز اور سست ہونا اور اس وجہ شبہ کی دو صورتیں ہیں۔(۱) کہ حرکت کیساتھ جسم کے اوصاف میں سے کچھ اوصاف بھی ملے ہوئے ہو جیسے شکل اور رنگ وغیرہ جیسے شاعر کے اس شعر میں۔

والشمس كالمرأة في كف الاشل :

اور سورج ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ مرتعش کے ہاتھوں میں شیشہ ہوتا ہے۔

اسمیں وجہ تشبیہ وہ ہیئت ہے جو حاصل ہو گولائی سے اور وہ روشنی اور حرکت سریعہ کیساتھ متصل ہو اس حال میں کہ وہ روشنی بہت زیادہ تیز ہو یہاں تک کہ تو دیکھے کہ وہ روشنی پھیل کر دائرہ کے اطراف سے نکلنا چاہتی ہے پھر اسکا ارادہ تبدیل ہو کر دوبارہ انقباض کی طرف لوٹ جاتا ہے۔(۲) کہ اس حرکت کیساتھ جسم کے اوصاف میں سے کوئی وصف متصل نہ ہو لیکن یہاں پر بھی جسم کا سارے حرکات کیلئے اختلاط ضروری ہے جو مختلف جہات واطراف کی طرف ہو پس چکی کی حرکت، رہٹ کی حرکت اور تیر کی حرکت میں ترکیب نہیں ہے اسلئے کہ یہ ایک ہی طرف حرکت کرتے ہیں بخلاف قرآن کے جو ابن معتز کے اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

وكان البرق مصحف قاري : فانطباقامرة وانفتاحاً :

گویا کہ اور کبھی بجلی قاری کے قرآن کی طرح ہے بند ہونے اور کھلنے میں۔ اسلئے کہ مصحف کہ اوراق دونوں، طرف حرکت کرتے ہیں بند اور کھلنے کی حالت میں اور کبھی ترکیب سکون کی ہیئت میں بھی واقع ہوتا ہے جیسے متنبی کا یہ قول جسمیں اس نے کتے کی صفت کو بیان کیا ہے يقعي جلوس البدوي المصطلي :

کتا اپنے سرین کے بل بیٹھتا ہے جیسا کہ بدوی آدمی آگ تاپنے کیلئے بیٹھتا ہے۔

والمركب العقلي الخ.....اور وجہ تشبیہ اگر مرکب عقلی ہو جیسے انتہائی قابل انتفاع چیز کے نفع سے محروم ہونا باوجود مشقت اٹھانے کے اسکے پاس رہنے کے جیسے اللہ تعالیٰ

کافرمان ہے حالت ان لوگوں کی (اھل کتاب) جن کوتوراۃ عمل کیلئے دیا گیا تھا پھرانہوں نے اس پر عمل نہیں کیا توان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جوکتب لادھا ہوا ہو اسمیں وجہ تشبیہ مرکب عقلی ہے اسلئے کہ اس کوکئی ساری مرکب اشیاء سے منتزع کیا گیا ہے مشبہ بہ میں تو اس طور پر کہ گدھے کہ ایک مخصوص فعل کا اعتبار کیا گیا ہے اور بوجھ کا اٹھانا ہے اور جو چیز گدھے نے اٹھائی ہے وہ اوعیۃ العلوم ہے یعنی برتن علوم اور گدھا اس سے جاھل ہے جو ان کتابوں میں ہے اور یہی چیز مشبہ میں بھی ہے کہ کئی ساری اشیاء سے وجہ شبہ کو منتزع کیا گیا ہے اور پھر یہود کوتوراۃ سے فائدہ نہ اٹھانے میں اس گدھے کیساتھ تشبیہ دی جو گدھا اپنے اوپر لادے ہوئے علوم کے کتب سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

واعلم انه منتزع من وجه الشبه الخ.....یہاں سے مصنفؒ یہ فرماتے ھیکہ کبھی کبھی وجہ شبہ کو متعدد سے نکالا جاتا ہے تو اسمیں غلطی واقع ہوجاتی ہے اسلئے کہ اس وجہ شبہ کو نکالنا واجب ہے جیسے اس شعر کے مصرع اول سے اگر وجہ شبہ کو منتزع کیا جائے جیسے

کماابرقت قوماعطاشاغمامة : فلمارأوهااقشعت وتجلت :

جب پیاسی قوم کے سامنے بادل ظاہر ہوا پس جب انہوں نے اس بادل کو دیکھا تو وہ چھٹ گیا۔اسلئے کہ وجہ تشبیہ کو پورے شعر سے منتزع کرنا واجب ہے اسلئے کہ یہاں پر مراد شاعر کا تشبیہ دینا ہے اس حالت کو جو اس نے اپنے مذکورہ اشعار میں بیان کیا ہے اور وہ ایک امید افزاں چیز کی ابتداء کو ایک مایوس کن چیز کے انتہاء کیساتھ تشبیہ دینا ہے بالفاظ دیگر شاعر نے اس شعر میں اس حالت کو تشبیہ دینے کا ارادہ کیا جو اس نے سابقہ اشعار میں ذکر کیا ہے کہ جب کسی انسان کو وہ چیز مل جائے جو اسکا مقصود ہو اور فائدہ اٹھانے سے پہلے وہ اسکے ہاتھوں سے نکل جائے اور ھلاک ہوجائے تو اس حالت کو اس پیاسی قوم کی حالت کیساتھ تشبیہ دی جنکے سامنے بادل ظاہر ہوئی اور انہوں نے یہ سوچا کہ اب ہماری امیدیں بھر آئیں گے لیکن وہ بادل بارش برسنے سے پہلے چھٹ گئے تو اگر سامع یا متکلم مذکورہ شعر کے مصرع اول سے وجہ تشبیہ کو منتزع کرے تو اسمیں غلطی واقع ہوگی اسلئے کہ وجہ تشبیہ کو شعر کے دونوں مصرعوں سے منتزع کرنا واجب ہے۔

والمتعدد الحسی الخ.....وجہ تشبیہ اگر متعدد حسی ہو جیسے لون، مزہ، بوں میں ایک

میوے کو دوسرے میوے کیساتھ تشبیہ دی جائے جیسے۔ التفاح الحامض کالسفرجل فی اللون والطعم والرائحۃ۔

والمتعدد العقلی الخ......وجہ تشبیہ اگر متعدد عقلی ہو تو اسکی مثال جیسے تیزی نظر میں کمال احتیاط میں اور چھپ چھپ کے سے جفتی کرنے میں پرندے کو کوّے کیساتھ تشبیہ دی جائے۔

والمتعدد المختلف الخ.....وجہ تشبیہ اگر متعدد مختلف ہو یعنی بعض حسی اور بعض عقلی ہو جیسے خوبصورتی اور شرافت شان اور بلندی شان میں انسان کو سورج کیساتھ تشبیہ دینا۔

واعلم انہ قدینتزع الشبہ الخ......یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ کبھی وجہ شبہ کو نفس تضاد سے منتزع کیا جاتا ہے اسلئے کہ ضدین نفس تضاد میں شریک ہے پھر اس تضاد کو تناسب کے مرتبے میں اتار لیا جاتا ہے بواسطہ تملیح کے یا تھکم اور استھزاء کی وجہ سے جیسے بزدل کے بارے میں کہا جائے کہ یہ کتنا شیر کے مشابہ ہے یا کس چیز نے اس کو شیر کے مشابہ کردیا اور بخیل کے بارے میں کہا جائے یہ تو حاتم طائی ہے یہ دونوں مثالیں تملیح اور استہزاء کے بن سکتی ہے البتہ مقام کے سیاق وسباق کے اعتبار سے اسمیں فرق کیا جائیگا اگر اسمیں ملاحت کا ارادہ کیا گیا نہ کہ استہزاء کا تو یہ تملیح کی مثال ہوگی ورنہ استہزاء کی

واداتہ الخ......یہاں سے مصنفؒ تشبیہ کے چوتھے رکن کو بیان کررہے ہیں اور وہ ادات ہیں۔ ادات تشبیہ کاف، کانّ، مثل، اور ان کے مشتقات یعنی مماثلۃ، ومشابھۃ، نحو، مثل، شبہ وغیرہ ہے حرف تشبیہ کاف میں اصل یہ ھیکہ مشبہ بہ اسکے ساتھ ملا ہوا ہو یا تو لفظاً جیسے زیدٌ کالاسدِ یا تقدیراً جیسے اللہ تعالی کے اس قول میں او کصیب من السماء اصل میں یوں تھا او کمثل ذوی صیب اور کبھی کاف کے ساتھ مشبہ بہ کے علاوہ کوئی غیر متصل ہوتی ہے جیسے واضرب لھم مثل الحیوۃ الدنیا کماء انزلناہ اس آیت میں دنیا کیحالت کو پانی کیساتھ تشبیہ دینے کا ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نبات وغیرہ کیساتھ جسمیں اسکے مقدر ماننے کیلیے تکلف اٹھایا جائے بلکہ یہاں پر دنیا کی حالت یعنی اس کی تروتازگی اور اسکے سرسبز وشاداب ہونے کی حالت کو اور پھر اسکے فنا ہونے کو تشبیہ دینے کا ارادہ کیا گیا نبات کے اس حالت کیساتھ جو آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے

حاصل ہوتا ہے کہ وہ گھاس ابتداء میں سرسبز ہوتا ہے پھر وہ خشک ہو جاتا ہے اور خشک ہونے کے بعد پھر ہوا اسکو جس طرف لیجانا چاہے اڑا کر اور میدان اور زمین اس گھاس سے ایسا صاف ہو جاتا ہے گویا کہ وہ زمین میں اُگا ہی نہیں تھا۔

وقدیذکرفعل الخ....اور کبھی ایسے فعل کو ذکر کیا جاتا ہے جو تشبیہ پر دال ہو جیسے علمت زیداً اسداً اور حسبت زیداً اسداً۔

والغرض منه الخ......یہاں سے مصنفؒ غرض تشبیہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ اکثر و بیشتر غرض تشبیہ مشبہ کی طرف لوٹ رہا ہوتا ہے اور وہ غرض جو مشبہ کی طرف لوٹتا ہے یا تو وہ مشبہ کے امکان کو بیان کریگا جیسے متنبیؔ شاعر کا یہ شعر۔

فان تفق الانام فانت منهم : فانّ المسک بعض دم الغزال :

اے ممدوح اگر تو مخلوق سے بلند ہو گیا حالانکہ تو اصل کے اعتبار سے مخلوق ہی میں سے ہے تو اسمیں کوئی شک نہیں اسلئے کہ بیشک مشک بعض خون ہی تو ہے۔

اوحاله الخ......یا غرض تشبیہ لوٹ رہا ہوگا مشبہ کی حالت بیان کرنے کی طرف کہ وہ مشبہ اوصاف میں سے کس وصف کیساتھ مشترک ہے جیسے ایک کپڑے کو دوسرے کیساتھ تشبیہ دینا کالا ہونے میں جبکہ سامع مشبہ بہ کے رنگ سے واقف ہو۔

اومقدارها الخ.....یا وہ مشبہ کی مقدار کو بیان کریگا قوت وضعف زیادتی اور نقصان کے اعتبار سے جیسے سخت اور زیادہ کالے کپڑے کو کوّے کیساتھ تشبیہ دی جائے۔

اوتقریرها الخ.....یا مشبہ کی حالت کو سامع کے نفس میں پختہ کرنا مقصود ہو جیسے اس شخص کو تشبیہ دینا جس کی محنت سے کچھ حاصل نہ ہو اس شخص کیساتھ جو پانی پر لکھنے والا ہو۔

والاغراض الاربعة الخ.....اور یہ چاروں اغراض اس بات کا تقاضہ کرتے ہیکہ مشبہ بہ میں وجہ تشبیہ اتم اور قوی ہو اور وہ مشبہ بہ کیساتھ مشہور بھی ہو۔

اوتزیینه الخ......یا مشبہ کو مزین کرنا مقصود ہو جیسے کالے چہرے کو ہرن کی آنکھ کیساتھ تشبیہ دینے میں ہے۔

اوتشویهه الخ......یا مشبہ کو قبیح صورت میں ظاہر کرنا مقصود ہو جیسے چیچک زدہ چہرے کو تشبیہ دی جائے اس گوبر کیساتھ جسمیں مرغ نے چونچ سے سُراخ کئے ہو۔

او استطرافہ الخ...... یا مشبہ کو عجیب وغریب شی شمار کرنا مقصود ہو جیسے اس کوئلہ کو جسمیں چنگاری جل رہی ہو مشک کے اس سمندر کیساتھ تشبیہ دی جائے جسکی موجیں سونا ہوتا کہ عادۃً مشبہ کو ممتنع کی صورت میں ظاہر کیا جائے اگر چہ عقلاً ممکن ہے اسلئے کہ جو چیز عادۃً ممتنع ہوتی ہے وہ عجیب وغریب ہوتی ہے۔

وللاستطراف وجہ اٰخرُ الخ...... یہاں سے مصنفؒ استطراف کی ایک اور صورت کو بیان فرمارہے ہیں کہ مشبہ بہ یا تو مطلقاً نادر الحضور فی الذہن ہو جیسے مثال مذکورہ میں یا مشبہ کے ذہن میں آتے وقت مشبہ بہ نادر الحضور فی الذہن ہو جیسے ابو عتاھیہ کا یہ شعر۔

ولازوردية تزهو بزرقتها : بين الرياض على حمر اليواقيت :

كانها فوق قامات ضعفن بها : اوائل النار فی اطراف كبريت :

اور گل بنفشہ کے بہت سے شگوفے فخر کرتے ہیں اپنے تروتازگی کیوجہ سے باغات میں یاقوت کے سُرخ شگوفوں پر (وہ یوں لگتے ہے) گویا کہ وہ اپنے کمزور تنوں پر دیا سلائی کا مصالے کے سرے کے شروع شروع کی آگ ہے۔ تو اس شعر میں آگ کا اطراف کبریت کے ساتھ ملنے میں اتنی غرابت نہیں جتنی مذکورہ شعر میں مشک کے اس سمندر میں تھی جسکی موجیں سونا ہو لیکن اسمیں غرابت اسوقت آتی ہے جبکہ گل بنفشہ ذہن میں آئے اسلئے کہ دو متباعد صورتوں کے آپس میں ملنے میں غرابت ہی ہوتی ہے۔

وقد یعود الی المشبہ بہ الخ.....اور کبھی تشبیہ مشبہ بہ کی طرف لوٹتا ہے اسکی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کہ یہ خیال وگمان کیا جائے وجہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے زیادہ اتم اور اکمل ہے اور یہ تشبیہ مقلوب میں ہوتا ہے یعنی جس میں ناقص کو مشبہ بہ بنایا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ مشبہ سے اتم اور اکمل ہے جیسا کہ اس شعر میں ہے۔

وبدا الصباح كان غرته : وجه الخليفة حين يمتدح :

اور جب صبح ظاہر ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ اسکا چہرہ خلیفہ کا چہرہ ہے جس وقت وہ تعریف کو قبول کرتا ہے۔ تو یہاں اس شعر میں صبح کے ظاہر ہونے کو مشبہ قرار دیا گیا ہے اور خلیفہ کے چہرے کو مشبہ بہ حالانکہ خوبصورتی صبح کیوقت میں زائد ہے بہ نسبت خلیفہ کے چہرے کے لیکن شاعر نے ناقص کو مشبہ بہ اسلئے قرار دیا کہ اس نے یہ دعویٰ

کیاھیکہ چمک کے اعتبار صبح کا وقت خلیفہ کے چہرے کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۔(۲) اور دوسری قسم جسمیں غرض تشبیہ مشبہ بہ کی طرف لوٹ رہا ہو جسمیں صرف مشبہ بہ کا بیان اہتمام مقصود ہو جیسے کوئی بھوکا آدمی کسی چہرے کو جو چودھویں رات کی چاند کی طرح ہو چمک دمک اور گولائی کے اعتبار سے روٹی کیساتھ تشبیہ دے اور اسکو اظہار مطلوب کہتے ہیں۔

ھذاالذی ذکرمن جعل الخ......مشبہ اور مشبہ بہ کے جو اقسام ذکر کئے گئے یہ اس وقت ہے جبکہ ناقص حقیقی یا ناقص ادعائی کو زائد کیساتھ ملانے کا ارادہ کیا جائے اور اگر دو چیزوں کے درمیان جمع کرنے کا ارادہ کیا جائے کسی بھی چیز میں ان میں سے ایک کو ناقص اور دوسرے کو زائد کا قصد کئے بغیر چاہے حقیقتاً زیادتی یا نقصان ہو یا نہ ہو تو بہتر یہ ھیکہ تشبیہ کا ارادہ ترک کیا جائے تاکہ ایک کو دوسرے پر ترجیح سے احتراز ہو جیسے شاعر کے شعر میں ہے۔

تشابه دمعی اذجری ومدامتی : فمن مثل مافی الکأس عینی تسکب :

فوالله مادری ابالخمری اسبلت : جفونی ام من عبرتی کنت اشرب :

مشابہ ہو گئے میرے آنسو جبکہ وہ (آنکھوں) سے بہ رہے ہو اور میری شراب پس جو کچھ پیالہ میں ہے وہی میری آنکھیں بہا رہی ہے خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ میری آنکھیں شراب رو رہی ہے یا میں اپنے آنسو کو پی رہا ہوں۔

تو شاعر نے اس شعر میں جب آنسو اور شراب کے درمیان برابری کا ارادہ کیا تو اس نے تشابہ فی الحکم کی غرض سے تشبیہ کا ارادہ ترک کیا۔

ویجوز التشبیہ الخ.....اور جب دو چیزیں کو جمع کرنے کا ارادہ کیا جائے تو اسمیں تشبیہ کا ارادہ کرنا بھی جائز ہے اسلئے کہ اگر چہ وہ دونوں وجہ تشبیہ میں برابر ہے لیکن اسکے ساتھ متکلم کیلئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اغراض میں سے

کسی غرض کیلئے یا زیادتی اہتمام کیلئے ان میں سے ایک کو مشبہ اور دوسرے کو مشبہ بہ قرار دے جیسا کہ گھوڑے کے چہرے کو صبح کیساتھ تشبیہ دینا یا صبح کو گھوڑے کے چہرے کیساتھ تشبیہ دینا جبکہ ارادہ کیا جائے کسی روشن اور چمکدار چیز کے ظاہر ہونے کا ایسے تاریک چیز میں کہ وہ اس سے زیادہ کالا ہو۔

وھوباعتبار الطرفین الخ......جب مصنفؒ ارکان تشبیہ اور غرض تشبیہ کو بیان کرنے

سے فارغ ہوئے توانہوں نے تشبیہ کے طرفین کے اعتبار سے اقسام کو بیان کرنا شروع کیا تو تشبیہ کے طرفین کے اعتبار سے چار اقسام ہیں۔(۱) تشبیہ مفرد بالمفرد (۲) تشبیہ مرکب بالمرکب (۳) تشبیہ مفرد بالمرکب (۴) تشبیہ مرکب بالمفرد [۱] تشبیہ مفرد بالمفرد کی تین صورتیں ہیں یا تو وہ دونوں مفرد کسی قید کیساتھ مقید نہیں ہونگے جیسے کہ خد کو ورد کیساتھ تشبیہ دینے میں ہے یا وہ دونوں مقید ہونگے جیسے آدمی کو محنت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا سکو پانی پر لکھنے والے کیساتھ تشبیہ دینا تو اسمثال میں مشبہ ساعی ہے یعنی محنت کرنے والا جو مقید ہے اس قید کیساتھ کہ اسکی محنت سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اور مشبہ بہ لکھنے والا ہے لیکن وہ مقید ہے اس تقید کیساتھ کہ وہ پانی پر لکھ رہا ہو یا وہ دونوں مختلف ہونگے ایک مقید اور دوسرا غیر مقید ہوگا جیسے والشمس کالمراۃ فی الکف الاشل میں ہے تو اسمیں مشبہ بہ مقید ہے جبکہ وہ مرتعش کے ہاتھوں میں ہو اور مشبہ یعنی سورج مقید نہیں ہے ۔[۲] تشبیہ مرکب بالمرکب کی مثال جیسے بشار کے اس شعر میں گزر گیا۔ کان مثار النقع فوق رؤسنا الخ ..[۳] تشبیہ مفرد بالمرکب کی مثال جیسے شقیق گل لالہ کو ان یاقوتی جھنڈوں کیساتھ تشبیہ دینا جو سبز زبرجدی نیزوں پر پھیلائے گئے ہو اس مثال میں مشبہ یعنی شقیق مفرد ہے اور مشبہ بہ کئی ساری اشیاء سے مرکب ہے۔[۴] تشبیہ کے اطرفین کے اعتبار سے چوتھی قسم یہ ھیکہ مرکب کو مفرد کیساتھ تشبیہ دی جائے جیسے ابو تمام کا شعر جسمیں انہوں نے معتصم کی مدح کی ہے۔

یا صاحبیّ تقصیا نظریکما : تریا وجوہ الارض کیف تصوّرُ :

تریا نہاراً مشمساً قد شابہ : زہر الربا فکما ہو مقمرُ :

اے میرے دوستوں خوب غور سے دیکھو دیکھو گے تم زمین کے بلند مقامات کو کہ وہ خوبصورت ہے دیکھو گے تم ایک ایسے دن کو جو دھوپ والا ہے تحقیق کہ بلند مقام کے شگوفے ملے ہوئے ہے گویا کہ وہ لیل مقمر ہے یعنی چاندنی رات ہے۔ اسمثال میں مشبہ مرکب اور مشبہ بہ مفرد ہے۔

وایضاً تقسیم اٰخر للتشبیہ الخ..... یہاں سے مصنفؒ تشبیہ کے طرفین کے اعتبار سے اقسام کو بیان فرما رہے ہے اس تقسیم ثانی کے اعتبار سے تشبیہ کی تین اقسام ہے۔ (۱) یا تو طرفین دونوں متعدد ہونگے (۲) یا مشبہ متعدد اور مشبہ بہ مفرد (۳) یا مشبہ

مفرد اور مشبہ بہ متعدد اگر طرفین متعدد ہو پھر اسکی دو قسمیں ہیں۔(۱) یا تو وہ ملفوف ہونگے (۲) یا وہ مفروق ہونگے۔[۱] ملفوف کا مطلب یہ ھیکہ پہلے مشبہات کو ترتیب کیساتھ عطف یا غیر عطف کے ذریعہ ذکر کیا جائے اور پھر مشبہات بہا کو اسی ترتیب کیساتھ ذکر کئے جائے جیسے امرأالقیس کے شعر میں جس میں انہوں نے کثرت شکار کیساتھ باز کی تعریف کی ہے۔

كان قلوب الطير رطبا ويابساً : لدى وكرها العناب والحشف البالى :

گویا کہ پرندوں کے دل تر و خشک ہونے کی حالت میں باز کے گھونسلوں کے قریب ایسی ہے جیسے تر انگور اور خشک ردی کھجوریں۔ تو شاعر نے اس شعر میں پہلے مشبہات کو ذکر کیا یعنی تر اور خشک قلوب او پھر اسی ترتیب کیساتھ مشبہات بہا کو ذکر کیا تو تر دل کو انگور کیساتھ تشبیہ دی اور خشک دل کو خشک کجھور کیساتھ۔[۲] اور مفروق کا مطلب یہ ھیکہ پہلے ایک مشبہ اور مشبہ بہ کو لایا جائے پھر دوسرے مشبہ اور مشبہ بہ کو وغیرہ جیسے شاعر کے اس شعر میں۔

النشر الطيب مسك والوجوه دنا : نير واطراف الاكف عنمٌ :

ان عورتوں کی خوشبوں مشک کی طرح ہے اور ان کے چہرے دنانیر کی طرح ہے اور انگلیوں کے پورے نزاکت اور نرمی کے اعتبار سے عنم درخت کی طرح ہے۔

وان تعدد طرفه الاول الخ.....اور اگر مشبہ متعدد ہو نکہ مشبہ بہ تو اسے تشبیہ تسویہ کہتے ہیں یعنی گویا کہ متکلم نے دو یا دو سے زائد اشیاء میں تشبیہ کے اندر برابری کا ارادہ کیا ہے جیسے رشید الدین وطواط کا شعر۔

صدغ الحبيب وحالى : كلاهما كالليالى :

محبوب کے گیسوں اور بال اور میری حالت دونوں کالی رات کی طرح ہے کالا ہونے میں۔

وان تعدد طرفه الثانى الخ.....اور اگر مشبہ مفرد اور مشبہ بہ متعدد ہو تو اسے تشبیہ جمع کہتے ہین جیسے بحتری کا یہ شعر۔

بات نديمالى حتى الصباح : اغيد مجدول مكان الوشاح :

كانما يبسم عن لؤلؤ منضد : او برد او قاح :

میرا محبوبہ صبح تک مجھ سے شب باشی کرتا رہا وہ محبوبہ نرم و نازک بدن والا اور دبلی پتلی کمر والا ہے گویا وہ محبوب ہنستا ہے تہ بہ تہ موتیوں سے یا اولوں سے یا گل بابونہ سے۔ تو بحتری

نے اس شعر میں محبوبہ کے دانتوں کو تین اشیاء سے تشبیہ کا ارادہ کیا ہے۔

واعتبار وجهه الخ...... یہاں سے مصنفؒ تشبیہ کے وجہ شبہ کے اعتبار سے اقسام بیان فرمارہے ہیں تشبیہ کے وجہ شبہ کے اعتبار سے تین تقسیمیں کی گئی ہے۔ پہلی تقسیم تمثیل اور غیر تمثیل کی طرف، دوسری تقسیم مجمل اور مفسر کی طرف ، اور تیسری تقسیم قریب وبعید کی طرف۔

تمثیل کی تعریف : یہ وہ تشبیہ ہے جسمیں وجہ شبہ ایسا وصف ہو جو متعدد اشیاء سے منتزع ہو جیسے ثریا عنقود ملاحیہ کی تشبیہ میں اور غبار کو تلواروں کیساتھ تشبیہ دینے میں اور سورج کو اس مرأۃ کیساتھ جو مرتعش کے ہاتھوں میں ہو جو تشبیہ والی امثلہ میں گزر گیا۔

وقیدهٔ السکاکی الخ....اور امام سکاکیؒ نے اس وجہ شبہ کو جو متعدد سے منتزع ہو مقید کیا ہے غیر حقیقیہ کیساتھ جیسے یہود کو گدھے کیساتھ تشبیہ دینے میں گزر گیا اسلئے کہ اس میں وجہ تشبیہ اس چیز کے نفع سے محروم رہنا جو انتہائی نافع ہو باوجود اس کو اپنے ساتھ رکھنے میں مشقت اٹھانے کے تو یہ ایک ایسا وصف ہے جو متعدد سے منتزع ہے اور وہم اور اعتبار کی طرف راجع ہے۔

واما غیر تمثیل الخ..... جسمیں وجہ شبہ متعدد سے منتزع نہ ہو اور امام سکاکیؒ کے ہاں غیر تمثیل کی تعریف یہ ھیکہ وجہ شبہ یا تو متعدد سے منتزع نہ ہو یا متعدد سے منتزع ہو لیکن وھمی نہ ہو تو ثریا کو عنقود منور کیساتھ تشبیہ دینا جمھور کے ہاں تمثیل ہے لیکن علامہ سکاکیؒ کے ہاں نہیں ہے اسلئے کہ وجہ شبہ حقیقی ہے۔

وایضاً تقسیم اٰخر الخ..... یہاں سے مصنفؒ وجہ شبہ کے تقسیم ثانی کو بیان فرمارہے ہیں اس اعتبار سے وجہ تشبیہ کے دو اقسام ہیں (۱) مجمل (۲) مفسّر۔ مجمل کی پھر پانچ صورتیں ہیں۔

مجمل کی تعریف : کہ جسمیں وجہ شبہ کو ذکر کیا جائے (۱) اول قسم یہ ھیکہ جسمیں وجہ شبہ بالکل ظاہر ہو ہر کوئی اس کو جانتا ہو جیسے زیدٌ کالاسدِ۔ (۲) دوسری صورت یہ ھیکہ وجہ شبہ پوشیدہ ہو جس کو خواص کے علاوہ عوام نہ جانتا ہو جیسے کعب بن معدان یا انماریہ فاطمہ بنت خرشب کا قول ۔ھم کالحلقة المفروغة لایدری این طرفاھا : وہ ڈھلے ہوئے حلقہ کی طرح ہے اس کے دونوں طرف معلوم نہیں یعنی وہ شرافت کے اعتبار سے سب برابر ہے جیسا کہ ڈھلا ہوا حلقہ

صورۃ اجزاء کے اعتبار سے مناسب ہوتا ہے اسمیں سے بعض حصہ کو طرف اور بعض کو وسط قرار دینا ممتنع ہے جیسا کہ دائرہ میں ہوتا ہے۔ (۳) تیسری صورت یہ ھیکہ جسمیں طرفین میں سے کسی ایک کے وصف کو بیان نہ کیا جائے جیسے زید اسد ۔ (۴) چوتھی صورت یہ ھیکہ جسمیں صرف مشبہ بہ کے وصف کو بیان کیا جائے جیسے ھم کالحلقۃ الخ ..میں گزر گیا (۵) پانچویں صورت یہ ھیکہ جسمیں طرفین کے اوصاف کو بیان کیا جائے ابوتمام کا یہ شعر۔

صدفت عنه ولم تصدف مواهبه : عني وعاوده ظنّي فلم يخب :

كالغيث ان جئته وافاك ريقه : وان ترحلت عنه لجّ في الطلب :

میں نے اس ممدوح سے اعراض کیا لیکن اسکے عطایا مجھ سے منقطع نہیں ہوئی اور میرے گمان نے رجوع کیا پس وہ ناکام نہیں ہوا وہ ممدوح بارش کی طرح ہے اگر تو اسکے پاس آئے تو تجھے اسکا بہترین حصہ پہنچے گا اور اگر تو اس سے کوچ کرے تو وہ تیرا تعاقب کرے ۔اس شعر میں شاعر نے طرفین دونوں کے اوصاف بیان کیا ہے جو وجہ شبہ کی طرف اشارہ کرنیوالے ہے اور وہ یہ ھیکہ ممدوح کے عطایا تجھ پر فائض ہے چاہے تو اعراض کرے یا نہ کرے اور بارش تجھے پہنچے گا چاہے تو اسکے پاس آئے یا اس سے بھاگے اور یہ دونوں وصف جس وجہ شبہ کیطرف اشارہ کررہے ہے وہ فائدہ ہے طلب اور عدم طلب دونوں حالات میں۔

واما مفصّل الخ......یہ مجمل پر عطف ہے یعنی وجہ شبہ یا تو مفصل ہوگا اور یہ وہ ھیکہ جسمیں وجہ شبہ کو ذکر کیا جائے جیسا کہ اس شعر میں ہے۔ وثغره في الصفاء : ودمعي كاللآلي : اور اسکے دانت اور میرے آنسوں دونوں موتیوں کی طرح ہے۔ اور کبھی تسامح کیطور پر وجہ شبہ کی جگہ اس چیز کو ذکر کیا جاتا ہے جو اس کو لازم ہو جیسے آپ کا فصیح کلام کے بارے میں یہ کہنا کہ ھُوَ كالعسلِ في الحلاوۃ وہ کلام شہد کی طرح ہے میٹھا ہونے کے اعتبار سے اس تشبیہ میں وجہ شبہ وہ چیز ہے جو حلاوت کیلئے لازم ہے اور وہ آدمی کے نفس کا میلان ہے۔

وَأيضاً تقسيمٌ ثالث الخ......یہاں سے مصنفؒ تشبیہ کی وجہ شبہ کے اعتبار سے تیسری تقسیم کو بیان فرمارہے ہیں اسکی بھی دو قسمیں ہیں (۱) قریب مبتذل (۲) بعید غریب [۱] قریب مبتذل وہ ہے جسمیں ذہن مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف بغیر دقت نظر کے منتقل ہو اس وجہ سے کہ وجہ شبہ ظاہر کے اعتبار سے ظاہر ہے ۔ا یا تو اسوجہ سے کہ وہ ایک اجمالی شئی ہے اور اجمالی شئی اسبق الی

النفس ہوتی ہے بہ نسبت تفصیلی شی کے جیسے انسان اس حیثیت سے کہ وہ شی یا جسم، یا حیوان ہے اسکا ادراک انتہائی آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ انسان اس حیثیت سے کہ وہ جسم نامی ہے حساس ہے اور متحرک بالارادہ اور ناطق ہے ۲ یا تو وہ وجہ شبہ قلیل التفصیل ہے اسکے ساتھ ساتھ مشبہ بہ کا حضور فی الذہن بھی غالب ہو یا تو مشبہ کے حضور فی الذہن کی وقت مشبہ اور مشبہ بہ کے درمیان قرب مناسبت کی وجہ سے اسلئے کہ شی اپنے مناسب کے ساتھ جلدی ذہن میں آتا ہے بہ نسبت اسکے جو اسکا مناسب نہ ہو جیسے چھوٹے مٹکے کو کوزے کیساتھ تشبیہ دینا مقدار اور شکل کے اعتبار سے تو یہاں اس مثال میں وجہ شبہ کے اندر کچھ تفصیل کا اعتبار کیا گیا ہے یعنی مقدار اور شکل میں لیکن مشبہ بہ فی الفور ذہن میں آتا ہے جس وقت مشبہ ذہن آئے۔

او مطلقاً الخ..... یا مطلقاً مشبہ بہ کا حضور ذہن میں غالب ہو اسکے متکرر علی الحس ہونے کی وجہ سے جیسے سورج کو صاف شفاف شیشہ کیساتھ تشبیہ دینا گولائی میں اور منور ہونے میں تو اس مثال میں بھی وجہ شبہ میں کسی قدر تفصیل تو ہے لیکن شیشہ کا حضور فی الذہن غالب ہے اسلئے کہ قرب مناسبت اور تکرار علی الحس میں اور تفصیل کے درمیان تضاد ہے۔

واما البعید غریب الخ..... یہ قریب مبتذل پر عطف ہے تعریف یہ ھیکہ جس میں ذہن مشبہ سے مشبہ بہ کی طرف بغیر غور وفکر کے اور بغیر دقت نظر کے منتقل نہ ہو اسلئے کہ وہ وجہ شبہ ظاہر کے اعتبار سے ظاہر نہیں ہے بلکہ اسمیں خفاء ہے یا تو کثرت تفصیل کیوجہ سے جیسے والشمس کالمرآۃ فی کف الاشل میں گزر گیا اور یا مشبہ بہ کا حضور فی الذہن نادر ہو یا تو مشبہ کے حضور فی الذہن کیوقت بُعد مناسبت کیوجہ سے جیسے گل بنفشہ کی تشبیہ نار کبریت کیساتھ دینے میں گزر گیا یا مطلقاً مشبہ بہ کا حضور فی الذہن نادر ہو اسلئے کہ وہ ایک شی وھمی ہے جیسے انیاب اغوال کی تشبیہ میں اور یا وہ مشبہ بہ مرکب خیالی ہو جیسے اعلام یاقوت میں یا وہ مرکب عقلی ہو جیسے گدھے کی تشبیہ میں گزر گیا یا مشبہ بہ کے تکرار علی الحس ہونے میں کمی پائی جارہی ہو جیسے والشمس کالمرآۃ میں کہ انسان کی پوری زندگی گزر جاتی ہے لیکن اسکو مرتعش کے ہاتھو میں شیشہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوتا تو والشمس کالمرآۃ میں غرابت دو وجوہ سے ہے (۱) پہلی بات تو یہ ھیکہ اس وجہ شبہ میں بہت زیادہ تفصیل ہے (۲) اور دوسری وجہ غرابت کی یہ ھیکہ اسکا متکرر علی الحس ہونے میں کمی پائی جارہی ہے۔

فان قلت الخ..... کہ مشبہ بہ کے حضور فی الذہن میں ندرۃ اور غرابت کا پایا جانا یہ کیسے وجہ شبہ کے عدم ظہور کیلئے سبب بن سکتا ہے حالانکہ یہ دونوں متغایر اشیاء ہے۔

جوابہ وجہ شبہ طرفین کا فرع ہے اور جو چیز طرفین کیلئے جامع ہو اسکو طرفین کے حضور فی الذہن کے بعد طلب کیا جاتا ہے پس جب ان دونوں کے حضور فی الذہن میں غرابت آگیا تو ذہن کا اس چیز کی طرف متوجہ ہونے میں بھی غرابت آئیگا جو ان دونوں کیلئے جامع ہو اور وہ ان دونوں کے درمیان تشبیہ کا سبب بن سکتا ہو۔

والمراد بالتفصیل الخ..... تفصیل سے مراد یہ ھیکہ نظر کی جائے ایک سے زائد اوصاف میں اور اس تفصیل کی کئی قسمیں ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور یہ ھیکہ تو بعض اوصاف کو لے اور بعض اوصاف کے عدم کا اعتبار کرلے جیسے امرأالقیس کا یہ شعر۔

حملتُ ردینیاً کانّ سِنانه : سنالهب لم یتصل بدخان :

میں نے ردینی نیزہ اٹھالیا گویا کہ اس کی بھال آگ کا شعلہ تھا جسمیں دھواں نہیں تھا۔

تو شاعر نے آگ میں شکل، رنگ، اور چمک کا اعتبار کیا ہے اور دھویں کے ساتھ متصل ہونے کو چھوڑا ہے اور اگر تو تمام اوصاف کا اعتبار کرلے تو اسکی مثال جیسے ثریا کو عنقود ملاحیہ کیساتھ تشبیہ دینے میں گزرگیا اور وجہ شبہ مرکب کی ترکیب جتنے زیادہ اشیاء سے ہو تو اتنی ہی تشبیہ بعید اور غریب تر ہوگی اور تشبیہ بلیغ بھی درحقیقت وہی ہے جو بعید غریب سے ہونکہ قریب مبتذل سے ہو اسلئے کہ طلب کے بعد کسی چیز کو پالینا وہ انتہائی لذیذ ہوتا ہے اور اوقع فی النفس ہوتا ہے لیکن بعید غریب بلیغ حسن تب ہوگا جبکہ اسکا لطف معنی اور دقت معنی ہو یا بعض معانی بعض معانیوں پر مرتب ہو ثانی کی بناء اوّل پر موقوف ہو اسلئے کہ وہ غور وفکر اور تأمل کا محتاج ہوتا ہے۔

وقد یتصرّف الخ..... اور کبھی کبھی تشبیہ قریب میں کچھ تصرف کرلیا جاتا ہے تو اسکو ابتذال سے غرابت کی طرف نکالدیتا ہے جیسے متنبّی کا یہ شعر۔ لم تلق هذا الوجه لشمس نهارنا : الا بوجه لیس فیه حیاء : ہمارے دن کا سورج ممدوح کے چہرے کے سامنے نہیں آتا مگر ایسے چہرکیساتھ جسمیں حیاء نہیں تو چہرے کو سورج کیساتھ تشبیہ دینا یہ قریب مبتذل ہے لیکن حیاء کے ذکر نے اور اس میں جو دقت اور خفاء موجود ہے اس نے اس تشبیہ کو ابتذال سے غرابت کی طرف نکالدیا دوسری مثال جیسے وطواط شاعر کا یہ شعر۔

عزاوته مثل النجوم ثَوَبِتاً : لَولم یکن لثاقباتِ افُوَل :

اس کے ارادے ستاروکی طرح روشن ہے اگرستاروں کیلیئے غروب ہونانہ ہو۔ توارادے کوستارے کیساتھ تشبیہ دینایہ تو مبتذل اور بہت ہی مشہور ہے مگرغائب نہ ہونے کی شرط نے اسکوابتذال سے غرابت کی طرف نکالدیااوراس تشبیہ کوتشبیہ مشروط کہتے ہیں اسلیئے یاتوصرف مشبہ یامشبہ بہ اوریادونوں کسی شرط وجودی یاشرط عدمی کیساتھ مقید ہوتے ہے۔

وباعتبار اداتہ الخ.....تشبیہ کے ادات کے اعتبار سے دواقسام ہیں(۱) موکد(۲) مرسل[۱] مؤکدوہ ھیکہ جسمیں اداۃ تشبیہ کوحذف کیاجائے جیسے اللہ تعالی کے فرمان میں وَہِی تَمُرُ مَرَّ السحاب اصل میں ہے مثل مرالسحاب اورمؤکد کے اقسام میں سے دوسری یہ ھیکہ جس میں حرف تشبیہ کوحذف کرکے مشبہ بہ کومشبہ کی طرف مضاف کیاجائے جیسے شاعر کا یہ شعر۔

والریح تعبث بالغصون وقدجری : ذھب الاصیل علی لجین الماء :

ہواشاخوں سے کھیل رہی تھی اس حال میں کہ پچھلے پہر کی زردی ظاہر ہوچکی تھی ایسے پانی پر جوصفائی اورسفیدی میں چاندی کی طرح تھااس شعرمیں محل استشھاد لجین الماء ہے کہ مشبہ بہ کوماء مشبہ کی طرف مضاف کیاگیاہے حرف تشبیہ حذف کرنے کے بعداصل میں یوتھاالماء الذی کا لجین ۔[۲] مرسل وہ ھیکہ جس میں حرف تشبیہ کوذکرکیاجائے جیسے زیدٌ کالاسدِ وغیرہ ۔تشبیہ غرض تشبیہ کے اعتبار سے دواقسام ہیں(۱) مقبول (۲) مردود[۱] مقبول یہ وہ ھیکہ جوپورے طور پرغرض تشبیہ کوبیان کرنے والا ہواسطور پرکہ مشبہ بہ وجہ تشبیہ کے ساتھ مشہور ہوبیان حال میں یامشبہ بہ وجہ تشبیہ میں اتم واکمل ہوناقص کوکامل کیساتھ ملانے کے اعتبار سے یامشبہ بہ وجہ شبہ میں مسلم الحکم ہواورمشہورومعروف ہومخاطب کے ہاں بیان امکان میں۔[۲] مردودیہ وہ جوپورے طور پرغرض تشبیہ کوبیان کرنے سے قاصر ہواس طور پرکہ وہ مقبول کے شرط پرنہ ہو۔

خاتمہ

یہ خاتمہ تشبیہ کی تقسیم مبالغہ میں قوت اور ضعف کے اعتبار سے اس اعتبار سے کہ سارے ارکان تشبیہ کو ذکر کیا جائے یا بعض کو یہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ ارکان تشبیہ کل چار ہیں اور مشبہ بہ تو یقیناً مذکور ہوگا پھر دیکھا جائیگا کہ مشبہ مذکور ہے یا محذوف اور اسی طرح وجہ شبہ کو بھی دیکھا جائیگا کہ وہ مذکور ہے یا محذوف بہر تقدیر پھر ہم اس میں یہ بھی دیکھیں گے کہ حرف تشبیہ کو ذکر کیا گیا ہے یا حذف کیا گیا ہے تو مبالغہ میں ضعف اور قوت کے اعتبار سے تشبیہ کی کل آٹھ اقسام بنتے ہیں۔

(۱) چاروں ارکان تشبیہ مذکور ہو جیسے زیدٌ کالاسدِ فی الشجاعۃ (۲) صرف مشبہ محذوف ہو جیسے کالاسدِ فی الشجاعۃ (۳) صرف وجہ شبہ محذوف ہو جیسے زیدٌ کالاسدِ (۴) صرف ادات تشبیہ محذوف ہو جیسے زیدٌ اسدٌ فی الشجاعۃ (۵) مشبہ اور وجہ شبہ دونوں محذوف ہو جیسے کالاسد (۶) مشبہ اور ادات تشبیہ محذوف جیسے اسدٌ فی الشجاعۃ (۷) وجہ شبہ اور ادات تشبیہ دونوں محذوف ہو جیسے زیدٌ اسدٌ (۸) مشبہ وجہ شبہ اور ادات تشبیہ محذوف ہو جیسے اسدٌ

تو ان مذکورہ مثالوں میں سب سے اعلیٰ قسم یہ ھیکہ وجہ شبہ اور ادات تشبیہ کو حذف کیا جائے جیسے زیدٌ اسدٌ یا مشبہ کو وجہ شبہ اور ادات تشبیہ کیساتھ حذف کیا جائے جیسے اسدٌ پھر اسکے بعد اعلیٰ مرتبہ اسکا ہے جسمیں صرف ایک کو حذف کیا جائے اگر صرف وجہ تشبیہ کو حذف کیا گیا ہو جیسے زیدٌ کالاسد یا مشبہ اور وجہ تشبیہ دونوں کو حذف کیا گیا ہو جیسے کالاسدِ یا صرف حرف تشبیہ کو حذف کیا جائے زیدٌ اسدٌ فی الشجاعۃ یا مشبہ اور حرف تشبیہ کو حذف کیا جائے جیسے اسدٌ فی الشجاعۃ تو چار اقسام یہ اور دو وہ جو اسے پہلے مصنفؒ نے ذکر کی ہے ان اقسام میں تو کچھ قوت ہے اور ان کے علاوہ جو دو اور ہے ان میں مبالغہ کے اندر قوت اور ضعف کے اعتبار سے کوئی قوت نہیں اور وہ دونوں اقسام یہ ھیکہ سب ارکان تشبیہ کو ذکر کیا جائے جیسے زیدٌ کالاسدفی الشجاعۃ یا صرف مشبہ کو حذف کیا جائے جیسے کالاسدِ فی الشجاعۃ

تم بحث التشبیہ بحمداللہ الذی بیدہ ملکوت کل شیئ والیہ نرجع وعندہ حسن ماب للمتقین

آتی نہیں تھی نیند مجھے اضطراب سے :اسکے کرم نے گود میں لیکر سلا دیا۔

تشبیہ کا بحث مکمل ہوا اللہ تعالی کے فضل کیساتھ 4/1/2012 ۱۰/۲/۱۴۳۳

الحقیقة والمجاز

حقیقت ومجاز مقصد ثانی ہے علم بیان کا شارحؒ فرماتے ھیکہ علم بیان کے بہ نسبت مجاز مقصد اصلی ہے اسلئے کہ اختلاف طرق میں مجاز ہی کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے تو پھر حقیقت کو کیوں ذکر کیا تو فرماتے ھیکہ چونکہ حقیقت مجاز کیلئے بمنزلہ اصل کے ہے اور مجاز اس کیلئے فرع ہے اسلئے مصنفؒ نے پہلے حقیقت کے بحث کو ذکر کیا۔

وقد یقیدان باللغویین الخ..... مصنفؒ فرماتے ھیکہ حقیقت ومجاز کے چار اقسام ہیں (۱) دونوں لغوی ہو (۲) دونوں عقلی ہو (۳) دونوں شرعی ہو (۴) دونوں عرفی ہو حقیقت کی تعریف حقیقت اس کلمہ کو کہا جاتا ہے کہ جس کو معنی موضوع لہ میں استعمال کیا گیا ہو اس اصطلاح میں جس پر تکلم ہو رہا ہو خواہ وہ اصطلاح عرفی ہو اور یا شرعی ہو وغیرہ۔

فوائد قیود المستعلة کی قید سے احتراز کیا اس کلمہ سے جو مستعمل نہ ہو اسلئے کہ استعمال سے قبل کلمہ نہ حقیقت ہوتا ہے نہ مجاز اور فیما وضعت لہ کی قید سے احتراز کیا غلط سے جیسے خذ ھذا الفرس مشیرا الی الکتاب اسلئے کہ فرس کو کتاب کیلئے نہ حقیقتا وضع کیا ہے اور نہ مجاز اور اس مجاز سے بھی احتراز کیا جو مستعمل ہو ایسے معنی میں جس کیلئے اس کو وضع نہ کیا گیا ہو نہ اصطلاح تخاطب میں اور نہ ماسوا میں جیسے کہ رجل شجاع کو اسد کہنا اور فی اصطلاح التخاطب کی قید سے احتراز کیا اس مجاز سے جو تخاطب کے اصطلاح کے ماسوا کسی اور اصطلاح میں حقیقت ہو جیسے لفظ صلوۃ اصطلاح شرع میں ارکان مخصوصہ کیلئے حقیقت ہے اور دعا کیلئے مجاز ہے اگرچہ صلوۃ دوسرے اصطلاح میں یعنی لغت میں دعا کیلئے حقیقت ہے۔

تعریف الوضع :لفظ کو متعین کرنا کسی ایسے معنی کیلئے کہ اسپر لفظ دلالت کرے بذات خود بغیر کسی قرینہ کے یہ تعریف شامل ہے اسماء، اور افعال، اور حروف سب کو اسلئے کہ ان سب کے معانی ہم سمجھتے ہیں علم بالوضع کے بعد اگرچہ حرف کے معنی تام نہیں ہوتے البتہ علامہ ابن حاجب کے ہاں وضع کی تعریف حرف کو شامل نہیں ہوگا اسلئے کہ اس نے حرف کا اپنے معنی پر دلالت کرنے کیلئے متعلق کے ذکر کو شرط قرار دیا ہے تو پھر حرف کی دلالت بواسطہ ہوگی نہ کہ بالاواسطہ تو مجاز نکل گیا سب کے ہاں اسلئے کہ اسمیں لفظ کی دلالت معنی مجازی پر بواسطہ قرینہ

کے ہوتا ہے یعنی کسی مناسب کی وجہ سے لیکن مشترک خارج نہیں ہوگا اسلئے کہ اسمیں لفظ کو ہر معنی کیلئے معین کیا جاتا ہے بذات خود ہی یہ بات کہ دونوں معانیوں میں سے ایک کا متعین نہ ہونا کسی عارض کی وجہ سے ہے اور یہ بذات خود دلالت کے منافی نہیں ہے یعنی لفظ کو کسی واحد معنی کیلئے معین کرنا مشترک کے اندر تو یہ اس بات کہ منافی نہیں ہے کہ مشترک بذات خود دلالت کرے۔

وفی کثیر من الخ..... شارحؒ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں دون المشترک کے بجائے دون الکنایۃ کے الفاظ ہے لیکن یہ سہو ہے اور غلط ہونے کی دو وجہ ہیں۔(۱) اسلئے کہ اگر مراد کنایہ سے یہ ہو کہ وہ معنی اصلی کے بہ نسبت موضوع ہوتا ہے تو یہ بات مجاز میں بھی ہے اسلئے کہ لفظ اسد کا استعمال رجل شجاع کیلئے اگر چہ مجاز ہے لیکن اسکو وضع کیا گیا ہے کسی معنی کیلئے جو کہ حیوان مفترس ہے اگر چہ فی الحال لفظ اسد اس معنی اصلی میں مستعمل نہیں ہے ۔(۲) اور اگر مراد معنی لازمی کی بہ نسبت موضوع ہونا ہے تو اسکا فساد ظاہر ہے اسلئے کہ اسوقت اسکی دلالت بواسطہ قرینہ کے ہوگی نکہ بالذات جبکہ ہم نے کہا تھا وہ بالذات دلالت کرے۔

لایقال معنی قولہ الخ..... یہاں سے اعتراض کرتے ہیں اعتراض یہ ھیکہ بنفسہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو موضوع لہ کے ارادہ کرنے سے مانع ہو اور نہ کوئی قرینہ لفظیہ ہو پس اس قول کے مطابق مجاز خارج ہوگا نکہ کنایہ اسلئے کہ کنایہ کے اندر معنی موضوع لہ کا ارادہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

لانانقول اخذالموضوع الخ..... اس اعتراض کا جواب یہ ھیکہ وضع کی تعریف میں موضوع کا قید فاسد ہے لزوم دور کی وجہ سے اور اسی طرح قرینہ کا حصر لفظیہ میں بھی فاسد ہے اسلئے کہ مجاز کا قرینہ کبھی معنوی ہوتا ہے۔

لایقال معنی الکلام الخ...... یہ نہ کہا جائے کہ کلام کا معنی یہ ھیکہ حقیقت کی تعریف سے مجاز خارج ہو نہ کہ کنایہ اسلئے کہ کنایہ مصنفؒ کے رائی کے مطابق حقیقت سے خارج ہے اسلئے کہ حقیقت میں لفظ مستعمل ہوتا ہے معنی موضوع لہ میں جبکہ کنایہ میں لفظ مستعمل ہوتا ہے لازم معنی موضوع لہ میں لیکن وہاں موضوع لہ کا ارادہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

والقول بدلالۃ اللفظ الخ..... یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ بعض

لوگ اس طرف گئے ہیں کہ الفاظ کا معانی پر دلالت کرنا وضع کا محتاج نہیں بلکہ لفظ کی دلالت معنی پر مناسبت کی وجہ سے ہے جو مناسبت تقاضا کرتا ہے اس بات کا کہ لفظ دلالت کرے معنی پر تو مصنف اور محققین کے ہاں یہ قول باطل ہے چار وجوہ سے (۱) لفظ کی دلالت اگر معنی پر لذاتہ ہو جیسے لفظ کی دلالت لافظ پر تو پھر امم کے اختلاف سے لغات میں اختلاف نہ ہوتا یعنی جو لفظ آدمؑ کے زمانے میں جس معنی کیلئے مستعمل ہوتا اب بھی ویسا ہوتا حلانکہ ایسا نہیں ہے۔ (۲) دوسری خرابی یہ ھیکہ پھر ہر ایک آدمی لفظ کی دلالت معنی پر سمجھتا ہو اسلئے کہ مدلول یعنی معنی دلیل یعنی لفظ سے جدا نہیں ہوتا حلانکہ ایسا بھی نہیں ہے۔ (۳) تیسری خرابی یہ ھیکہ پھر لفظ معنی مجازی پر بواسطہ قرینہ کے منع ہو اور حقیقی منع نہ ہو اسلئے کہ قائم بذات غیر سے زائل نہیں ہوتا اور غیر یہاں مجاز ہے لھذا معنی حقیقی بواسطہ قرینہ کے زائل نہ ہوگا۔ (۴) چوتھی خرابی یہ ھیکہ لفظ کو ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف اس طرح منتقل کرنا بھی ممتنع ہو جائے گا کہ اطلاق کے وقت اس سے معنی ثانی ذہن میں آئے حلانکہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔

وتأوّله السكاكی الخ...... علامہ نے بعض حضرات کے قول کی تاویل یوں بیان کی ہے بعض حروف کے اندر اپنے خواص ہوتے ہیں جنکے بناء پر معانی میں اختلاف ہے مثلاً حروف رحوۃ میں نرمی کا معنی حروف شدیدہ میں شدت کا معنی جیسا کہ فصم میں حرف رحوۃ ہے تو اسکا تقاضہ نرمی کا ہے لھذا اسکا معنی ہوگا کسی شی کو توڑنا لیکن اسطور پر کہ وہ جدا نہ ہو۔ قصم میں قاف چونکہ حرف شدت ہے لھذا اسکا معنی ہے کسی شی کو توڑنا اس طور پر کہ وہ جدا ہو جائے اور اسی طرح ہیات حروف کی بناء پر معنی میں فرق آتا ہے جیسے فَعَلان اور فَعَلیٰ اسمیں سارے حروف متحرک ہے تو اسکا تقاضہ یہ ھیکہ اسکے معنی میں حرکت پایا جائے جیسے نَزَوَانَ بمعنی نر کا مادہ پر چھڑنا اور صَیَدیٰ بروزن فعلیٰ بمعنی گدھے کا مٹی میں لوٹ پوٹ ہونا اور اسی طرح باب کرُمَ یہ ان افعال میں استعمال ہوتا ہے جو طبیعت کو لازم ہو۔

والمجاز الخ..... مجاز اصل میں اسم ظرف کا صیغہ ہے باب نصر سے بمعنی تجاوز کرنا پھر اس کو منتقل کیا گیا اس صیغہ کی طرف جو اپنے معنی اصلی سے تجاوز کرے یا جس کو متجاوز کرنے اہل بیان کا یہ بات اسرار بلاغہ میں مذکور ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہے ھیکہ

مجاز کے معنی راستہ کے بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے جعلت کذا مجازاالی حاجتی ای طریقاالی حاجتی۔

مفرد و مرکب الخ......مجاز کے دو اقسام ہیں (۱) مفرد (۲) مرکب [۱] مفرد اس کلمہ کو کہتے ہیں جو مستعمل ہو معنی غیر موضوع لہ میں اس اصطلاح میں جس پر گفتگو جاری ہو ایسے طریقہ پر کہ اسمیں معنی موضوع لہ کا ارادہ کرنا جائز نہ ہو مستعملہ کی قید سے احتراز کیا اس کلمہ سے جو غیر مستعمل ہو غیر ماوضعت کی قید سے احتراز کیا حقیقت مرتجل اور منقول سے اور فی اِصْطِلاحِ التخاطُب کی قید کے ذریعہ داخل ہوا وہ مجاز جو معنی موضوع لہ میں ہو کسی اور اصطلاح میں جیسے لفظ صلوٰۃ کو اگر شریعت کے عرف میں استعمال کیا جائے دعاء میں تو یہ مجاز ہوگا اگر چہ فی الجملہ یہ معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے شریعت کے اعتبار سے اور تا کہ وہ حقیقت بھی خارج ہو جسکا دوسرا معنی ہو دوسرے اصطلاح کے اعتبار سے جیسے لفظ صلوٰۃ کا استعمال ارکان مخصوصہ میں اس پر یہ صادق آتا ہے کہ یہ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہو لیکن اصطلاح آخر میں اور وہ لغت ہے۔

فلابدمن العلاقة الخ.....پس مجاز کیلئے ضروری ہے کسی علاقہ کا ہونا علاقہ کی شرط اسلئے لگائی تا کہ غلط خارج ہو مجاز کی تعریف سے جیسے خذھذاالفرس مشیراالی الکتاب اور مصنفؒ نے معنی موضوع لہ کے عدم ارادہ کا قید لگایا تا کہ اس سے کنایہ خارج ہو اسلئے کہ اس میں معنی موضوع لہ کا ارادہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

وکل منهما الخ.....اور حقیقت اور مجاز میں سے ہر ایک کی چار چار اقسام ہیں (۱) حقیقت لغوی اور مجاز لغوی جسکے واضعین اھل لغت ہو جیسے اسد کا استعمال حیوان مفترس میں حقیقت ہے اور رجل شجاع میں مجاز ہے۔(۲) حقیقت شرعی اور مجاز شرعی جس کے واضعین اہل شرع ہو جیسے صلوٰۃ کا استعمال ارکان مخصوصہ میں اور دعا میں۔(۳) حقیقت اور مجاز عرفی خاص جس کے واضعین ایک خاص گروہ ہو جیسے لفظ فعل کا استعمال فعل اصطلاحی اور معنی حدثی میں۔(۴) حقیقت اور مجاز عرفی عام جیسے دابۃ کا استعمال چوپائے اور انسان میں۔

والمجازمرسل الخ.....مصنفؒ فرماتے ہیں کہ معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان

اگر علاقہ مشابہت کا نہ ہو بلکہ کوئی اور علاقہ صحیحہ ہو جیسا کہ باقی چوبیں علاقات موجود ہے تو مجاز مرسل کھلائیگا اور اگر علاقہ تشبیہ کا ہو تو استعارہ ہے۔ مجاز مرسل کی اوّل مثال جیسے یَدْ کا استعمال نعمت اور قدرت کیلئے اب ید تو اصل میں وضع ہے عضو مخصوص کیلئے اور جب اسکا استعمال کیا گیا نعمت میں تو یہ مجاز ہوگا اور علاقہ یہاں پر علت اور معلول کا ہے کہ یَدْ بمنزلہ فاعل کے ہے نعمت کیلئے اسلئے کہ نعمت کا صدور ید سے ہی ہوتا ہے اور اسی طرح قدرت میں بھی اسلئے کہ قدرت کا صدور اور اظہار بھی ید سے ہی ہوتا ہے اور اسی طرح راویہ یہ اصل میں اس اونٹ کو کہا جاتا ہے کہ جو حامل توشہ ہو لیکن پھر بعد میں اسکا استعمال صرف توشہ دان میں ہونے لگا اور علاقہ یہاں یہ ھیکہ اونٹ چونکہ اسکو حامل تھا اس اعتبار سے توشہ دان کا نام راویہ رکھا اور یہ علت مادی ہے۔

ومنه الخ.....اور ایک علاقہ تسمیۃ الکل باسم جزءہ ہے جیسے عین کا استعمال جاسوس میں اب عین جاسوس کا ایک جزء ہے لیکن کل جاسوس کو اس ہی کیساتھ موسوم کیا گیا۔

اوعکسه الخ.....اور یا تسمیۃ الجزء باسم الکل جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یجعلون اصابعهم فی اذانهم الخ.. یہاں پر انامل ہے لیکن ان کا نام رکھا گیا کل یعنی اصابع کیساتھ۔

ومنه الخ.....اور ایک تسمیۃ المسبب باسم السبب ہے جیسے رعینا الغیث یہاں پر غیث سے مراد نباتات ہے لیکن چونکہ غیث اسکا سبب تھا اسلئے سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا۔

وعکسه الخ.....اور اسی طرح مسبب بول سبب مراد لینا جیسے امطرت السماء نباتاً اب یہاں پر نباتا سے اصلمیں غیث مراد ہے لیکن مسبب بول کر سبب مراد لیا گیا ہے۔

اوماکان علیه الخ.....یا کسی چیز کا نام رکھنا استصحاب حال کے اعتبار سے جیسے واٰتوا الیتامیٰ اموالهم کہ یتیم بلوغت سے قبل ہوتا ہے نکہ بلوغت کے بعد لیکن بلوغت کے بعد بھی انکو اسی نام کیساتھ موسوم کیا گیا۔

اومایؤل الیه الخ.....یا کسی شی کا نام رکھنا انجام کے اعتبار سے جیسے انّی ارانی اعصر خمراً کہ یہاں پر عنب پر خمر کا اطلاق کیا گیا جو کہ انجام کے اعتبار خمر بن رہا تھا۔

اوتسمیۃ الشئی باسم محلّه الخ.....یا کسی شی کا نام رکھنا محل کے نام سے

جیسے فلیدع نادیہ ای اھل نادیہ یہاں پر اھل نادیہ کو نادیہ کھا گیا اسلئے کہ نادیہ محل ہے۔

اوبحالہ الخ...... یا کسی شی کا نام رکھنا حال کے اعتبار سے جیسے واما الذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ اب یہاں پر ابضیت پر رحمت کا اطلاق کیا گیا اسلئے ابیض محل ہے اور رحمت حال ہے۔

اوباسم اٰلتہ الخ..... یا کسی شی کا نام رکھنا آلہ کے نام سے جیسے واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین ایٔ ذکراً یعنی لسان سے مراد ذکر ہے لیکن چونکہ لسان ذکر کا آلہ ہے تو ذکر کی جگہ لسان مذکور ہے۔

فان قیل الخ..... اعتراض یہاں پر یہ وارد ہوتا ہے کہ مجاز اسکو کھا جاتا ہے کہ جسمیں ملزوم سے انتقال ہو لازم کی طرف تو مطلب یہ ہوا کہ ملزوم سے لازم کی طرف انتقال لازم ہے حالانکہ مجاز کے بعض انواع بلکہ اکثر میں ملزوم نہیں ہوتا۔

قلنا الخ..... ہم جواب دیتے ہیں کہ ملزوم کا معنی یہ نہیں ھیکہ اسکا جدا نوع ممتنع ہو ذہن یا خارج میں بلکہ اس سے مراد تعلق اور اتصال ہے کہ ذہن اسکی وجہ سے منتقل ہوا ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف فی الجملۃ اور بعض اوقات میں لھذا یہ ملزوم کے ضروری ہونے کا فائدہ نہیں دیگا۔

والاستعارۃ الخ.... یہاں سے مصنف" یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر لفظ سے معنی مجازی کا قصد کر کے معنی مجازی اور حقیقی کے درمیان مشابھت کا قصد کیا گیا ہو تو یہ استعارہ ہے جیسے مشفر جو کہ اونٹ کے ہونٹ کو کھا جاتا ہے اسکا اطلاق انسان کے ہونٹ پر کیا جائے تشبیہ کا قصد کرنیکے کیساتھ تو استعارہ ہوگا ورنہ مجاز مرسل ہوگا جیسے اگر مشفر کا اطلاق کیا جائے شفۃ الانسان پر بغیر مشابھت کا قصد کیے تو یہ مجاز مرسل ہے اور اسکی مثال یہ بھی ہے کہ مرسن کا اطلاق کیا جائے اَنف پر مرسن وہ اَنف جس میں نکیل ہو یہ مقید ہے اگر اسکا اطلاق کیا جائے مطلق اَنف پر تو بلا قصد تشبیہ یہ مجاز مرسل ہوگا۔

وقدتقیّدبالتحقیقیۃ الخ..... اور کبھی استعارہ کو مقید کیا جاتا ہے تحقیقیۃ کیساتھ اسکے ذریعہ احتراز ہوا تخیلیہ اور مکنیہ سے تاکہ اسکا معنی مستعمل فیہ متحقق ہو حسّاً و عقلاً اول کی مثال جیسے شعر

لَدیٰ اسدٍ شاکی السّلاحِ مُقذَفٍ لہٗ لِبَدٌ اظفارہ لم تُقلَّمِ

میں ایسے شیر کے پاس ہوں جو کامل اسلحہ والا ہو اور اسکو لڑائیوں میں دھکیلا جاتا ہو جس کے تہ بہ تہ بال ہو اسکے ناخن نہیں کاٹے گئے۔ اسد محل استشھاد ہے کہ یہاں پر اسکا معنی مستعمل فیہ رجل شجاع ہے اور وہ رجل شجاع حسًا متحقق ہے۔ عقلی کی مثال جیسے اھدنا الصراط المستقیم اس سے مراد دین حق اور ملت اسلام ہے اور یہ امر عقلاً متحقق ہے۔ قال المصنفؒ یہاں شارح مصنفؒ پر اعتراض کررہے ہیں کہ جسکا خلاصہ یہ ھیکہ مصنفؒ نے ایضاح میں یہ کھاھیکہ استعارہ وہ ہے کہ معنی مجازی معنی حقیقی کیساتھ تشبیہ کو متضمن ہو اور یہاں پر معنی مجازی سے مراد وہ معنی ہے جو مستعمل فیہ ہو تو لھذا اس کے بیان کردہ قول کے مطابق جاءنی زیدٌ اسدٌ وغیرہ مثالیں استعارہ سے خارج ہو جائینگے یعنی جن امثلہ میں لفظ معنی موضوع لہ میں مستعمل ہو اگرچہ اس کیساتھ کسی شی کی تشبیہ دی گئی ہو جیسے زید کو اسد کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس کے اخراج کی وجہ یہ ھیکہ جب اسد کا استعمال معنی موضوع لہ میں ہے اور معناہ یعنی معنی مجازی سے بھی مراد معنی مستعمل فیہ ہے تو اس صورت میں لازم آیگا اور یہ محال ہے۔

وفیہ بحث شارح نے اس عبارت کے ذریعے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ اسد مستعمل ہے معنی موضوع لہ میں بلکہ یہ معنی شجاعت میں مستعمل ہے اور معنی شجاعت اسکا مجاز ہے اور اس معنی کی دلیل یہ ھیکہ یہاں اسد کا حمل کیا ہے زید پر اور حمل الشی علی نفسہ باطل ہے۔

ولادلیل لھم الخ.... یہاں شارحؒ ایک اعتراض کو ذکر فرمارہے ہیں اور وہ یہ ھیکہ جو حضرات تشبیہ کے معنی تضمین کے قائل ہے وہ فرماتے ہیں کہ زید اسد اصل زید کاسد ہے ادات تشبیہ کے حذف کیساتھ اور ان کی دلیل یہ ھیکہ یہاں زید کو حمل کیا گیا ہے اسد پر اور یہ بات معلوم ھیکہ انسان حقیقۃً شیر نہیں ہوسکتا لھذا معنی تشبیہ کی طرف ذھاب لازمی ہے ادات تشبیہ کے حذف کیساتھ۔

ولھذا فاسد الخ..... شارحؒ فرماتے ہیں کہ یہ فاسد ہے اسلئے کہ معنی تشبیہ کی طرف ذھاب لازم ہے اس وقت جبکہ یہ مستعمل ہو معنی حقیقی میں اور جب یہ مجاز ہو رجل شجاع سے تو اس کا حمل پھر انسان پر درست ہوگا اس کی مثال یہ بھی ہے جیسے اسدٌ علیّ وفی الحروب نعامة : کہ شیر مجھ پر حملہ آور ہے اور شترمرغ حروب میں ہے اور اسی طرح

والطیر اغربة علیه کہ پرندہ اس پر کوے ہے یعنی رو رہے ہیں۔

ودلیل انہا مجاز لغوی الخ.....اس بات میں اختلاف ھیکہ استعارہ مجاز لغوی ہے یا عقلی ہے جمہور کے ہاں مجاز لغوی ہے یعنی لفظ معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہو علاقہ تشبیہ کی وجہ سے اور اس کے مجاز کے لغوی ہونے کی دلیل یہ ھیکہ استعارہ کو وضع کیا گیا ہے مشبہ بہ یعنی اسد کیلئے نہ کہ مشبہ یعنی زید کیلئے اور ان دونوں سے اعم یعنی حیوان جری تاکہ یہ دونوں کو شامل ہو اور اسکا اطلاق ان پر حقیقۃ ہو تو یہاں پر لفظ اسد کا اطلاق رجل شجاع پر معنی غیر موضوع لہ میں مستعمل ہے اور قرینہ مانعہ ہو موضوع لہ کے ارادہ سے پس یہ مجاز لغوی ہوگا۔

وفی ہذا الکلام دلالۃ الخ.....اوپر یہ کہا گیا حیوان جری عام ہے اسد اور زید دونوں کو شامل ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ھیکہ اگر عام کا اطلاق کیا جائے خاص پر لیکن خصوص کا اعتبار کئے بغیر بلکہ عموم کا اعتبار کرنے کیساتھ تو یہ اطلاق مجازاً نہیں ہوگا جیسے اگر آپ نے زید سے ملاقات کی اور آپ نے کہا کہ لقیت انسانا اور جلا او حیوانا بلکہ یہ اطلاق حقیقت ہوگا۔

وقیل انہا عقلی الخ.......بعض لوگوں نے فرمایا ھیکہ استعارہ مجاز عقلی ہے اسلئے کہ استعارہ کا اطلاق مشبہ پر نہیں کیا جاتا مگر یہ کہ اسکو مشبہ بہ کے افراد میں سے ایک فرد قرار دیا جائے تو لھذا استعارہ کا اطلاق مشبہ پر موضوع لہ کے اعتبار سے ہوگا اور یہ اطلاق مجاز عقلی ہے اسلئے کہ عقل اول نے رجل شجاع کیلئے شیر والے اوصاف ثابت کئے پھر اس پر اسد کا اطلاق کیا گیا لھذا یہ مجاز عقلی ہوگا۔

ولھذا الخ....اور اس وجہ سے کہ مشبہ کو مشبہ بہ کے جنس میں داخل کیا جائے تعجب درست ہے شاعر کے اس شعر میں۔

قامت تظللنی علی من الشمس : نفس اعز علی من نفسی :

قامت تظللنی ومن عجب : شمس تظللنی من الشمس :

میرے اوپر سایہ کرنے کیلئے ایسا نفس کھڑا ہوا جو مجھ پر زیادہ عزیز ہے میرے نفس سے وہ میرے نفس پر سایہ کیلئے کھڑا ہوا اور تعجب کی بات یہ ھیکہ مجھ پر سورج نے سورج سے سایہ کیا۔ یہاں پر تعجب درست ہے کہ اگر یوں کہتے کہ مجھ پر زید نے سورج سے سایہ کیا تو اسمیں تعجب

نہ تھالیکن زید کو شمس کے افراد میں سے فرد قرار دیکر یہ کہا کہ مجھ پر سورج نے سورج سے سایہ کیا۔

وصح النهی عنه الخ.....اور نہی عن التعجب درست ہے شاعر کے اس شعر میں۔

لا تعجبو من بلی غلالته : قد زرّ ازراره علی القمر :

تم تعجب مت کرو اس کے بنیان کے بوسیدگی سے تحقیق باندھے گئے ہے اس کے بٹن چاند پر۔

اس شعر میں اول بات یہ ھیکہ شاعر نے ممدوح کو چاند کے افراد میں سے قرار دیا اور بُنیان اگر کتان کا ہو تو اسکو چاند کی روشنی بوسیدہ کرتی ہے اور چونکہ ممدوح چاند ہے لھذا اسکے جسم پر بنیان کی بوسیدگی پر تعجب مت کرو۔

وردبأن الادعاء الخ......لیکن اس دوسرے مذہب کو رد کیا گیا ہے اس طور پر کہ مشبہ کا دخول مشبہ بہ کے جنس میں یہ معنی موضوع لہ میں استعمال کا تقاضہ نہیں کرتا اسلئے کہ مشبہ بہ کے دو اقسام ہیں ۔(۱) متعارف (۲) غیر متعارف ۔تو لھذا اسد کا استعمال متعارف میں یعنی شیر میں حقیقت ہوگا لیکن غیر متعارف یعنی رجل شجاع میں مجاز ہوگا۔

وامّا تعجبٌ والنهی عنه الخ....اور بہر حال تعجب اور نہیں عن التعجب مذکورہ استعارہ یہ مبنی ہے تناسی تشبیہ پر یعنی گویا کہ ہم نے اپنے اذہان سے وجہ تشبیہ کو نکالدیا مبالغہ کے حق کو ادا کرنے کیلئے اور اس بات پر دلالت کرنے کیلئے کہ مشبہ اس طور پر ھیکہ وہ مشبہ بہ سے بالکل جدا نہیں ہوسکتا حتی کہ ہر وہ شی جو مرتب ہو مشبہ بہ پر وہ مشبہ پر بھی مرتب ہوگا۔

والاستعارة تفارق الخ......یہاں سے مصنفؒ استعارہ اور کذب میں فرق بیان فرما رہے ہیں فرماتے ھیکہ ان میں دو وجوہ سے فرق ہے۔

(۱) استعارہ تاویل پر مبنی ہوتا ہے جبکہ جھوٹ ایسا نہیں ہوتا۔(۲) استعارہ میں اس بات پر قرینہ قائم ہوتا ہے کہ یہاں ظاہر کا خلاف مراد ہے جبکہ جھوٹ میں ترویج پر اپنی کوشش کو خرچ کیجاتی ہے۔

ولا تكون الاستعارة الخ.....اور استعارہ علم نہیں بن سکتا اسلئے کہ علم مشخص ہوتا ہے استعارہ جنس ہوتا ہے اور جنس میں مشترکیت ہوتی ہے نہ کہ علم میں اور جنس اور تشخص میں منافات ہے۔

الّا اذا تضمن الوصفية الخ.....البتہ اگر علم کسی نوع وصفی کو متضمن ہو پھر اسمیں استعارہ جائز ہے جیسا کہ حاتم ایک نصرانی فرد تھا اور یہ متصف تھا منفعت جود کیساتھ لھذا اب یہ منفعت جس میں بھی پائی جائے اس کیلئے حاتم بطور استعارہ کے استعمال کرنا جائز ہے اسی طرح مادر بخیل کیلئے سحبان فصیح کیلئے اور باعقل بیوقوف کیلئے بطور استعارہ کے استعمال کرنا جائز ہے اسلئے کہ یہ اعلام اوصاف مشہورہ کو متضمن ہیں لھذا ان میں استعارہ جائز ہوگا۔

وقرينتها الخ.....یعنی استعارہ چونکہ مجاز ہوتا ہے تو لھذا کوئی ایسا قرینہ ضروری ہے جو معنی موضوع لہ کے ارادہ سے مانع ہو اور یہ قرینہ یا تو امر واحد ہوگا جیسے رایت اسدا یرمی میں یرمی اس بات پر دال ہیکہ یہاں اسد سے مراد رجل شجاع ہے۔

او اكثر الخ.....اور یہ قرینہ دو امر یا امور کثیرہ ہونگے جیسے وان تعافوا العدل والایمانا : فان فی ایماننا نیرانا :

اگر تم عدل اور ایمان کو ناپسند کرتے ہو تو ہمارے ہاتھوں میں آگ ہے یعنی تلواریں اب یہاں پر نیران سے مراد سیوف ہے اور یہ استعارہ ہے اور اس پر دال دو امر ہے یعنی عدل کو ناپسند کرنے کی صورت میں بھی ہمارے ہاتھوں میں تلوار ہے اور ایمان کو ناپسند کرنے کی صورت میں بھی۔

اَومعان ملتئمة الخ.....اور یا وہ قرینہ بہت سارے معانیوں کا مجموعہ ہوگا یعنی تمام کا مجموعہ نہ کہ ہر ایک معنی مستقل طور پر شاعر کے شعر میں۔

وصاعقة من نصله تنكفی بها : علی رؤس الاقران خمس سحائب :

اور بہت ساری بجلیاں اس کے تلوار کی دھار سے پلٹ جاتی ہے ہم عمروں کے سروں پر پانچ بادل بن کر۔

یعنی انگلیاں بنکر یعنی وہ انگلیاں عطایا کہ عام ہونے میں بادل ہے اور وہ بادل برستے ہیں جنگ میں ہم عمروں پر ان کو ھلاک کردیتے ہیں تو یہاں پر جب بجلی کو ذکر کیا پھر ذکر کیا کہ وہ دشمنوں کے سروں پر پلٹ جاتی ہے پھر خمس کا ذکر کیا تو ان سب سے یہ معلوم ہوا کہ یہاں سحائب سے مراد انامل ہیں یعنی انگلیاں۔

والاستعارۃ باعتبار الطرفین الخ.....اور طرفین کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) یا تو انکا اجتماع کسی شی میں ممکن ہوگا جیسے احییناہ اللہ تعالیٰ کے قول میں او من کان میتاً فاحییناہ محل استشھاد احییناہ اور حیاۃ سے مراد ھدایت ہے اور ھدایت جو کہ مستعار لہ ہے اور احیاء جو کہ مستعار منہ ہے انکا اجتماع ایک فرد میں ہو سکتا ہے اس قسم کو وفاقیہ کھا جاتا ہے۔(۲) اور یا انکا اجتماع ممتنع ہوگا جیسے معدوم کو اس موجود کیلئے استعارۃ استعمال کرنا جس کے وجود سے کوئی نفع نہ ہو اور اس بات میں کوئی شک نہیں ھیکہ معدوم مستعار لہ اور موجود مستعار منہ میں اجتماع ناممکن ہے اور اس قسم کو عنادیہ کھا جاتا ہے۔

ومنھا التھکمیۃ الخ.....اور استعارہ عنادیہ کے اقسام میں سے تھکمیہ اور تملیحیہ بھی ہے کہ لفظ کو اپنے معنی موضوع لہ کے بالکل ضد میں بطریقہ استعارہ کے استعمال کیا جائے ان اضداد کو تناسب کے مرتبہ میں اتارتے ہوئے جیسے قول باری تعالیٰ فبشرھم بعذاب الیم۔اب یہاں تبشیر سے مراد انذار ہے جو کہ تبشیر کا ضد ہے لیکن تبشیر کے لفظ کو اسکی جگہ استعمال کیا گیا اسطور پر کہ اول بشارت کو انذار کے جنس میں کیا اور پھر انذار کی جگہ تبشیر کو استعمال کیا۔اور تملیح کی مثال جیسے بزدل کے بارے میں کھا جائے ھذا اسد یہاں بزدل کیلئے اسکے ضد بہادری والی صفت کو استعمال کیا گیا ہے۔

والاستعارۃ باعتبار الجامع قسمان الخ.....اور معنی جامع کے اعتبار سے استعارۃ کے دو اقسام ہیں یعنی جس معنی میں طرفین مشترک ہو یا تو وہ معنی جامع طرفین کے مفھوم میں داخل ہوگا جیسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے جیسے خیر الناس رجل یمسک بعنان فرسہ کلما سمع ھیعۃ طار الیھا اورجل فی شعفۃ فی غنیمۃ لہ لیعبد اللہ حتی یاتیہ الموت:

فرمایا کہ بہترین آدمی وہ ھیکہ جو اپنے گھوڑے کے لگام کو تھاما ہوا ہو جب بھی وہ کوئی ڈراونی آواز سنے تو وہ اس کیطرف اڑ جاتا ہے یا وہ آدمی جو پہاڑ کی چوٹی میں ہو اور بکریوں کو چرا رہا ہو لیکن اللہ کی عبادت کرتا ہو یہاں تک کہ اسکی موت آجائے۔
اب یہاں پر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے طار کے لفظ کو عدو کیلئے استعمال کیا اور معنی جامع

دونوں کے درمیان یہ ھیکہ دونوں کے ذریعہ قطع مسافت ہوتا ہے۔

والاظهر الخ......اعتراض یہاں پر یہ وارد ہوتا ہے ھیکہ آپ نے کھا کہ عَدْوِ اور طیران کے درمیان معنی جامع قطع مسافت بسرعۃ ہے اور یہ ان کے مفھوم میں داخل ہے تولھذا اس کو کبھی طیران سے جدا نہیں ہونا چاہئے تھا حالانکہ بعض طیران میں سرعت نہیں ہوتی بلکہ ان میں سستی ہوتی ہے تولھذا اولیٰ یہ ھیکہ اسکے مثال میں اللہ تعالیٰ کے اس قول **وقطعنافی الارض اُمَمًا** کوذکر کیا جاتا کہ یہاں فرقنا کی جگہ قطعنا کوذکر کیا اور مستعار منہ اور مستعار لہ کے درمیان معنی جامع یہ ھیکہ دونوں میں اشیاء کو جدا کیا جاتا ہے۔

والفرق بين هذا الخ....یہ بھی ایک اعتراض کا جواب ہے وہ یہ ھیکہ تقطیع کے لفظ کو تفریق کی جگہ استعمال کرنا استعارہ نہیں ہے بلکہ مجاز مرسل ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ مرسن کا اطلاق انف پر اور وجہ اسکی یہ ھیکہ یہاں مشبہ بہ یعنی مستعار منہ میں ایک ایسے وصف کا اعتبار کیا گیا ہے جسکا اعتبار مشبہ یعنی مستعار لہ میں نہیں کیا گیا اسلئے کہ تقطیع کے معنی ہے اجسام متصلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور تفریق اس سے عام ہے تو یہ ایسا ہوا کہ جیسا کہ مرسن کا اطلاق انف پر اور یہ مجاز مرسل ہے تو اس کو استعارہ کے اقسام میں شمار کرنا درست نہ ہوگا۔

جواب :اسکا یہ ھیکہ استعارہ اور مجاز مرسل کا مدار متکلم پر ہے اگر متکلم نے وصف خاص کا قصد کیا تو استعارہ ہوگا ورنہ مجاز مرسل اور یہاں پر متکلم نے وصف خاص کا قصد کیا ہے لھذا اسکو استعارہ کہنا درست ہوگا۔

فان قلت الخ....یہ ایک اعتراض ہے اور وہ ھیکہ اس صورت میں اجتماع متنافیین لازم آتا ہے اور وہ اس طرح کہ جب آپ نے یہ کھا کہ یہ جامع طرفین کے مفھوم میں داخل ہے تو یہ جامع ان کیلئے جزء ہوا اور وہ دونوں اس کیلئے ماہیت ہے اور جزء ماہیت شدت اور ضعف کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتا جبکہ اس باب میں استعارہ اس وقت نہیں ہوتا جب تک کہ جامع مستعار منہ میں وصف شدت کیساتھ موجود نہ ہو۔

قلنا الخ....اس اعتراض کا جواب یہ ھیکہ اختلاف کا نہ ہونا ماہیت حقیقیہ میں ہے نہ کہ ماہیت اعتباریہ میں کیونکہ ماہیت اعتباریہ میں جزء شدت اور ضعف کے اعتبار سے مختلف

ہوسکتا ہے لھذا کوئی اعتراض وارد نھیں ہوگا۔

وایضااماعامیة الخ... یہاں سے مصنفؒ استعارہ کی دوسری تقسیم بیان فرمار ہے ہیں جامع کے اعتبار سے اس تقسیم کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) عامیہ یعنی جس کو ہرایک جانتا ہواسطور پر کہ وہ عام ہو جیسے رأیت اسدأیرمی

(۲) خاصہ غریبہ یعنی جس پر خواص کے علاوہ کوئی اور مطلع نہ ہواوران کوایسا ذھن دیا گیا ہو جسکی وجہ سے وہ عوام سے درجہ کے اعتبار سے بلند ہو پھر یہ غرابت یا تونفس شبہ میں ہوگی جیسے شاعر نے اپنے گھوڑے کے مدح میں کھا ہے۔

واذااحتبی قربوسه بعنانه : علک الشکیم الی الضراف الزائر

اورجب اعتبار کیا گھوڑے نے اپنے زین کے اگلے حصہ کا عنان کیساتھ تو وہ کیل کو چباتا رھازائر کے واپس لوٹنے تک۔ شکیم اصل میں اس لوہے کوکھا جاتا ہے جو گھوڑے کے منہ میں ڈالا جاتا ہے محل استشھاد اس شعر میں احتباء ہے یہ اصل میں کھا جاتا ہیکہ آدمی اپنے دونوں گھٹنوں کو کسی شئی کیساتھ باندھے پھر کھڑا کر کے اوراس کو پیچھے کیطرف لیجائے اور چونکہ گھوڑے کے اندر بھی ایسا ہوتا ہے تو اس گھوڑے کو اس آدمی کیساتھ تشبیہ کا ارادہ کیا۔

وقدتحصل الغرابة الخ.....اور کبھی استعارہ عامیہ میں کچھ تصرف کرنے سے اس میں غرابت آجاتی ہے جیسے شاعر کا شعر ہے۔

اخذناباطراف الحدیث بیننا : وسالت باعناق المطی الاباطحْ :

ہم نے مختلف قسم کی باتیں کرنا شروع کی اور بہ گئی نالیاں سواریوں کی گردن کیساتھ۔

اب یہاں پر یہ عام ھیکہ اس کی نسبت اعناق یا مطی کیطرف کی جائے لیکن شاعر نے یہاں جب اباطح کی طرف کی تو اس کی وجہ سے اس میں غرابت آگئی۔

والاستعارة باعتبار الثلاثة الخ....اوراستعارۃ کی طرفین اور جامع کے اعتبار سے چھ قسمیں ہیں اسلئے کہ طرفین یا تو دونوں حسی ہونگے یا دونوں عقلی ہونگے یا مختلف ہونگے یعنی اول حسی اور ثانی عقلی یا اسکا عکس اور جامع اول میں دونوں ہوسکتے ہے اور آخری تینوں میں صرف عقلی ہوگا یہ کل چھ ہوئی۔

لان الطرفین ان کاناحسیین الخ....اگر طرفین حسی ہواور جامع بھی حسی

ہو جیسے فاخرج لھم عجلاً جسداً لہ خوار الخ ۔مستعار منہ یہاں پر ولد بقر ہے اور مستعار لہ یہاں پر وہ حیوان ہے جسکو سامری نے بنایا تھا اور جامع ان کے درمیان حیوانیت ہے۔

واما عقلی الخ..اور اگر طرفین حسی ہو اور ان کے درمیان جامع عقلی ہو اسکی مثال جیسے اللہ تعالی کا فرمان وآیۃ لھم اللیل نسلخ منہ النھار الخ.اس مثال میں مستعار منہ سلخ کا معنی ہے جو کشط الجلد عن الشاۃ ہے اس کو استعارۃ لیا گیا ہے رات سے روشنی کے منکشف ہونے کیلئے اور یہ دونوں حسی ہے لیکن جامع یہاں پر عقلی ہے اور وہ ایک شی کا دوسرے پر ترتُب ہے کہ جسطرح بکری کے گوشت کا ظھور مرتب ہے کھال اترنے پر اسی طرح رات کی تاریکی مرتب ہے دن کے چلے جانے پر۔

وامامختلف الخ....اور جامع مختلف ہو جیسے تو کھے رأیت شمساً اور تیرا مراد اس سے وہ آدمی ہو جو خوبصورتی اور بلندی شان میں سورج کی طرح ہو اب یہاں بھی طرفین یعنی رجل اور شمس حسی ہے لیکن جامع مختلف ہے اسلئے کہ خوبصورتی کے اعتبار سے جامع حسی ہے اور بلندی شان کے اعتبار سے عقلی ہے۔

والافھما عقلیان الخ....اور اگر طرفین حسی نہ ہو تو پھر وہ دونوں عقلی ہونگے اور جامع بھی عقلی ہوگا جیسے اللہ تعالی کا قول مبارک حکایت کرتے ہوئے کفار کی مــــن بعثنامن مرقدنا الخ...اب یہاں پر مستعار منہ رقد اور نوم ہے اور مستعار لہ موت ہے اور جامع دونوں کی وجہ سے افعال کا عدم ظھور ہے کہ دونوں میں انسان سے افعال ظاہر نہیں ہو سکتے اور یہ سب یعنی طرفین اور جامع سب عقلی ہے۔

وقیل عدم الخ....بعض نے یہاں پر یہ کھا ھیکہ افعال کا ظھور یہاں پر مستعار لہ یعنی موت میں اقوی ہے حلانکہ جامع کا مستعار منہ میں اقوی ہونا چاہیئے تو اسوجہ سے وہ فرماتے ہیکہ اولی یہ ھیکہ یہاں جامع بعث کو قرار دیا جائے کہ یہ جامع مستعار منہ یعنی نوم میں اقوی ہے نکہ موت میں تو تب استعارۃ درست ہوگا۔

واما مختلفان الخ....اور اگر طرفین مختلف ہو اس طور پر کہ مستعار منہ حسی ہو اور مستعار لہ عقلی ہو اور جامع بھی عقلی ہو جیسے فاصدع بما تؤمر اب یہاں پر صدع کا معنی ہے کسر الزجاجۃ یعنی شیشہ توڑنا اور یہ مستعار منہ ہے اور مستعار لہ تبلیغ ہے جو عقلی ہے

اور معنی جامع تاثیر ہے یعنی صدع میں بھی تاثیر ہے اور تبلیغ میں بھی۔

واما عکس ذٰلک الخ...اور طرفین کے اختلاف کی صورت میں اگر مستعار منہ عقلی ہو اور مستعار لہ حسی ہو جیسے اللہ تعالی کا فرمان انا لما طغا الماء حملنا کم فی الجاریۃ لفظ مستعار طغی ہے جو کہ اصل میں تکبر کو کہا جاتا ہے اور مستعار لہ کثرۃ الماء ہے اور مستعار منہ یعنی تکبر اور جامع یعنی استعلاء (بے انتہاء بڑھ جانا) عقلی ہے اور مستعار لہ یعنی کثرت ماء حسی ہے۔

ولک مستعارۃ باعتبار اللفظ قسمان الخ....اور لفظ کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں (۱) استعارۃ اسم جنس ہو حقیقۃً یا تاویلاً تو اسکو اصلیہ کہا جاتا ہے جیسے حقیقیہ اسم جنس کی مثال جیسے اسد کا استعمال رجل شجاع کیلئے اور تاویلا اسم جنس کی مثال جیسے قتل کا ضرب شدید کیلئے استعمال کرنا۔ (۲) اور اگر استعارۃ اسم جنس نہ ہو تو اس کو تشبیہ کہا جاتا ہے جیسے فعل اور حروف اور فعل کے مشتقات۔

ومدار قرینتھا الخ...اور استعارہ تبعیہ کے قرینہ کا مدار اولین یعنی فعل یا مشتق منہ میں فاعل یا مفعول پر ہوگا فاعل کی مثال جیسے نطقت الحال بکذا اب یہاں پر حال کی طرف نطق کی نسبت استعارۃً اور مجازاً ہے اسلئے کہ نطق حقیقی کا صدور حال سے نہیں ہوسکتا ہے اور حال اس مثال میں فاعل ہے۔ مفعول بہ کی مثال جیسے شاعر کا یہ شعر۔

جمع الحق لنا فی امام : قتل البخل واحیا السماحا :

حق جمع ہوا ہمارے لیئے ایسے امام میں جس نے بخل کو قتل کیا اور سخاوت کو زندہ کیا اب یہاں پر بخل کی طرف جو قتل کو منسوب کیا اور سخاوت کی طرف احیاء کو یہ مجازاً ہے اسلئے کہ حقیقت میں قتل اور احیاء کو بخل اور سخاوت کیساتھ متصف نہیں کیا جاتا ہے اور اسی طرح شاعر کا یہ شعر۔

تقریھم لھذمیات تقدبھا : ماکان خاط علیھم کل زرّاد :

ہم ان کی مھمان نوازی کرتے ہے ایسے نیزوں کیساتھ کہ ہم کاٹ دیتے ہیں اس کے ذریعے اس چیز کو جوان کے اوپر سیا ہے ہر زرہ بنانے والے نے (مراد اس سے زرھیں ہیں)۔ اب یہاں پر تقری کی طرف لھذمیات کو منسوب کرنا استعارہ ہے اسلئے کہ

مھمان نوازی نیزوں کے ذریعہ نہیں ہوتی ۔ اور یا اس قرینہ کا مدار مجرور پر ہوگا جیسے فبشرھم بعذاب الیم اب یہاں پر عذاب الیم یہ دلیل ھیکہ بشر کا استعمال بطور استعارہ کے ہے۔

واذاجازعلی الفرع الخ... یہاں یہ بیان فرماتے ھیکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں فی نفسہ اصل مشبہ ہوگا اور مشبہ بہ فرع ہوگا جب اصل یعنی مشبہ کے وجود کے وقت مشبہ بہ پر بناء جائز ہے تو مشبہ کے عدم وجود کی صورت میں بطریقہ اولی جائز ہوگا اول کی مثال جیسے شاعر کا یہ شعر۔

ہی الشمس مسکنھافی السماء : فعزوالفوادعزاء جمیلاً :

فلن تستطیع الیھاالصعود : ولن تستطیع الیک النزولاً :

وہ محبوبہ سورج ہے جسکا مسکن آسمان میں ہے پس اپنے دل کو صبر جمیل کی تلقین کر پس تو قدرت نہیں رکھتی اس کی طرف چھڑنے کی اور نہ وہ قدرت رکھتی ہے تیری طرف اترنے کی اب یہاں پر مشبہ یعنی محبوبہ کے موجود ہونے کے باوجود مشبہ بہ یعنی سورج پر بناء کیا گیا ہے۔

واماالمجازالمرکب الخ.... مجاز مرکب اس لفظ کو کھا جاتا ہیکہ جو مستعمل ہو اس معنی میں جس کو معنی اصلی کیساتھ تشبیہ دی گئی ہو معنی اصلی سے مراد وہ لفظ ہے جس پر لفظ مطابقۃً دال ہو تو اس کو تشبیہ تمثیل کھا جاتا ہے یعنی جس میں وجہ شبہ متعدد سے منتزع ہو جیسے اگر کوئی کسی امر میں متردد ہو اور اسکو تشبیہ دی جائے اس آدمی کیساتھ جو کہ کھڑا ہو اور متردد ہو ذھاب اور عدم ذھاب کے درمیان اسطور پر کہ وہ اپنے قدم کو آگے کرے پھر پیچھے کرے تو اسکے ساتھ تشبیہ دی جائے اس آدمی کو جو کہ متردد فی امر ہو اب یہاں پر تقدم رجلاً وتؤخراخری جو کہ معنی اصلی ہے اور لفظ اسپر مطابقۃً دال ہے اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے متردد فی الامر کو۔

وھذایسمی التمثیل الخ.... اور اس مجاز مرکب کو تمثیل کھا جاتا ہے وجہ شبہ کا متعدد سے منتزع ہونے کیوجہ سے لیکن مطلق تمثیل نہیں ہے بلکہ تمثیل علی سبیل الاستعارہ ہے اسلئے کہ اسمیں کبھی مشبہ بہ کو ذکر کیا جاتا ہے اور مراد مشبہ ہوتا ہے اور کبھی اسکو مطلق تمثیل کھا جاتا ہے بغیر تقیید کے۔

وفی تخصیص المجاز الخ.... اور مجاز مرکب کو استعارہ کیساتھ خاص کرتے

میں نظر ہے اسلئے کہ جسطرح استعارہ میں مجاز مرکب جاری ہوتا ہے اسی طرح مجاز مرسل میں بھی کیونکہ مجاز مرکب میں جب لفظ کو غیر موضوع لہ میں استعمال کیا گیا تو اب اگر علاقہ تشبیہ کا ہو تو استعارہ ہوگا ورنہ مجاز مرسل ہوگا۔

ومتی فشا استعماله الخ....اور جب مجاز مرکب کا استعمال بطریقہ استعارہ کے عام ہو تو اسکو مثل کہا جائیگا اور امثال میں تغیر نہیں ہوتا ہے تذکیر، تانیث، مفرد، تثنیہ ، جمع کے اعتبار سے لھذا یہاں بھی تغیر نہیں ہوگا یعنی جسطرح مثل عام ہوا اسی طرح اسکو استعمال کیا جائیگا جیسے وہ آدمی جس نے اپنے مقصود کو ضائع کیا ہو اسکو کہا جاتا بالصیف قدضیعت اللبن یہ حقیقت میں عورت کے بارے میں معروف ہوا تھا جس نے بوڑھے آدمی سے شادی کے بعد اور طلاق کے بعد دودھ مانگا تو اس نے کہا تھا بالصیف قدضیعت اللبن۔

(فصل) فی الاستعارة بالکنایة الخ....یہ فصل استعارہ بالکنایہ اور تخیلیہ کے بیان میں ہے یہاں پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے جب استعارات کا بحث اول سے چلا آرہا ہے تو مصنف نے ان کو مستقل فصل میں کیوں ذکر کیا تو اسکا جواب یہ ھیکہ چونکہ مصنفؒ کے ھاں دونوں امر معنوی ہے اور مجاز کی تعریف میں داخل نہیں ہے اسلئے ان کو مستقل فصل میں ذکر کیا۔ مصنفؒ فرماتے ھیکہ کبھی تشبیہ کو نفس متکلم یا معنی کے نفس میں مضمر کیا جاتا ہے اور وھاں پر مشبہ کے رکن کو ذکر نھیں کیا جاتا لیکن اس مضمر فی النفس پر دلالت کیا جاتا ہے اسطور پر کہ مشبہ بہ کے کسی خاص امر کو مشبہ کیلئے ثابت کیا جائے پس وہ تشبیہ جو مضمر فی النفس ہو اسکو مکنیہ کھا جاتا ہے مکنیہ اسلئے کھا جاتا ہے کہ اسمیں مشبہ بہ کی تصریح نہیں کی جاتی اور جب اس امر مختص کو مشبہ کیلئے ثابت کیا جائے تو اس کو تخیلیہ کھا جائیگا جیسے ھزلی شاعر کا یہ شعر۔

واذا المنیة انشبت اظفرھا : الفیت کل تمیمة لا تنفع :

اور جب موت نے اپنے پنجہ گاڑ لیئے تو تو پائیگا تعویذ کو بیکار اب یہاں پر ھذلی شاعر نے موت کو اپنے نفس میں سبع کیساتھ تشبیہ دی ہے اور وجہ تشبیہ نفوس کو اچانک ھلاک کرنا ہے اب یہاں پر مشبہ مذکور ہے یعنی موت اور مشبہ بہ سبع ہے یہ مکنیہ ہوا اور موت کیلئے

مشبہ بہ کے لوازمات میں سے کسی لازم یعنی اظفار کو ثابت کیا گیا یہ تخیلیہ ہے اسی طرح دوسرے شاعر کا یہ شعر۔

ولئن نطقت بشکر برّك مصفحا : فلسان حالی بالشکایۃ انطق :
اور اگر میں تیرے احسان کا شکر ادا کروں تو میری حال کی زبان شکایت کیساتھ گویا ہے اب یہاں پر حال کو متکلم کیساتھ تشبیہ دی ہے مقصود پر دلالت کرنے میں۔

ولکن تفسیر الاستعارۃ الخ... یہاں سے شارحؒ یہ فرماتے ہیں کہ استعارہ بالکنایہ کی جو تعریف مصنفؒ نے کی ہے یہ سلف سے منقول ہے اسلئے کہ سلف سے جو منقول ہے وہ یہ ھیکہ مستعار کو ذکر نہ کیا جائے بلکہ اسکے کسی ردیف اور خاص کو ذکر کیا جائے جو کہ اس مستعار پر دال ہو پس مقصود ما قبل والے مثال میں اظفار المنیۃ میں سبع کو استعارہ لینا ہے موت کیلئے لیکن ہم نے مستعار کے ذکر کی تصریح نہیں کی ہے تا کہ اس سے مقصود کی طرف منتقل ہو اور اسیطرح زہیر شاعر کا یہ شعر۔

صحا القلب عن سلمی واقصر باطلہ : وعری افراس الصبی ورواحلہ :
دل سے سلمیٰ کی محبت اتر گئی اور اس کا خیال ختم ہو گیا اور جہالت کی طرف مائل ہونے والے گھوڑوں اور اونٹوں کو ننگا کر دیا گیا۔ مطلب یہ ھیکہ میں نے چھوڑ دیا اس محبت کو جو میرے سلمی کیساتھ تھا بچپن میں اور میں نے اعراض کیا دوبارہ اسکی طرف لوٹنے سے اب یہاں پر اس نے اپنے اس کیفیت کو تشبیہ دی ہے اس کیفیت کیساتھ کہ جب انسان سفر کا ارادہ کرے تو وہ اپنے سامان کو تیار کرتا ہے پھر جب ضرورت ختم ہو جاتی ہے پھر وہ اپنے سامان کو توڑ دیتا ہے اور اسی طرح سلمی کی محبت کے زمانہ میں جس گمراہی میں میں مبتلا تھا ان تمام کو چونکہ میں نے چھوڑ دیا ہے اسلئے اب اسباب بھی ختم ہو گئے ہیں۔ ان میں وجہ شبہ اشتغال تام ہے۔

(فصل) فی مباحث الخ.... یہاں سے مصنفؒ اختلافات سکاکیؒ کو بیان فرمارہے ہیں امام سکاکیؒ نے حقیقت کی تعریف میں مصنف کی مخالفت کر کے یوں بیان کی ہے الکلمۃ المستعملۃ فیما وضعت لہ من غیر تاویل فی الوضع تو انہوں نے تعریف من غیر تاویل کی قید کا اضافہ کیا استعارہ کو خارج کرنے کیلئے اسلئے کہ استعارہ میں بھی معنی موضوع لہ پر دلالت ہوتی ہے لیکن وہ مع التاویل ہوتی ہے کہ مشبہ کو مشبہ

یہ کے افراد میں سے ایک فرد قرار دیا جائے اور لفظ کو اسمیں استعمال کیا جائے۔ تو علامہ سکاکیؒ نے من غیر تاویل کی قید سے استعارہ کو خارج کردیا لیکن ہم اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس قید کی اضافہ کی کوئی حاجت نہیں اسلئے کہ استعارہ اس قید کے بغیر بھی خارج ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ھیکہ حقیقت کی تعریف میں وضع کا لفظ ہے اور وضع کا استعمال اپنے معنی میں بغیر تاویل کے ہوتا ہے لھذا استعارہ خود بخود خارج ہوگا اسی طرح علامہ سکاکیؒ نے مجاز لغوی کی تعریف یہ کی ھیکہ الکلمة المستعملة فی غیر ما وضعت له بالتحقیق فی اصطلاح به التخاطب مع قرینة مانعة عن ارادته -

تو یہاں علامہ سکاکیؒ نے بالتحقیق کا قید بڑھایا تا کہ اسمیں استعارہ داخل ہو جائے کیونکہ استعارہ میں لفظ کا استعمال معنی موضوع لہ میں تاویلا ہوتا ہے لیکن ہم اسکا جواب یہ دیتے ھیکہ یہ قید جسطرح مجاز میں ضروری ہے اسیطرح حقیقت میں بھی ضروری ہے اور حقیقت میں اسقید کے آپ قائل نہیں۔ اور علامہ سکاکیؒ نے تخیلیہ کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ جسکے معنی کا تحقق نہ عقلاً ہو نہ حساً ہو بلکہ یہ نام ہے صورت وہمیہ محضہ کا جیسے ھذلی کے قول میں جب موت کو تشبیہ دی درندے کیساتھ تو وہم نے موت کیلئے درندے کی صورت بنانی شروع کردی پھر صورت بننے کے بعد درندے کے اظفار کو بنانا شروع کیا موت کیلئے لیکن مصنفؒ نے فرمایا کہ اسمیں تعسف ہے اسلئے کہ علامہ سکاکیؒ نے اسمیں کافی سارے اعتبارات کا اختیار کیا ہے مثلاً ایک یہ اعتبار کہ درندے کیساتھ موت کو تشبیہ دینا اسی طرح پھر موت کیلئے درندے جیسی صورت بنانا وغیرہ۔

(فصل) فی شرائط الخ...... یہاں سے مصنفؒ حسن استعارہ کے شرائط بیان فرمارہے ہیں تو فرماتے ہے کہ استعارہ کے حسن کیلئے دو شرائط ہیں (۱) استعارہ میں حسن آتا ہے تشبیہ کے حسن جھات کے رعایت رکھنے سے یعنی خلاصہ یہ ھیکہ وجہ تشبیہ طرفین میں داخل ہو۔ (۲) اور اسی طرح لفظاً اسمیں تشبیہ کا بوں نہ ہو اسلئے کہ اگر اسمیں یوں ہو تو پھر مقصود بھی فوت ہو جائیگا لیکن لفظا یوں نہ ہونے کے باوجود اسمیں وجہ تشبیہ جلی ہو اگر جلی نہ ہو تو پھر استعارہ میں حسن نہیں ہوگا اور استعارہ پوشیدہ ہوگا پوشیدہ ہونے کی مثال جیسے تو کسی بد دھن آدمی کو دیکھے جسکے دانت پیلے ہو اور منہ کے بدبو اور دانت کے

پیلا ہونے میں تو ان کو شیر کیساتھ تشبیہ دے تو یہاں وجہ شبہ طرفین میں خفی ہے تمثیل کی مثال جیسے تو ایسے سو آدمیوں کو دیکھے جن میں کوئی بھی کام کا نہ ہو تو کہے رأیتُ ابلاً مائة لاتجد فیها راحلةً اور آپکا ارادہ ابل سے لوگوں کا ہو۔

وبهذا ظهر الخ....اور اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ تشبیہ محل کے اعتبار سے عام ہے استعارے سے اسلیئے کہ استعارے میں وجہ شبہ جلی ہوگا لازمی طور پر اور تشبیہ میں جلی اور خفی دونوں ہوسکتا ہے۔

فان قیل الخ...اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ نے حسن استعارہ کی شرط یہ بیان کی کہ اسمیں تشبیہ کے جہات کی رعایت ہو اور تشبیہ کے جہات میں سے ایک بعید غریب بھی ہے جو کہ جلی کے منافی ہے تو یہ شرط لگانا درست نہ ہوا؟

قلنا الخ....کہ جلا اور خفاء شدت اور ضعف کو قبول کرتے ہیں تو لهذا غرابت اسطور پر ہوسکتا ہے کہ جو مبتذل نہ ہو تو یہ خفی نہ ہوگا !اتفاقی مثال یعنی جہاں پر تشبیہ طرفین کے درمیان قوی اور جلی ہو جیسے علم کو تشبیہ دینا نور کیساتھ اور شب کو ظلمت کیساتھ تشبیہ دینا۔

(فصل) وقد یطلق المجاز الخ....کبھی کبھار مجاز کا اطلاق کیا جاتا ہے اس کلمے پر جسکے اعراب کا حکم ایک نوع سے دوسرے نوع کیطرف متغیر ہو یا تو کسی لفظ کو حذف کرنے کیساتھ یا زائد کرنے کیساتھ اول کی مثال جیسے وَجاء ربک ای امر ربک اور وَاسئل القریة ای اهل القریة -ثانی کی مثال جیسے لیس کمثله شیٔ ای لیس مثلهٗ شیٔ۔

والکنایة الخ....فن ثانی کے شروع میں بتایا گیا تھا کہ اس فن میں تین چیزوں کے بارے میں ذکر ہوگا حقیقت، مجاز، وکنایہ پہلے دو کا ذکر ہوگیا اور کنایہ باقی ہے -کنایہ مصدر ہے پھر یہ لغت میں کنیت بکذا عن کذا (یائی) سے ماخوذ ہے اور یا (واوی) سے ماخوذ ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی چیز کے بارے میں صراحت نہ کیا جائے بلکہ اسکو چھپایا جائے۔

اصطلاحی تعریف :کنایہ اس لفظ کو کہا جاتا ہے جس سے بول کر اسکے معنی کا لازم مراد لیا جائے اور یہ اس طور ہو کہ اسکے ساتھ اسکا معنی حقیقی کا ارادہ کرنا بھی

جائز ہو جیسے طویل النجاد بول کر اس سے طویل القامۃ مراد لیا جائے لیکن اسکے ساتھ معنی حقیقی کا جو کہ لمبا پرتلہ ہے کا ارادہ کرنا بھی جائز ہے۔

فظهر انها تخالف المجاز الخ.... یہاں سے مصنفؒ کنایہ اور مجاز کے درمیان فرق کو بیان فرما رہے ہیں فرق یہ ھیکہ کنایہ کے اندر لفظ کے معنی کے لازم کا ارادہ کرنے کیساتھ اسکے ملزوم کا ارادہ کرنا صحیح ہے جبکہ مجاز میں لفظ کے معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ کرنے کے ساتھ لفظ کے معنی موضوع لہ کا ارادہ کرنا صحیح نہیں ہوتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ھیکہ مجاز میں معنی موضوع لہ کے ارادے سے مانع موجود ہوتا ہے اور قرینہ معنی موضوع لہ کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے اور نائب کے ہوتے ہوئے اصل کا ارادہ کرنے سے اصل اور نائب کا ایک لفظ میں جمع ہونا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔

وفرّق بين الكناية والمجاز الخ... اس سے پہلے مجاز اور کنایہ کے درمیان فرق کو بیان کیا جو کہ جمہورؒ کے ہاں ہے اب اس فرق کو بیان فرما رہے ہیں جو کہ سکاکی کے ہاں ہے۔ تو علامہ سکاکیؒ کے ہاں کنایہ وہ لفظ ہے جسمیں لازم سے ملزوم کی طرف انتقال ہو جیسے طویل النجاد بول کر لمبا قد مراد لیا جائے۔ اور مجاز وہ ہے کہ جسمیں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال ہو جیسے رأيت الغيث بول کر نباتات مراد لیا جائے اور اسد بول کر بہادر آدمی مراد لیا جائے۔

ورد هذا الفرق الخ.... یہاں سے مصنفؒ اس فرق کو رد فرما رہے ہیں کہ یہ فرق صحیح نہیں ہے اسلئے کہ کبھی کبھار لازم ملزوم سے اعم بھی ہوتا ہے تو اس صورت میں ملزوم کے بغیر لازم پایا جائے گا کیونکہ اعم اخص کے بغیر پایا جاتا ہے جبکہ لازم کے بغیر ملزوم کا وجود محال ہے اسلئے یہ بات طے شدہ ہے کہ لازم ملزوم سے اعم بھی ہوسکتا ہے مساوی بھی لیکن اخص نہیں ہوسکتا ہے اسلئے کہ اخص ہونے کی صورت میں ملزوم لازم کے بغیر پایا جائے گا اور ملزوم کا وجود لازم کے بغیر ممکن نہیں ہے لهذا کنایہ میں لازم سے مراد ہوگا جو ملزوم بھی ہو تو اب کنایہ اس کو کہا جائے گا جسمیں لازم بول کر ملزوم مراد لیا جائے اور ملزوم بول کر لازم مراد لیا جائے اور اس بات کو علامہ سکاکیؒ بھی مانتا ہے کہ کنایہ میں لزوم جانبین سے ہوتا ہے لهذا جب کنایہ میں ملزوم بول کر لازم مراد لیا جائے۔ تو پھر اس صورت میں کنایہ

اور مجاز میں کوئی فرق نہیں رہتا تو لھذا یہ فرق بیان کرنا صحیح نہیں۔

وھی ثلاثۃ اقسام الخ.... یہاں سے مصنفؒ کنایہ کی اقسام کو بیان فرمارہے ہیں کنایہ کی تین قسمیں ہیں (۱) موصوف مطلوب ہو (۲) صفت مطلوب ہو (۳) نسبت بین الصفت والموصوف مطلوب ہو (۱) اگر موصوف مطلوب ہو تو پھر اسکی دو صورتیں ہیں اسمیں معنی واحد سے کنایہ ہوگا، یا متعددہ کے مجموعہ سے ہوگا معنی واحد سے کنایہ ہونے کا مطلب یہ ھیکہ چند صفات میں سے ایک صفت کو موصوف کے ساتھ خاص کر کے اس سے کنایہ کیا جائے جیسے عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر۔

الضاربین بکل ابیض مخذم :: والطاعنین مجامع الاضغان :

میں ہر چمکتی کاٹنے والی تلوار مارنے والے اور کینہ کے جمع ہونے کی جگہ دلوں پر نیزے مارنے والے کی تعریف کرتا ہوں۔ محل استشہاد مجامع الاضغان '' ہے کہ اس میں مضاف اور مضاف الیہ دونوں کے مجموعے سے ایک ہی معنی جمع اضغان مراد ہے اور یہ معنی خاص ہے قلوب کیساتھ اسکو قلب سے کنایہ بنانا صحیح ہے دوسری صورت یہ ھیکہ کنایہ معانی مختلفہ کے مجموعہ سے ہو اس کی صورت یہ ھیکہ اولاً کسی چیز کی صفت ذکر کی جائے پھر دوسری پھر تیسری وھلم جرا اور یہ تمام ایک موصوف کے ساتھ خاص ہو۔ تا کہ ان مجموعے سے اس موصوف تک رسائی ہو سکے جیسے انسان سے کنایہ کرتے ہوئے یوں کہا جائے کہ ھو مستوی القامۃ عریض الاظفار تو یہ تمام اوصاف انسان کے ساتھ خاص ہیں یہ بول کر اس سے انسان کنایۃً مراد لینا صحیح ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کنایہ کے صحت کیلئے شرط یہ ھیکہ ان میں یہ اوصاف مکنی عنہ کے ساتھ خاص ہو تا کہ مکنی عنہ سے کنایہ کی طرف انتقال ہو سکے ورنہ کنایہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔

والثانیۃ المطلوب بھا صفۃ الخ.... یہاں سے مصنفؒ دوسری قسم بیان کررہے ہیں کہ جہاں پر مطلوب مکنی کے اوصاف میں سے کوئی صفت جیسے جود، وکرم، وغیرہ ہو۔ پھر ابتداءً اسکی دو قسمیں ہیں (۱) وہ قریبہ ہوگی (۲) یا بعیدہ ہوگی۔ [۱] قریبہ وہ ھیکہ جسمیں ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف انتقال کسی واسطے کے بغیر ہو۔ [۲] بعیدہ وہ ھیکہ جسمیں ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف انتقال کسی واسطے کیساتھ ہو۔ پھر قریبہ کی

دو قسمیں ہیں (۱) واضحہ (۲) خفیہ [۱] واضحہ وہ ھیکہ جسمیں ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف انتقال آسانی کیساتھ ہو۔ [۲] خفیہ وہ ھیکہ جسمیں ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف انتقال آسانی کیساتھ نہ ہو یعنی جسمیں غور وفکر کی ضرورت پڑتی ہو جیسے عریض القفا کسی بے وقوف آدمی سے کنایہ کرتے ہوئے کہا جائے۔ پھر واضحہ کی دو قسمیں ہیں (۱) ساذجہ (۲) مشوبہ [۱] ساذجہ وہ ھیکہ جسمیں کنایہ پر کلام میں کوئی تصریح موجود نہ ہو جیسے مثال زید طویل نجادہ' زید کے طول قامۃ سے کنایہ کیا جائے۔ [۲] مشوبہ وہ ھیکہ جسمیں کلام کے اندر کنایہ پر کچھ نہ کچھ تصریح موجود ہو جیسے مثال زید طویل النجاد زید کے طول قامۃ سے۔ ان مثالوں میں فرق موجود ہے پہلے مثال میں (طویل) صفت کا صیغہ ہے (نجادہٗ) اسکیلئے فاعل ہے تو اس صورت میں صرف پرتلے کے لمبائی ذکر ہوگا زید کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ اور دوسرے مثال میں (طویل) صفت کا صیغہ ہے اسکی اضافت ہے النجاد میں ضمیر کی طرف جو زید کی طرف راجع ہے تو اسمیں زید کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بصواب

الثالثة المطلوب بهانسبة الخ.... یہاں سے مصنفؒ کنایہ کی تیسری قسم کو بیان فرمارہے ہیں کہ جہاں پر مطلوب صرف موصوف اور صفت کے درمیان نسبت ہو نہ موصوف مطلوب ہو اور نہ ہی صفت جیسے عبداللہ الحشرج کی تعریف میں زیاد عجم کے اس شعر میں۔

ان السماحة والمروّة والندیٰ :: فی قبة ضربت علی ابن الحشرج :

بیشک کرم، مروۃ، اور سخاوت اس قبہ میں ہے جو ابن الحشرج پر لگایا گیا ہے۔ محل استشھاد اس شعر میں شاعر نے اوصاف ثلاثہ مروّۃ، سماحۃ، ندیٰ کو اس خیمہ کیلئے ثابت کیا ہے جو ابن الحشرج پر مشتمل ہے اس وجہ سے قبہ کی نسبت ابن الحشرج کی طرف کی گئی ہے اور اس پر قبہ گاڑ دیا ہے۔

والموصوف فی هذاالقسمین الخ... یہاں سے مصنفؒ یہ فرمانا چاہتا ہے کہ کنایہ کے آخری دو قسموں میں موصوف کو ذکر کرنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی جائز ہے ذکر کی مثال گزر گئی ہے۔ حذف کی مثال جیسے کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو تکلیف دیتا ہو تو اسکو سناتے ہوئے یہ کہا جائے المسلم من سلم المسلمون

من لسانه ویده ,تو یہاں موصوف مخذوف ہے جو کہ (موذی) ہے تو یہ کنایہ ہو جائے گا اسکے مسلمان نہ ہونے سے کیونکہ مسلمان مسلمان کو تکلیف نہیں دیتا۔ پہلی والی قسم میں موصوف کا تقدیراً یا لفظاً ذکر ہونا ضروری ہے۔

قال سکاکی الخ.... پہلے اقسام جمھورؒ کے ہاں تھے یہاں سے سکاکیؒ کے ہاں کنایہ کے جو کہ اقسام ہیں اسکو بیان فرمارہے ہیں سکاکیؒ کے ہاں کنایہ چار قسموں پر مشتمل ہے (۱) تعریض (۲) تلویح (۳) رمز (۴) ایماء اشارہ تلویح کہا جاتا ہیں ایک چیز ذکر کر کے دوسری چیز کا ارادہ کرنے کو پھر کنایہ کے لازم ملزوم کے درمیان وسائط کثیرہ ہونگے، یا نہیں اگر ہو تو تعریض۔ اگر وسائط کثیر نہ ہو بلکہ قلیلہ ہوں تو ملزوم میں خفاء ہوگا یا نہیں۔ اگر ملزوم میں خفاء ہو تو رمز ہے۔ اگر خفاء نہ ہو تو ایماء اشارہ ہے۔

فصل اطبق البلغاءُ علی الخ....اس فصل میں مجاز اور کنایہ کی حقیقت اور تصریح پر افضلیت کو بیان کیا ہے اسلئے کہ ان میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال ہوتا ہے تو یہ دعویٰ مع دلیل ہوا اسلئے ملزوم کا وجود لازم کا تقاضہ کرتا ہے اسکی وجہ یہ ھیکہ ملزوم کا لازم سے جُدا ہونا محال اور ناممکن ہے جیسے کوئی کہے زید کثیر الرماد گویا کہ وہ کہ رہا ہے زید کریم لانہ کثیر الرماد۔

دوسری بات یہ ھیکہ استعارہ تحقیقیہ اور تمثیلیہ ابلغ ہوتے ہیں تشبیہ سے اسلئے کہ یہ تشبیہ کیلئے بمنزلہ مجاز ہوتے ہیں اور مجاز کے بارے ہم نے ابھی یہ بات بتادی ہے کہ مجاز حقیقت سے ابلغ ہوتا ہے تو لھذا یہ دونوں بھی تشبیہ سے ابلغ ہونگے۔

ولیس بقاصر فیه الخ....یہاں مصنفؒ متن کو حل کر رہا ہے جسکا خلاصہ یہ ھیکہ ابلغ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مجاز اور کنایہ کیلئے کسی معنی کی ایسی زیادتی حاصل ہوتی ہے جو حقیقت اور تصریح کیلئے نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اسکا مطلب یہ ھیکہ مجاز اور کنایہ میں اثبات کے معنی کے اندر تاکید کی وہ زیادتی پائی جاتی ہے جو حقیقت اور تصریح میں نہیں پائی جاتی۔ اسکی تاکید شیخؒ کے کلام سے بھی ہوتی جیسے رأیت اسداً جو کنایہ ہے زید کے بہادر ہونے سے دوسری مثال رأیت رجلاً ھو والاسد سواءٌ۔

تیسرا فن

فصاحت بلاغت سے متعلق تیسرا فن علم بدیع ہے اس کو علامہ عبداللہ بن معتز العباسی نے ایجاد کیا ہے ۲۷۴ھ میں اور انہوں نے ہی اسکا نام بدیع رکھا ہے چنانچہ ایجاد کیوقت انہوں نے بدیع کے سترہ انواع نکالی ہیں اس کے بعد ان کے ہم عصر علامہ قدامہؒ نے تیرہ انواع کا اضافہ کیا تو بدیع کی کل انواع تیس ہوگئی اس کے بعد اھل ذوق حضرات اس پر وقتاً فوقتاً کام کرتے رہے اور مختلف انواع کا اضافہ کرتے رہے آخر میں حضرت مصنفؒ نے محسنات معنویہ کی تیس انواع کو بیان کیا ہے اور سات محسنات لفظیہ کو بیان کیا ہے اور اسکے ساتھ ان کے ملحقات کو بھی بیان کیا ہے جن کو مستقل اقسام شمار کئے جا سکتے ہیں۔

بدیع کی لغوی تعریف :بدیع یہ بدیع الشی سے مشتق ہے جس کے معنی بغیر نمونہ کے کسی چیز کو ایجاد کرنا ہے بدیع اسماء حسنہ میں بھی ہے بَدِیعُ السمٰوٰت والارض الخ... چنانچہ جس کلام میں محسنات معنویہ اور لفظیہ کو بیان کیا گیا ہو تو وہ انوکھا اور بے مثال معلوم ہوتا ہے بدیع کے معنی بٹی ہوئی رسی کے بھی آتا ہے چنانچہ جسکا کلام محسنات معنویہ ولفظیہ سے مزین ہو تو اسکا وہ کلام بٹی ہوئی رسی کی طرح مظبوط اور خوبصورت ہوتا ہے۔ علامہ ابو جعفر اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ کلام میں محسنات لفظیہ ومعنویہ کا ہونا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ کھانے میں نمک ہوتا ہے یا سفید اور خوبصورت گال پر تل کا نشانات ہوتے ہیں چنانچہ اگر وہ معتدل ہو تو وہ عمدہ لذیذ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور اگر وہ حد اعتدال سے بڑھ جائے تو وہ بُرا لگتا ہے۔

بدیع کی اصطلاحی تعریف :هو علم يعرف به وجوه تحسين الكلام بعد رعاية المطابقة لمقتضى الحال ورعاية وضوح الدلالة۔

یعنی علم بدیع وہ علم ہے کہ جس کے ذریعہ مطابقت مقتضی حال کی رعایت کے بعد اور وضوح دلالت کی رعایت کے بعد کلام کے تحسین کے وجوہ معلوم ہو کلام کے تحسین کی وجوہ دو قسموں پر مشتمل ہے۔ (۱) محسنات معنویہ یعنی جو اولاً اور بذات معنی کے تحسین کی طرف راجع ہو اگر چہ وہ لفظ کے تحسین کا بھی فائدہ دیتا ہے (۲) محسنات لفظیہ یعنی جو اولاً اور بذات لفظ کے تحسین کی طرف راجع ہو اگر چہ کبھی وہ معنی کے تحسین کا بھی فائدہ دیتا ہے۔

امّا المعنوی فمن المطابقة الخ...... یہاں سے مصنفؒ محسنات معنویہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ محسنات معنویہ کا کل تیس "۳۰" قسمیں ہیں۔(۱) مطابقت (۲) مراعات نظیر (۳) ارصاد (۴) مشاکلت (۵) مزاوجہ (۶) عکس (۷) رجوع (۸) توریہ (۹) استخدام (۱۰) لف نشر (۱۱) جمع (۱۲) تفریق (۱۳) التقسیم (۱۴) الجمع مع التفریق (۱۵) الجمع مع التقسیم (۱۶) الجمع مع التفریق والتقسیم (۱۷) التجرید (۱۸) مبالغہ مقبولہ (۱۹) المذهب الکلامی (۲۰) حسن التعلیل (۲۱) التفریع (۲۲) تاکید المدح بمایشبہ الذم (۲۳) تاکید الذم بمایشبہ المدح (۲۴) الاستتباع (۲۵) الادماج (۲۶) التوجیہ (۲۷) الهزل (۲۸) تجاهل العارف (۲۹) القول بالموجب (۳۰) الاطراد

محسنات لفظیہ کی کل سات قسمیں ہیں.....(۱) الجناس (۲) ردّ العجز علی الصدر (۳) السجع (۴) الموازنہ (۵) القلب (۶) التشریع (۷) لزوم مالایلزم

امّا المعنوی الخ..... مصنفؒ نے محسنات معنویہ کو مقدم کیا اسلئے کہ مقصود اصلی اور غرض اوّلی معانی ہی ہوتے ہیں اور الفاظ تو معانی کے توابع ہیں محسنات معنویہ میں سے پہلی وجہ مطابقت ہے اسکو طباق وتضاد بھی کہتے ہیں۔

مطابقة کی تعریف: ایک کلام میں دو متضاد اور ایک دوسرے کے متقابل معانی کو جمع کیا جائے چاہے یہ تقابل حقیقی ہو جیسے قدوم اور حدوث میں ہوتا ہے یا اعتباری ہو جیسے احیاء اور اماتت میں اور تقابل حقیقی میں چاہے تقابل تضاد کا ہو تقابل تضاد کہتے ہیں کہ دو وجودی امور میں اختلاف ہو جیسے حرکت وسکون، یا تقابل ایجاب وسلب کا ہو یعنی ایک وجودی اور سلبی امور کو جمع کیا جائے لیکن وجودی کا محل نہ ہو جیسے مطلق وجود اور مطلق سلب میں تقابل ہوتا ہے، یا تقابل عدم اور ملکہ کا ہو یعنی ایک وجودی اور سلبی امور کو جمع کیا جائے اور وجودی کا محل موجود ہو جیسے عمٰی اور بصر میں تقابل ہوتا ہے، یا تقابل حقیقی میں تقابل تضایف کا ہو یعنی ایسے دو امور کو جمع کیا جائے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے پر موقوف ہو جیسے ابوّۃ اور بنوت۔

ویکون ذٰلک الجمع الخ..... یعنی ایک کلام میں دو متضاد معانوں کو جمع کرنا یا تو ایسے دو الفاظ کیساتھ ہوگا جو کلمہ کے انواع میں سے ایک نوع سے تعلق رکھتے ہونگے تو اسکی تین قسمیں ہیں۔(۱) یا تو ایک کلام میں دو متضاد معانی کو جمع کرنا دو اسماء

کیساتھ ہوگا جیسے تحسبهم ایقاظاًوهم رقود (۲) یا تو دو فعلوں کیساتھ ہوگا جیسے یُحیی وَیمیت (۳) یا تو دو حرف کیساتھ ہوگا جیسے لها ما کسبت وعلیها ما کتسبت۔

او من نوعین الخ..... یا ایک کلام میں دو متضاد معانی کو جمع کرنا کلمے کے انواع میں سے دو مختلف انواع کیساتھ ہوگا جیسے اَوَمَنْ کَان میتاًفاحییناه۔

وهو ضربان الخ..... یہاں سے مصنفؒ طباق کی تقسیم بیان فرمارہے ہیں (۱) طباق ایجابی (۲) طباق سلبی۔ طباق ایجابی کی تعریف گزرگئی۔

طباق سلبی کی تعریف : کہ ایک مصدر کے دو فعلوں کو جمع کیا جائے جن میں سے ایک مثبت ہو اور دوسرا منفی ہو یا ایک امر ہو اور دوسرا نہی ہو۔ اول کی مثال جیسے ولکن اکثر الناس لایعلمون یعلمون ظاهراً من الحیوة الدنیا الآیۃ۔ دوسرے کی مثال جیسے۔ فلا تخشوا الناس واخشونِ الآیۃ

ومن الطّباق ماسمّاه بعضهم تدبیجا الخ..... مصنفؒ فرماتے ہیں کہ طباق کے اقسام میں سے تدبیج بھی ہے مصنفؒ نے تدبیج کے اقسام میں داخل کیا اور اسکو مستقل وجہ قرار نہیں دیا اسلئے کہ یہ طباق کی تعریف میں داخل ہے۔

تدبیج کی لغوی تعریف : تدبیج دبج المطرُ سے ہے بمعنی مزین کرنا۔

تدبیج کی اصطلاحی تعریف : وہ کلام جو کسی کے حمد وثناء ہجو اور مذمت اور مرثیہ پر مشتمل ہو اور اس میں کنایہ اور توریہ کے قصد وارادہ سے دو یا زیادہ رنگوں کو ذکر کیا جائے تدبیج کنایہ کی مثال جیسے ابوتمام شاعر کا یہ شعر جو اس نے ابونہشل کے شہادت کے دن انکے مرثیہ میں پڑھا تھا۔

تردّی ثیاب الموت حمراً فما اتی :: لها من اللیل الا وهی من سندس خضر :

ابونہشل نے موت کے سرخ کپڑے پہن لئے پس ابھی تک ان سرخ کپڑوں پر رات بھی نہیں آئی تھی کہ وہ سبز ریشم کے ہوگئے۔ ابوتمام نے اس شعر میں دو الوان کا ذکر کیا۔ ۱۔ حمرۃ۔ ۲۔ خضرۃ اور حمرۃ سے کنایۃً قصد وارادہ کیا قتل کا اور خضرۃ سے کنایۃً دخول جنت کا قصد کیا۔ تدبیج توریہ کی مثال جیسے حریری شاعر کا یہ قول۔

فمذ اغبرّ العیش الاخضر وازورّ المحبوب الاصفر اسود یومی الابیض وابیض فؤدی الاسود حتّٰی رثٰی لی العدو الازرق فیاحبذا الموت الاحمر۔

پس جب سے میری خوش عیش اور خوشحال زندگی گردآلود ہوگئی اور پہلے زرد محبوب اشرفیوں نے منہ موڑ کر اعراض کیا اور دوسرا میرا روز روشن تاریک ہوا، اور میرے سر کے دونوں جانب کالے بال سفید ہوئے یہاں تک میرے اوپر سخت دشمن بھی رحم کھانے لگے تو میں سرخ موت کو اچھا سمجھنے لگا۔ محبوب اصفر محل استشہاد ہے اس عبارت میں محبوب اصفر کا معنی قریبی تو انسان ہے جس کے رنگ میں زردی ہو اور اس کے معنی سونے کے بھی آتا ہے اور یہ اسکا معنی بعیدی ہے اور یہاں پر بھی بعیدی مراد ہے اور لفظ کے معنی قریبی کو ترک کر کے معنی بعیدی مراد لینا توریہ کہلاتا ہے۔

ویلحق به الخ..... یہاں سے مصنفؒ طباق کے ملحقات کو بیان فرمارہے ہیں طباق کیساتھ دو چیزیں ملحق ہے (۱) کہ کلام میں ایسے دو معانی کو جمع کیا جائے کہ ان میں سے ایک کا دوسرے کے مقابل کیساتھ سببیت اور لزوم کا تعلق ہو جیسے اشداء علی الکفار رحماء بینھم الآیۃ اس مثال میں رحمت اور شدت کے درمیان کوئی تقابل نہیں ہے البتہ رحمت مسبب ہے لین کا اور لین اور شدت کے درمیان تقابل موجود ہے۔ (۲) کہ ایک کلام میں ایسے دو معانی کو جمع کیا جائے کہ جن میں کوئی تقابل نہ ہو لیکن ان کو ایسے الفاظ کیساتھ تعبیر کیا جائے کہ ان الفاظ کے معانی حقیقیہ میں تقابل ہو جیسے شاعر کا یہ شعر۔

لاتعجبی یاسلمی من رجل :: ضحک المشیب برأسه فبکی :

اے سلمی اس شخص کو دیکھ کر حیران نہ ہو اور تعجب نہ کر (اپنا ارادہ ہے شاعر کا) جسکے سر پر بوڑھاپا ہنسا (یعنی بڑھاپا مکمل ظاہر ہوا) پس وہ شخص رو پڑا۔ تبصرہ اس مثال میں ظہور مشیب یہ بکی کا مقابل نہیں ہے مگر اس کو شاعر نے ضحک کے لفظ کیساتھ تعبیر کیا اور ضحک اور بکاء کے معانی حقیقیہ میں تقابل ہے اور اس دوسرے کو ایہام تضاد بھی کہا جاتا ہے۔

دخل فیه الخ.... طباق کی تعریف مذکورہ کی بناء طباق میں مقابلہ بھی داخل ہوا

مقابلہ کی تعریف : کہ دو یا زیادہ موافق معانی کو لایا جائے ان کے

بعد پھر ترتیب کیساتھ ان کے متقابلات کوذکر کیا جائے جیسے اسکی مثال جسمیں دو معانی کا تقابل دو کیساتھ ہو فَلْيَضْحَكُوا قليلا والييبكوا كثيرا الخ۔ اس مثال میں اللہ تبارک وتعالی ضحک اور قلت لیکر آئے جوکہ موافق ہے۔ اس کی مثال جسمیں تین معانی کا مقابلہ تین کیساتھ ہو جیسے ابودلامہ کا یہ شعر۔

ما احسن الدين والدنيا اذا اجتمعا :: واقبح الكفر والافلاس بالرّجل :

کتنا ہی اچھا ہے دین اور دنیا جب جمع ہو جائے اور کتنا ہی بُرا ہے کفر اور فقیری آدمی کیساتھ۔

اس شعر میں شاعر سب سے پہلے حسن دین اور مالداری کولیکر آئے اور پھر ترتیب کیساتھ ان کے متقابلات قبح کفر، اور افلاس کوذکر کیا۔

ومقابلة الاربعة بالاربعة الخ.....اور جہاں پر چار کا مقابلہ چار کیساتھ ہو اسکی مثال جیسے اللہ کا قول فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فسنيسّره لليسرى الخ .....امّا من بخل واستغنىٰ وكذّب بالحسنىٰ فسنيسره للعسرىٰ الخ .... تو اس آیت میں چاروں چیزوں میں تقابل ظاہر ہے کیونکہ بخل مقابل ہے اعطاء کا اور استغناء مقابل اتقاء کا ہے تکذیب مقابل ہے تصدیق کا اور عسر مقابل ہے یسر کا مگر ان چاروں میں اتقاء اور استغناء کے درمیان تقابل میں تھوڑی سی خفاء ہے (۱) چنانچہ مصنفؒ نے اسکی وضاحت فرمائی ہے کہ استغناء سے مراد یہ ھیکہ ثواب اخروی سے بے پرواہ ہو جانا اور آدمی ثواب اخری سے بے پرواہ ہو جاتا ہے تو گویا کہ وہ مستغنی اور بے نیاز ہے اس وجہ سے وہ اللہ سے نہیں ڈرتا۔ (۲) یا استغناء سے مراد یہ ھیکہ انسان دنیوی شھوات میں پھنس کر جنت کی نعمتوں سے بے نیاز ہو جائے تو اس وجہ سے وہ اللہ سے نہیں ڈرتا تو گویا کہ استغناء نام ہے عدم اتقاء کا اور اتقاء اور عدم اتقاء کے درمیان تقابل اور تضاد موجود ہے تو یہ اَشِدَّاءُ علی الکفار رحماء بینھم کے قبیل سے ہوگا۔

وزاد السکاکی الخ.....یہاں سے مصنفؒ فرماتے ھیکہ امام سکاکی نے مقابلہ کی تعریف میں اور قید کا بھی اضافہ کیا ہے کہ دو یا زیادہ موافق اشیاء کے متقابلات کوذکر کرنے کیساتھ ان کے اضداد کو بھی ذکر کیا جائے تو یہاں پر اس آیت میں امام سکاکی فرماتے ھیکہ جیسے اعطاء، اتقاء اور تصدیق میں تیسیر مشترک ہے ویسے ہی بخل استغناء اور تکذیب

میں عسر مشترک ہے۔

(۲) ومنہ مراعاۃ النظیر الخ....اور محسنات معنویہ میں سے دوسری وجہ ایک مراعاۃ نظیر ہے اسکو تناسب توافق ،ائتلاف اور تلفیق بھی کھا جاتا ہے

مراعات نظیر کی لغوی تعریف : اسکا لغوی معنی ہے کہ مثال اور تشبیہ کی رعایت کرنا۔

مراعات نظیر کی اصطلاحی تعریف : کھا جاتا ہے کہ ایک شئ کو اس کے مناسب کیساتھ ایک کلام میں جمع کر کے ذکر کیا جائے اور یہ جمع کرنا تضاد کی طور پر نہ ہو چنانچہ اس سے طباق نکل گیا مثال جیسے الشمس والقمر بحسبانٍ الخ....اور کبھی ایک کلام میں تین مناسب اشیاء کو جمع کیا جایگا جیسے بختری شاعر کا یہ شعر جس میں انہوں نے اونٹوں کی مدح وثناء اور تعریف بیان کی ہے۔ کالقسی المعطفاتِ بل الاسھم مبریۃ بل الاوتار الخ....وہ اونٹ ٹیڑھے کمانوں کی طرح ہے نہیں نہیں بلکہ وہ تو چھلے ہوئے تیروں کی طرح ہے نہیں نہیں بلکہ وہ تو اوتار کی طرح کمزور ہے۔

فائدہ : اوتار جمع ہے وتر کا یہ اس دھاگہ کو کھتے ھیکہ جس سے کمان کے دونوں سرو کو باندھا جاتا ہے۔

منہا مایسمیہ بعضھم تشابہ الاطراف الخ....مصنفؒ فرماتے ھیکہ مراعاۃ النظیر میں سے تشابہ اطراف بھی ہے۔

تشابہ اطراف کی تعریف : کہ کلام کو ایسے لفظ کیساتھ ختم کیا جائے جو معنی کے اعتبار سے ابتدائی لفظ کے مناسب ہو جیسے لاتدرکہ الابصار وھو یُدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر ۔تو اس مثال لطیف یہ غیر مدرک بالابصار کے مناسب ہے اور خبیر یہ مناسب ہے اس بات کا کہ اللہ تعالی کی ذات عالی مدرک للابصار اسلئے کہ جو کسی چیز کو پانے والا ہوتا ہے تو وہ اس کے بارے میں جانتا بھی اور اسکے بارے میں خبر بھی رکھتا ہے۔

ویلحق بھا الخ...یہاں سے مصنفؒ مراعاۃ النظیر کے ملحقات بیان فرمارہے ہیں کہ ایک کلام میں ایسے دو معانی کو جمع کیا جائے کہ ان دونوں معانوں میں کوئی مناسبت موجود نہ

ہولیکن ان کو ایسے الفاظ کیساتھ ذکر کیا جائے کہ ان دونوں لفظوں کے معانوں میں مناسبت موجود ہو جیسے قرآن میں ہے۔ الشمس والقمر بحسبان ٥ والنجم والشجر یسجدان ٥ اس آیت میں نجم سے مراد سبزیاں ہیں وغیرہ یعنی وہ گھاس جس کا تنانہ ہو تو نجم اس معنی کے لحاظ اگر چہ شمس وقمر کے مناسب نہیں ہے لیکن یہ کبھی ستارے کے معنی میں بھی آتا ہے اور وہ شمس وقمر کے مناسب ہے اسکا نام ایہام تناسب رکھا جاتا ہے۔

(۳) وَمنہ الارصاد الخ ..... یہاں سے مصنف محسنات معنویہ کی تیسری وجہ بیان فرمارہے ہیں اور وہ ارصاد ہے۔

ارصاد کی لغوی معنی : کہ نگہبان کو راستے میں کھڑا کرنا ارصاد کو تسہیم بھی کہتے ہیں۔

ارصاد کی اصطلاحی تعریف : کلام منثور میں فقرہ سے قبل یا کلام منظوم میں شعر کے آخری حرف سے پہلے ایسے لفظ کو ذکر کیا جائے جو عجز یعنی فقرہ کے آخری کلمے یا شعر کے آخری کلمے پر دلالت کررہا ہو جبکہ حرف روی معلوم ہو حرف روی اس حرف کو کہا جاتا ہے کہ جس پر ابیات کے اواخر اور فقروں کے اواخر مبنی ہو فقرے میں ارصاد کی مثال جیسے وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔ اس مثال میں لیظلمھم ارصاد ہے اور وہ مادّہ عجز ظلم پر دلالت کررہا ہے۔ شعر میں ارصاد کی مثال جیسے عمرو بن معدیکرب کا یہ شعر۔

اذالم تستطع شیئاً فدعہٗ وجاوزہ الی ماتستطیع :

جب تو کسی کام کو نہ کرسکے تو اس کو چھوڑ دو اور اس کی طرف بڑھ جا جو تو کرسکتا ہے۔

اس شعر میں تستطع ارصاد ہے اسلئے کہ وہ دال ہے اسبات پر کہ مادہ عجز استطاعت ہے اور حرف روی کی معرفت یہ دلالت کررہی ہے اسبات پر کہ اس مادہ کے آخر میں عین اور اس سے قبل یاء آتا ہے اور ظلم میں حرف روی کی معرفت یہ دال ہے اس بات پر کہ اس کے آخر میں واؤ کے بعد نون آتا ہے۔

(۴) ومنہ المشاکلۃ الخ ..... محسنات معنویہ میں سے چوتھی وجہ مشاکلت ہے۔

لغوی معنی : ہم شکل ہونا ہے۔

اصطلاحی تعریف :اور اصطلاح میں کسی شئی کو ایسے لفظ کیساتھ ذکر کرنا جو اس کیلئے وضع کیا گیا ہو اس وجہ سے وہ شئی غیر کی صحبت میں واقع ہے چاہے یہ واقع ہونا غیر کے صحبت میں متحقق ہو یا مقدر رہو وقوع متحقق کی مثال جیسے شاعر کا یہ شعر

قالوا اقترح شیأ نجد لک طبخه :: فقلت اطبخوالی جبّۃ وقمیصاً :

لوگوں نے کھا کہ بے سوچ کسی چیز کو طلب کیجئے ہم تیرے لئے اس کو اچھا پکا دیں گے پسمیں نے کھا کہ میرے لئے جبہ اور قمیص پکا دے۔(یعنی میرے لئے جبہ اور قمیص سی لیجئے) تو اس شعر میں جبہ اور قمیص کے سینے کو شاعر نے طبخ کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا اسلئے کہ طبخ طعام کی صحبت میں واقع ہے۔دوسری مثال تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک یہاں اس آیت میں اللہ کی ذات پر نفس کا اطلاق کیا گیا اسلئے کہ یہ نفسی کے صحبت میں واقع ہے -[۲] یہاں سے مصنفؒ مشاکلہ کی دوسری قسم بیان فرمارہے ہیں اور وہ یہ ھیکہ کسی شئی کو ایسے لفظ کیساتھ ذکر کیا جائے جو اس کیلئے وضع نہ کیا گیا بوجہ غیر کی صحبت میں واقع ہونے کے تقدیراً جیسے قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا ے صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة ونحن لہ عابدون تک۔یہاں اس آیت میں صبغۃ اور یہ تاکید ہے اٰمنا باللہ یعنی تطہیر اللہ کیلئے اسلئے کہ ایمان دلوں کو پاک کرتی ہے تو اٰمنا یہ تطہیر اللہ والے معنی پر مشتمل ہوگا کہ مسلمان کے دل کو پاک کرتی ہے اور صبغۃ اللہ کے معنی بھی تطہیر اللہ کے ہے اور یہ اٰمنا کے مضمون کی تاکید ہے تو مصنفؒ نے والاصل سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں پر تطہیر اللہ جس کو اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یہ اس چیز کی صحبت میں واقع ہے جسے تقدیراً صبغ کیساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے وہ یہ ھیکہ نصاریٰ اپنی اولاد کو زعفران کی طرح پیلے پانی میں داخل کرتے جس کو وہ معمودیہ کا نام دیتے تھے یہ وہ پانی ہے جس میں حضرت عیسیٰ کو ولادت کے تیسرے دن غسل دیا گیا تھا چنانچہ نصاریٰ جتنا پانی اس سے استعمال کرتے اس میں اتنا اور ملا دیتے اور اسمیں نمک بھی ڈالتے تھے تاکہ پانی کا رنگ طول زمان کی وجہ سے متغیر نہ ہو اور کھا جاتا ہے کہ وہ پانی اب تک باقی ہے نصاریٰ کا یہ عقیدہ ھیکہ جب کسی نومسلم یا نومولود بچے کو اسمیں غوطہ دیا جاتا ہے تو وہ تمام ادیان سے پاک ہوجاتا ہے اور کھتے ہیں کہ اب یہ پکا نصرانی بن گیا تو اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ نصاریٰ سے کھے کہ اے نصاریٰ اٰمنا کھا کرے کہ اللہ تو ہمیں پاک کرے ایمان کے

ذریعے اور یا اللہ تو ہمیں ایمان کے رنگ کیساتھ رنگ دے۔

کہ وہ رنگ ہمارے رنگوں کی طرح نہیں اور وہ پاکی ہماری پاکی کی طرح نہیں یہ معنی اسوقت ہے کہ جب خطاب نصاریٰ سے ہو اگر خطاب مسلمانوں سے ہو تو مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ یا اللہ تو ایمان کے رنگ کیساتھ رنگدے اور اللہ نے ہمیں ایمان کے رنگ کیساتھ رنگدیا یا تو خلاصہ یہ ہیکہ صبغہ کا لفظ نہ کلام اللہ میں مذکور ہے اور نہ نصاریٰ کے کلام میں لیکن چونکہ وہ اپنے اولاد کو اس پانی میں ڈبو دیا کرتے تھے جو کہ صبغہ اور رنگ دینے سے عبارت ہے اور آیت اس فعل کے سیاق میں نازل کیا گیا ہے اس وجہ سے ایمان کو صبغۃ اللہ کیساتھ مشاکلت کی وجہ سے تعبیر کیا اس قرینہ حالیہ کی وجہ سے جو کہ اس آیت کا سبب نزول ہے۔

﴿۵﴾ ومنه المزاوجه الخ.... محسنات معنویہ میں پانچویں وجہ مزاوجہ ہے۔ لغت میں جوڑنا۔

اصطلاحی تعریف : دو معانوں کو شرط اور جزا کی صورت میں ایسے امر میں جمع کیا جائے کہ جو ان میں سے ایک پر مرتب ہو وہی دوسرے پر بھی مرتب ہو جیسے بحتری کا یہ قول۔ اذا مانهی الناهی فلج بی الهوی :: اصاخت الی الواشی فلج بها الهجر : جب مجھے روکنے والے نے روکا محبوبہ کی محبت سے تو مجھے محبت لازم ہوگئی اور محبوبہ نے چغلخور کی طرف کان لگا کر سنا اور چغلخور میرے بارے میں جو چغلخوری کی تھی تو محبوبہ نے اس کی تصدیق کردی تو پس اس کو مفارقت اور جدائی لازم ہوگئی۔ یہاں پر شاعر نے اس شعر میں نھی الناھی اور محبوبہ کی اصاخت الی الواشی کو جمع کیا جو شرط و جزاء کی صورت میں واقع ہے اس طور پر کہ ان دونوں میں سے ہر ایک پر شی کا لزوم مرتب ہے۔

﴿۶﴾ ومنه العكس الخ..... محسنات معنویہ میں سے چھٹی وجہ عکس اور تبدیل ہے۔

لغوی معنی : تبدیلی کے آتے ہے۔

اصطلاحی تعریف : عکس کہا جاتا ہے کہ کلام میں ایک جزء کو دوسرے پر مقدم کیا جائے اور پھر اس مقدم کو مؤخر کیا جائے۔ عکس وتبدیل کی تین قسمیں ہیں۔ [۱] عکس وتبدیل جملے کے دو طرفین میں سے ایک میں اور اسکے مضاف الیہ میں واقع ہو جیسے۔ عادات السادات سادات العادات : تو عادات کلام کے دو طرفوں میں سے ایک ہے اور سادات اسکا مضاف الیہ ہے پھر ان میں عکس کیا گیا کہ پہلے عادات سادات

پر مقدم تھا اور پھر سادات کو عادات پر مقدم کیا گیا۔[۲] کہ دو جملوں میں دو فعلوں کے دو متعلقوں میں عکس وتبدیل واقع ہو جیسے۔ یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی اس مثال میں حی اور میت یخرج کے دو متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ نے پہلے حی کو میت پر مقدم کیا اور پھر میت کو حی پر مقدم کیا۔[۳] کہ دو جملوں کے طرفین کے دو لفظوں میں عکس وتبدیل واقع ہو جیسے لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن اس مثال میں اللہ نے اول ھن کو ھم پر مقدم کیا اور پھر ھم کو ھن پر مقدم کیا جو کہ مؤخر تھا اور یہ ایسے دو لفظ ہیں کہ ان میں سے ایک لفظ مسندالیہ کے جانب واقع ہے اور دوسرا مسند کی جانب میں واقع ہے۔

(۷) **ومنه الرّجوع** الخ..محسنات معنویہ میں سے ساتویں وجہ رجوع ہے لغوی معنی ہے لوٹنا
اصطلاحی تعریف: کہتے ہیں رجوع میں کلام سابق کی طرف لوٹنا ہوتا ہے اس کو باطل کرنے کیساتھ کسی نکتہ کی وجہ سے جیسے شاعر کا یہ شعر۔

قف بالدّیار التی لم یعفها القدم : بلی وغیّرھا الارواح والدّیم :

تو ان گھروں کے پاس ٹھہر جا جنکو امتداد وقت اور مرور زمانہ نے خراب نہیں کیا ہے اور نہ مٹایا ہے کیوں نہیں بلکہ ان گھروں کو تو تیز ہواؤں نے اور انتہائی تیز بارشوں نے تبدیل کر دیا ہے۔ تو اس شعر میں پہلے شاعر نے یہ کہا کہ ان کو امتداد وقت اور مرور زمانہ نے خراب نہیں کیا پھر اپنے پہلے والے کلام کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو باطل کرتے ہے کہ کیو نہیں بلکہ ان گھروں کو تو تیز ہواؤں نے اور بارشوں نے خراب کر دیا ہے اسمیں نکتہ اپنی حیرانگی اور تعجب کا اظہار ہے۔

(۸) **ومنه التوریه** الخ.....محسنات معنویہ میں سے آٹھویں وجہ توریہ ہے لغوی معنی ہے چھپانا
اصطلاحی تعریف: یہ ہیکہ کسی ایسے لفظ کا اطلاق کر دیا جائے کہ جس کے دو معانی ہو اور کسی خفی قرینہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسکے معنی قریبی کو ترک کر کے معنی بعیدی کو مراد لیا جائے توریہ کی دو قسمیں ہیں (۱) مجردہ (۲) مرشحہ [۱] توریہ مجردہ یہ ہیکہ جو معنی قریبی کے مناسبات میں سے کسی مناسب کیساتھ جمع نہ ہو جیسے الرحمٰن علی العرش استوٰی۔ یہاں پر استوی کے دو معنی ہیں معنی قریبی استقراء کے ہے اور معنی بعیدی بلندی کے ہے اور بعیدی

والا معنی قریبی یعنی استقراء کے مناسبات میں سے کسی بھی مناسب کیساتھ مقترن نہیں ہوتا۔[۲] توریہ مرشحہ یہ ھیکہ معنی بعیدی معنی قریبی کے مناسبات اور لوازم میں سے کسی مناسب کیساتھ مقترن ہو جیسے والسماء بنینھا باید... یہاں پر اید کے معنی قریبی تو ہاتھ کے ہے لیکن معنی بعیدی قدرت کے ہے اور معنی بعیدی یعنی قدرت ہی یہاں پر مراد ہے اور وہ معنی بعیدی معنی قریبی کے مناسبات کیساتھ مقترن ہے اور وہ بنینھا ہے اسلئے کہ بنانا یہ ہاتھ کے مناسبات میں سے ہے اور یہ سارے تکلفات اہل ظواہر کے مفسرین کے مسلک پر مبنی ہے ورنہ یہ دونوں ایت اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کی تحمید وتصویر ہے بغیر اس کے کہ مفردات وکلمات میں حقیقت ومجاز کا تکلف کیا جائے۔

﴿۹﴾ **ومنه الاستخدام** الخ..... اور محسنات معنویہ میں سے نویں وجہ استخدام ہے لغت میں خدمت لینا

اصطلاحی تعریف: یہ ھیکہ ایک لفظ کے دو معنی ہو اور اس لفظ سے ایک معنی کا ارادہ کیا جائے اور اس لفظ کی طرف لوٹنے والے ضمیر سے دوسرے معنی کا ارادہ کیا جائے یا ایک لفظ کی طرف دو ضمائر لوٹ رہی ہو ایک ضمیر سے ایک معنی اور دوسرے ضمیر سے دوسرے معنی کا ارادہ کیا جائے اوّل کی مثال جیسے جریر شاعر کا یہ شعر۔

اذانزل السماء بارض قوم :: رعیناه وان کانواغضاباً :

جب بارش کسی قوم کی زمین پر اترتا ہے تو ہم جانوروں کو اس گھاس پر چراتے ہیں اگرچہ وہ ناراض اور غصہ ہو۔

یہاں اس شعر میں شاعر نے السماء سے بارش کا ارادہ کیا ہے اور رعیناہ کے ضمیر سے گھاس کا ارادہ کیا ہے۔ دوسرے کی مثال جیسے بحتری کا یہ شعر۔

فسقی الغضاء والساکنیه وان هم :: شبوه بین جوانحی وضلوعی :

پس اللہ جھاؤں کی درخت اور اسکے رہنے والوں کو سراب کردے اگرچہ انہوں نے آگ جلا رکھی ہے میرے پسلیوں اور کمر کے درمیان۔ اس شعر میں غضاء لفظ کی طرف دو ضمائر لوٹ رہی ہے ایک الساکنیہ میں اور دوسرا شبوہ میں لیکن شاعر نے الساکنیہ میں ۂ ضمیر سے وہ جگہ مراد لی ہے جس میں غضاء کے درخت کثرت سے پائی جاتی ہو اور شبوہ کے

ہ ضمیر سے شاعر نے آگ کا ارادہ کیا ہے جو کہ غضاء کے درخت کو جلا کر حاصل ہوتا ہے۔
نوٹ : غضاء ایک قسم کا درخت ہے جو ایک مرتبہ آگ کو پکڑے تو وہ آگ دیر تک نہیں بجھتی۔

(۱۰) ومنه اللف والنشر الخ...محسنات معنویہ میں سے دسویں جہ لف نشر ہے
لف لغت میں لپیٹنا اور نشر پھیلانا۔

لف نشر کی اصطلاحی تعریف: یہ ھیکہ چند چیزوں کو اجمالاً یا تفصیلاً ذکر کرنا پھر اس متعدد کے آحاد میں ہر ایک کیلئے بغیر تعیین کے اس کے مناسب کو ذکر کرنا اعتماد کرتے ہوئے سامع پر کہ سامع اس متعدد کے آحاد میں سے ہر ایک کی طرف اس کے مناسب کو لوٹا دیگا اسلئے کہ سامع قرائن لفظیہ یا معنویہ کی وجہ سے جانتا ہے اول کی قسم جس میں متعدد اشیاء کو تفصیل سے ذکر کیا جائے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) یا تو لف نشر کے ترتیب پر ہوگا (۲) یا نہیں ہوگا۔ اگر نشر کے ترتیب پر ہو اس کی مثال جیسے ومن رحمته جعل الخ..اس آیت میں اللہ نے لیل ونہار کو تفصیل کیساتھ ذکر کیا تو جیسے لپیٹنا تھا ویسے پھیلانا شروع کر دیا چنانچہ اللہ نے رات کیلئے سکون مناسب کو ذکر کیا اور دن کیلئے ابتغاء من فضل اللہ یعنی رزق کو طلب کرنا ذکر کیا ترتیب کیساتھ اور اگر نشر لف کے ترتیب پر نہ ہو تو پھر اس کی دو قسمیں ہیں (۱) یا تو وہ بالکل معکوس الترتیب ہوگا (۲) یا ترتیب مختلط ہوگا اول کی مثال جیسے شاعر کا شعر۔

کیف اسلو وانت حقفٌ وغصنٌ وغزالٌ : لحظاً وقداً وردفاً

اے محبوبہ میں تجھ سے کیسے صبر کروں حالانکہ تو ریت کا تودا ہے اور تو درخت کی شاخ ہے اور ہرنی ہے آنکھ کے اعتبار سے قد کے اعتبار سے اور سرین کے اعتبار سے۔ پس آنکھ ہرنی کیلئے ہے اور قد شاخ کیلئے اور سرین تودے کیلئے ہے۔ ثانی کی مثال جیسے۔

ھو شمس واسدٌ ومجرٌ :: جوداً وبہاءً وشجاعةً

وہ ممدوح سورج اور شیر اور سمندر ہے سخاوت کے اعتبار سے خوبصرتی کے اعتبار سے شجاعت کے اعتبار اس مثال میں جود سمندر کے مناسب اور بہاء شمس کے مناسب اور شجاعت اسد کے مناسب ہے۔

والثانی وھو الخ..لف نشر کی دوسری قسم یہ ھیکہ متعدد اشیاء کو ذکر کیا جائے پھر ان میں سے ہر ایک کے مناسب کو ذکر کیا جائے اجمالاً بغیر تعیین کے جیسے وقالوا لن یدخل

الجنۃ الخ .....قالوامیں ضمیر یہودونصاریٰ کی طرف راجع ہے اس آیت میں اللہ نے سب سے پہلے یہودونصاریٰ کا تذکیرہ کیا اجمالاً اس ضمیر کے ذریعے جو ان دونوں جماعتوں کی طرف راجع ہے اور پھران میں سے ہرایک کے مقولہ کوذکرکیا اجمالاً عدم التباس کیوجہ سے اوراعتماد کرتے ہوئے سامع پرکہ سامع خود ہی ان جماعتوں میں سے ہر جماعت کی طرف اس کے مقولہ کولوٹادیگا اس لئے کہ سامع اس بات کو یقین سے جانتاہے کہ ان گروپوں میں سے ہرگروپ اپنے مخالف کوگمراہ مانتاہے اور یہ اعتقاد رکھتاہے کہ جنت میں داخل ہونے والے ہم ہی ہے ہونگے اور ہمارا مخالف جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

من غریب اللف والنشر الخ...مصنفؒ یہ فرماتے ہیکہ لف ونشر کے اقسام میں سے ایک قسم یہ بھی ہیکہ دو یا زیادہ متعدد چیزوں کوذکرکیاجائے اورپھر نشر واحد میں اس متعدد کے آحاد کے مناسب کوذکرکیاجائے جیسے اراحۃ والتعب والعدل والظلم قد سدمن ابوابھاماکان مفتوحاً وفتح من طرقھاماکان مسدوداً : راحت ومصیبت عدل وانصاف اور ظلم کے جو دروازے کھلے ہوئے تھے تحقیق ان کوبند کردیاگیا اور جو بند تھے ان کوکھول دیاگیا۔

(۱۱)**ومنہ الجمع** الخ...محسنات معنویہ میں سے گیارہویں وجہ جمع ہے کہ دو یا زیادہ متعدد اشیاء کوایک حکم میں جمع کیاجائے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیکہ المال والبنون زینۃ الحیوٰۃ الدنیا الخ.اورابوعتاھیہ کایہ شعر جسمیں مشاجع بن مسعدہ کومخاطب کرتے ہوئے کہتے ہے

ان الشباب والفراغ والجدۃ : مفسدۃ للمرء مفسدۃ :

کہ بے شک شباب وفراغت اور مالداری یہ مکمل طور پر آدمی کوتباہ کرتے ہے۔

(۱۲)**ومنہ التفریق** الخ..محسنات معنویہ میں سے بارویں وجہ تفریق ہے ایک نوع کے دو امور مین تباین بیان کرناہے جیسے وطواط کایہ شعر۔

مانوال الغمام وقت ربیع : کنوال الامیر وقت سخاء :

فنوال الامیر بدرۃ عین : ونوال الغمام قطرۃ ماءِ:

بادلوں کی سخاوت موسم ربیع میں ممدوح امیر کے سخاوت کی طرح نہیں ہے جس دن وہ

سخاوت کرتا ہے اسلئے کہ امیر کی سخاوت تو دس ہزار دراہم کی تھیلی ہے اور بادلوں کی سخاوت ایک قطرہ پانی ہے۔

〈۱۳〉**ومنہ التقسیم** الخ ...اور محسنات معنویہ میں سے تیرھویں وجہ تقسیم ہے لغوی معنی تقسیم کرنا

اصطلاحی تعریف: یہ ہیکہ چند متعدد چیزوں کو ذکر کیا جائے اور علی التعیین ان میں سے ہر ایک کی طرف اس چیز کو منسوب کیا جائے جو اس کا مناسب ہے تعیین کے قید سے لف نشر خارج ہوا اسلئے کہ تقسیم میں تعیین ہوتا ہے اور لف ونشر میں نہیں ہوتا مثال جیسے متلمس جریر کا یہ شعر۔

ولا یقیم علی ضیمٍ یرادبه : الا الاذلان عیر الحی والوتد:

هذا علی الخسف مربوط برمته : وذا یشج فلا یرثی له احدٌ:

ایسے ظلم کی جگہ کوئی نہیں ٹھہرتا جس ظلم کا ارادہ اس کے ساتھ کیا جاتا ہے سوائے دو ذلیلوں کے ان میں سے ایک گدھا اور دوسرا میخ ہے وہ گدھا تو ذلت کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی پرانی رسی کے ساتھ باندھا جاتا ہے اور یہ میخ کہ زخمی کر دیا جاتا ہے اس کے سر کو پس اس پر کوئی رحم ہی نہیں کھاتا۔

〈۱۴〉**ومنہ الجمع مع التفریق** الخ ....اور محسنات معنویہ میں سے چودھویں وجہ جمع مع التفریق ہے اور وہ یہ ہیکہ دو چیزوں کو ایک معنی میں داخل کیا جائے لیکن جہت ادخال میں دونوں میں تفریق اور جدائی بیان کیا جائے جیسے وطواط کا یہ شعر۔

فوجهک کالنار فی ضوئها : وقلبی کالنار فی حرها

اے محبوب تیرا چہرہ آگ کی طرح ہے روشنی میں اور چمکنے کے اعتبار سے اور میرا دل آگ کی طرح ہے گرمی اور جلنے کے اعتبار سے ۔ یہاں اس شعر میں شاعر نے اپنے دل اور محبوب کے چہرے کو داخل کیا اس بات میں کہ وہ دونوں آگ کی طرح ہے لیکن جہت ادخال میں دونوں میں فرق بھی بیان کر دیا اس طور پر کہ آگ اور محبوب کے چہرے میں وجہ شبہ روشنی اور چمک ہے اور آگ ودل کے درمیان وجہ شبہ گرمی اور جلنا ہے۔

〈۱۵〉**ومنہ الجمع مع التقسیم** الخ.....محسنات معنویہ میں سے

پندرھویں وجہ جمع مع التقسیم ہے اور وہ یہ ھیکہ چند متعدد اشیاء کو ایک حکم کے تحت جمع کیا جائے اور پھر اس کو تقسیم کیا جائے یا پہلے چند متعدد اشیاء کو تقسیم کیا جائے اور پھر ان کو ایک حکم کے تحت جمع کیا جائے اول کی مثال جسمیں جمع مع التقسیم ہو جیسے متنبی کا یہ شعر۔

حتی اقام علی ارض خرشنة : تشقی بهاالروم والصلبان والبیع :
للسبی مانکحواوالقتل ماولدوا : والنهب ماجمعواوالنارمازرعوا :

یہاں تک کہ وہ ممدوح سیف الدولہ مقیم ہوا شہر خرشنہ کے سور وحصار کے پاس کہ بد بخت ہو رہے ہیں اس کی وجہ سے رومی اور صلیبے اور گرجے پس قید ہونے کی وجہ سے انہوں نے نکاح نہیں کئے اور قتل ہونے کی وجہ سے انہوں نے بچے نہیں جنے اور چین جانے کی وجہ سے انہوں نے مال کو جمع نہیں کیا اور آگ کی وجہ سے انہوں نے کاشت نہیں کیا۔ تو شاعر نے اس شعر میں سب سے پہلے رومیوں کے مردوں اور عورتوں اور ان کے بچوں اور ان کے اموال اور کھیتیوں کو ایک حکم میں جمع کیا اور وہ بدبختی ہے اور پھر اس کو للسبی مانکحوا سے تقسیم کیا تقسیم مع الجمع کی مثال جیسے حسان بن ثابتؓ کا یہ شعر صحابہؓ کے مدح وثنا اور تعریف کے بیان میں:

قوم اذاحاربواضروعدوهم : اوحاولواالنفع فی اشیائهم :
نقغواسجیة فیهم غیرمحدثة : ان الخلائق فاعلم شرهاالبدع :

یہ صحابہؓ ایک ایسی قوم ہے کہ جب وہ لڑتے ہے تو دشمن کو نقصان پہنچاتے ہیں اپنے متبعین اور مدد کرنے والوں کو نفع پہنچانے کا ارادہ کرے تو ان کو نفع پہنچاتے ہیں اور یہ نفع پہنچانا دوستوں کو اور دشمنوں کو نقصان پہنچانا یہ ان کی طبیعت اور فطرت ہے کوئی نئی بات نہیں۔ بیشک مخلوق میں پس جان لے تو کہ نئی چیز بری ہوتی ہے تو حضرت حسان بن ثابتؓ اس شعر میں صحابہؓ کی صفات کو اول تقسیم کیا کہ وہ دشمنوں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور دوستوں کو نفع پہنچاتے ہیں پھر ان کو جمع کیا کہ یہ ان کی فطرت اور طبیعت میں رچ اور بس ہو چکا ہے۔

(۱۶) ومنه الجمع مع التفریق والتقسیم الخ ......محسنات معنویہ میں سے سولویں وجہ جمع مع التفریق والتقسیم ہے کہ دو یا زیادہ متعدد اشیاء کو اول ایک حکم کے

تحت جمع کیا جائے پھران میں تفریق اور تقسیم کیا جائے جیسے یوم یاتی لاتکلم نفس الاباذنہ فمنھم شقی وسعیدفاماالذین شقواففی النارلھم فیھازفیروشھیق خالدین فیھامادامت السموات والارض الاماشاء ربک ان ربک فعال لمایریدواماالذین سعدوافی الجنۃخالدین فیھامادات السموات والارض الاماشاء ربک عطاءغیرمجذوذ٥

اس آیت میں اللہ نے سب سے پہلے سارے نفوس کوعدم تکلم میں جمع کیا پھران میں تفریق وتباین کوبیان کیا کہ ان میں بعض بدبخت ہونگے اور بعض نیک بخت ہونگے پھرآگے اللہ نے تقسیم بیان کی اس طورپرکہ بدبختوں کی طرف ان کے مناسب کوعذاب جھنم کومنسوب کیااور نیک بختوں کی طرف جنت کومنسوب کیا۔

وقدیطلق التقسیم الخ ..... یہاں سے مصنفؒ یہ بات فرماناچاھتے ھیکہ تقسیم کااطلاق دواشیاءپربھی ہوتا ہے یعنی تقسیم کی دواقسام اوربھی ہیں (۱) کہ ایک چیز کےاحوال کوذکرکیاجائے اوران احوال میں سے ہرحالت کی طرف اس کے مناسب کومنسوب کیاجائے جیسے متنبی کا یہ شعر۔

ساطلب حقی بالقناء ومشایخا لخ..... متنبی کھتاہے عنقریب میں حق لونگانیزوں اوراپنے مشائخ کے ذریعے گویا کہ بے شک میرے وہ مشائخ دوام برقع پوشی کے امرد ہے وہ بوجھل اورگراں ہے دشمنوں پرحملہ کرنے کی وجہ سے جب وہ دشمنوں سے لڑتے ہیں وہ ھلکے ہیں جب ان کومدد کیلئے پکاراجائے (وہ جلدی ڈوڑتے ہیں) جب ان کودشمنوں کے مقابلے کیلئے بلایاجائے وہ بہت معلوم ہوتے ہیں جب حملہ کرتے ہیں (ان میں سے ایک بھی جماعت کا قائم مقام ہے) اوروہ تھوڑے ہیں جب ان کوشمار کیاجائے۔

(۲) کہ ایک شی کے سارے کے سارے اقسام کوایک ساتھ جمع کیاجائے جیسے یھب لمن یشاء اناثاویھب لمن یشاء الذکور٥ اویزوجھم ذکراناواناثاویجعل من یشاء عقیما: اسلئے کہ انسان کے یاتواولادہی نہیں ہونگے اوراگرہوتوتین حال سے خالی نہیں یاصرف لڑکے یاصرف لڑکیاں یادونوں

اور اللہ نے اس آیت میں انسان کے ان چاروں حالات کو جمع کیا ہے۔

(۱۷) ومنه التجرید الخ.... محسنات معنویہ میں سے سترہویں وجہ تجرید ہے لغوی معنی نکلنا ہے اور خالی کرنا (ہوتا ہے)

تجرید کی اصطلاحی تعریف: یہ ھیکہ ایک ذی صفت امر سے دوسری چیز کو نکالا جائے جو صفت میں اس امر میں کامل ہے۔ اور اس کی سات قسمیں ہیں اسلئے کہ وہ تجرید یا تو حرف کے ذریعے ہوگا یا بغیر حرف کے ہوگا اگر حرف کے ذریعے ہو تو پھر یا تو (من) کے ذریعے ہوگا یا (باء) کے ذریعے یا (فی) کے ذریعہ اور (باء) یا تو منتزع منہ پر داخل ہوگا یا منتزع پر اور جو تجرید بغیر حرف کے ہو تو وہ یا تو کنایہ کے طور پر نہیں ہوگا یا ہوگا پھر وہ انتزاع یا تو غیر متکلم سے ہوگا یا متکلم سے ہوگا یہ کل سات قسمیں ہوئی۔ (۱) پہلی قسم کے تجرید من کے ذریعہ جیسے لیْ من فلان صدیق حمیم میرے لئے فلان سے ایک اور دوست ہے یعنی فلاں شخص دوستی میں اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ یہ بات کہ اس سے ایک اور دوست نکالدیا جائے جو دوستی میں بالکل اس کی طرح ہو۔ (۲) تجرید کی دوسری قسم جو (باء) کے ذریعہ ہو اور وہ باء منتزع منہ پر داخل ہو جیسے لئن سئلت فلانا لتسئلن به البحر اگر تو فلاں سے سوال کرے تو تو اس کے ذریعہ سمندر کا سوال کریگا یعنی وہ سخاوت میں اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اس سے سخاوت میں سمندر کو نکالا جا سکتا ہے۔ (۳) تجرید کی تیسری قسم جو (باء) کیساتھ ہو اور وہ باء منتزع پر داخل ہو جیسے شعر۔

وشوهاءُ تعدو بى الى صارخ الوغى : بمستلئم مثل الفنيق المرحّل :

بہت سارے بدشکل گھوڑے ایسے ہیں جو مجھے لیکر تیزی سے دوڑتے ہیں لڑائی میں مدد مانگنے والے کی طرف جو زرہ پہنے ہوئے ہو شریف مطلق چھوڑے گئے نر اونٹ کی طرح۔ (یہ شواھا کی صفت ہے) یعنی وہ گھوڑے مجھے لیکر دوڑتے ہیں لڑائی میں مدد مانگنے والے کی طرف اور میرے ساتھ میرا وہ نفس ہوتا ہے جو ہر وقت لڑائی کیلئے تیار رہتا ہے گویا کہ اس سے ایک دوسرا شخص جو ہر وقت لڑائی کیلئے تیار رہتا ہو نکالا جا سکتا ہے۔ (۴) تجرید کی چوتھی قسم جو فی کے ذریعہ اور فی منتزع منہ پر داخل ہو جیسے لھم

فیھا دار الخلد الخ...کہ ان جھنمیوں کیلئے جھنم میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے گویا کہ اللہ نے دارالخلد سے ایک دوسرا دارالخلد نکالا اور جھنم میں اس کو کفار کیلئے تیار کیا گیا ہے ۔ (۵) تجرید کی پانچویں قسم جو بغیر توسط حرف کے ہو جیسے قتادہ بن سلمہؒ کا شعر۔

فلئن بقیت لارحلن بغزوۃ : تحوی الغنائم اویموت کریماً :

پس اگر میں زندہ رہا تو ضرور غزوہ کیلئے سفر کرونگا جو غنیمتوں کو جمع کرے یہاں تک وہ نفس معزز ہو کر مرے۔ نفس کریمہ سے شاعر نے ایک اور نفس کا انتزاع کیا اور نکالا مبالغہ کی وجہ سے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اوُ یموت منی کریم اصل ہے تو اس وقت یہ لــی من فــلان صدیق حمیم کے قبیل سے ہوگا۔(۶) تجرید کی چھٹی قسم یہ ھیکہ جو کنایہ کے طور پر ہو جیسے شاعر کا شعر۔

یاخیرمن یرکب المطی ولا : یشرب بکاس بکف بخلا :

اے لوگوں میں بہترین شخص جو اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں اور کسی بخیل کے ہاتھوں سے پیالہ نہیں پیتا جب شاعر نے اس شعر میں بخیل کے ہاتھوں سے پیالہ پینے کی نفی کردی تو کنایۃ یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ کسی سخی کے ہاتھوں پیالہ پیتا ہے اور شاعر نے بطور کنایہ کے مخاطب سے ایک اور سخی کو نکالا جو سخاوت میں بالکل ممدوح کی طرح ہے اور وہ ممدوح اس سخی کے ہاتھوں سے پیالہ پیتا ہے۔(۷) تجرید کی ساتویں قسم یہ ھیکہ متکلم اپنے آپ کو مخاطب کرے اور اپنے آپ سے ایک اور شخص کو نکالے اور اس کیلئے وہ صفت ثابت کرے جو اس مخاطب کی صفت ہے جیسے متنبیؒ کا شعر۔

لاخیل عندک تھدیہاولامال : فلیسعدالنطق ان لم یسعدالحال :

نہ تو تیرے پاس گھوڑا ہے اور نہ مال پس چاہیے کہ گویائی تیرے مدد کرے اگر حال یعنی مال ودولت تیری مدد نہ کرے ۔گویا کہ شاعر نے اپنے آپ سے ایک اور شخص کو نکالا جو گھوڑے اور مال نہ ہونے میں اسکی طرح ہے۔

(۱۸) ومنہ المبالغۃ المقبولۃ الخ.....محسنات معنویہ سے اٹھارھویں وجہ مبالغہ مقبولہ ہے مطلقا مبالغہ کی تعریف کہ شدت اور ضعف میں کسی وصف کے حد مستحیل اور حد مستبعد تک پہنچے کا دعویٰ کیا جائے تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ وصف شدت اور ضعف

میں اپنی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے مبالغہ کی تین قسمیں ہیں (۱) تبلیغ (۲) اغراق (۳) غلو۔ اور مبالغہ کی تین قسمیں اسلئے ھیکہ مدعی یاتو عقلاً وعدۃً دونوں اعتبار سے ممکن ہوگا تو اسے مبالغہ تبلیغ کہتے ہے جیسے امرء القیس کا یہ شعر۔

فعادی عداءً بین ثورونعجۃ : دراکاًفلم ینضح بماءٍ فیغسل :

امرء القیس کھتاھیکہ میرے گھوڑے نے ایک جھپٹ میں لگاتار یکے بعد دیگرے نیل گائے نرومادہ کا شکار کیا پے در پے پس اس کو پسینہ تک نہ آیا اس شعر میں شاعر کھتا ہے کہ میرے گھوڑے نے یکے بعد دیگر نرومادہ نیل گائے کا شکار کیا لیکن اس کو پسینہ تک نہ آیا تو یہ عقلاً وعادۃً ممکن ہے لیکن نادر ہے۔ (۲) اور اگر مدعی عقلاً ممکن ہو نہ کہ عادۃ تو اسے اغراق کھتے ہے عمر بن الایھم الثعلبی کا یہ شعر۔

ونکرم جارناماداموفینا : ونتبعه الکرام حیث مالاً :

اور ہم اپنے پڑوسیوں کی عزت کرتے ہیں جب تک وہ ہمارے درمیان رہتے ہیں اور ہم عزت کو ان کے پیچھے بھیج دیتے ہے جھاں پروہ جائے تو یہ عقلاً تو ممکن ہے لیکن عادۃ ممکن نہیں بلکہ ہمارے زمانے میں تو یہ عقلاً بھی ناممکن ہے مبالغہ کی یہ دونوں اقسام مقبول ہے۔ (۳) اور اگر مدعی نہ عقلاً ممکن ہو اور نہ عادۃً تو اسے مبالغہ غلو کھتے ہے جیسے ابونواس شاعر کا یہ شعر۔

واخفت اهل الشرك حتی انه : لتخافک النطف التی لم تخلق :

اے ممدوح تو نے شرک والوں کو اتنا ڈرایا یہاں تک کہ بے شک تجھ سے وہ نطفے بھی ڈرنے لگے جواب تک پیدا نہیں۔ ہوئے تو اس شعر میں شاعر نے غیر مخلوقہ نطفے کے ڈرنے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ عادۃً وعقلاً دونوں اعتبار سے ناممکن ہے اور یہ قسم مردود ہے۔ لا اطلاق **والمقبول** الخ.... مبالغہ غلو کیسارے اقسام مردود نہیں ہے بلکہ ان میں سے چند اقسام ایسے ہیں جو مقبول ہیں۔ (۱) کہ اس پر ایسے لفظ کو داخل کیا جائے جس کو وہ صحت کے قریب کردے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یُـکــاد نے اس کو صحت کے قریب کردیا ہے یکادُ زیتُھا یضیءُ ولولم تمسسه نار قریب ھیکہ اسکا تیل روشن ہو اگر چہ اس کو آگ نہ لگے۔ (۲) کہ جو کہ ایک قسم کے نوع حسن کے تخیل کو متضمن ہو جیسے متنبی کا شعر۔

عقدت سنابکھا علیھا عثیراً : لوتبتغی عنقاًلامکنا :
کہ گھوڑوں کے کھروں نے گھوڑوں کے سروں پر اتنا غبار جمع کیا کہ اگر وہ گھوڑے اس پر دوڑنا چاہے تو ان کیلئے اس پر دوڑنا ممکن ہو۔(۳) غلو کے اقسام میں سے تیسری قسم یہ ھیکہ جھاں پر یہ دونوں سبب ایک ساتھ جمع ہو یعنی وہ لفظ بھی داخل کیا جائے کہ وہ اسے صحت کے قریب کرے اور حسن تخیل کو بھی متضمن ہو جیسے قاضی ارجانی اس شعر میں رات کی درازی کو بیان کررہاہے۔یخیل لی ان سمرالشھب فی الدجیٰ : وشدت باھدابی الیھن واجفانی :خیال ہوتاہے کہ رات کی تاریکی میں ستارے کیلوں کیساتھ باندھ دیئے گئے ہیں اور باندھ دیئے گئے میری آنکھوں کے حلقوں کو پلکوں سمیت ان ستارے کی طرف۔شاعر درازی شب کو بیان کرتے ہوئے کھتاہے کہ گویا یہ ستارے کیلوں کیساتھ سختی سے باندھ دیئے گئے ہے جو اپنی جگہ سے ھٹتے ہی نہیں اور میری آنکھوں کے حلقوں کو پلکوں سمیت ان کی طرف باندھا گیاہے اس رات کے لمبے ہونے کی وجہ سے اور شب بیداری کی وجہ سے اور یہ ایک قسم کا حسن تخیل ہے اور لفظ یخیل نے اسکے حسن کو اور چار چاند لگائے۔(۴) کہ جو ھنسی ومذاق کے جگہ پر استعمال ہو جیسے شاعر کا شعر۔

اسکر بالامس ان عزمتُ علیٰ الشر : ب غداًان اذامن العجب :
میں کل گزشتہ میں شراب کے نشے میں مست ہوجاتا ہوا گر میں کل آئندہ میں شراب پینے کا پختہ ارادہ کروں بیشک یہ تو عجائبات میں سے ھیکہ شراب پینے سے قبل انسان مست ہو۔

〈۱۹〉ومنه المذهب الكلام الخ.....محسنات معنویہ میں سے انویسویں وجہ مذھب کلام ہے اور یہ وہ ھیکہ جس میں اھل کلام کے طریقے پر مطلوب کیلئے حجت ودلیل لایا جائے یعنی چند مقدمات کو تسلیم کرنے کے بعد وہ مطلوب کو مستلزم ہو جیسے لوکان فیھما الھة الآاللہ لفسدتا تو اس مثال میں آسمان وزمین میں فساد کا ہونا لازم ہے اور یہ باطل ہے تو اسیطرح ملزوم بھی باطل ہوگا اور وہ تعدد الھہ ہے اور دوسری مثال جیسے نابغہ کا یہ شعر۔

حلفت فلم اترك لنفسک ریبةً : ولیس وراء الله للمرء مطلب :
لئن کنت قدبُلّغت عنی خیانةً : لمبلغک الواشی اغشُ واکذب :

ولكنني كنت امرالى جانب : من الارض فيه مستراذ و مذهب الخ :

ترجمہ میں نے تیرے سامنے قسم کھائی ہے پس میں نے تیرے نفس کیلئے کوئی شک نہیں چھوڑا اور آدمی کا سوائے اللہ تعالی کے اور کوئی مطلب ہی نہیں پس وہ اسپر کیسے جھوٹی قسم کھاسکتا ہے اگر تجھے میری طرف سے کوئی خیانت پہنچائی گئی ہے تو تیرے پاس پہنچانے والا چغلخور اور بہت زیادہ خیانت کرنے والا ہے اور بہت زیادہ جھوٹا ہے لیکن میں تو ایسا آدمی ہوں کہ میرے لئے زمین میں یعنی شام میں رزق طلب کرنے کی جگہ ہے اور ضروریات پوری کرنے کیلئے جانے کی جگہ ہے وھاں پر کچھ بادشاہ اور میرے کچھ بھائی ہیں کہ جب میں ان کی تعریف ومدح ثناء کو بیان کرتا ہوں تو ان کے اموال میں جیسے چاہوں تصرف کرتا ہوں اور میں قریب کردیا جاتا ہوں جیسا کہ تیرا احسان کرنا اس قوم پر جن کو تونے اپنا قریب بنایا ہے پس تو نہیں دیکھتا کہ انہوں نے آپ کی جو مدح وثناء بیان کی ہے انہوں نے کوئی گناہ کیا ہو۔

شان ورود : نعمان بن منذر یہ عرب کا بادشاہ گزرا ہے ان کے اور ال جفنہ کے درمیان دشمنی تھی جو شام میں رہتے ہیں اور اصل وطن ان کا یمن تھا چنانچہ نابغہ الذبانی شاعر نے ایک دن ال جفنہ کے مدح وثناء بیان کی چنانچہ نعمان بن منذر نے نابغہ شاعر کو ڈانٹا اس پر نابغہ نے ایک قصیدہ لکھا نعمان کے سامنے عذر پیش کرنے کیلئے اور یہ قیاس پیش کی کہ اگر میرا آل جفنہ کا مدح وثناء بیان کرنا گناہ ہے تو جنھوں نے مجھ پر لاکھوں احسانات کیئے ہیں تو اس قوم کا تیرے مدح وثناء بیان کرنا گناہ ہے جس پر تونے احسانات کیئے ہے اور ظاہر بات ھیکہ لازم باطل ہے یعنی اس قوم کا تیری مدح وثناء بیان کرنا گناہ نہیں تو میرا آل جفنہ کی تعریف بیان کرنا بھی گناہ نہیں اور یہ ملزوم ہے چنانچہ یہ بھی باطل ہے۔

(۲۰) ومنه حسن التعليل الخ...... محسنات معنویہ سے بیسویں وجہ حسن تعلیل ہے اور وہ یہ ھیکہ کسی وصف کیلئے علت مناسبہ کا دعویٰ کیا جائے اعتبار لطیف کیساتھ اس طور پر کہ وہ علت جسکا اعتبار کیا گیا ہے وہ اس کی حقیقی علت نہ ہو حسن تعلیل کی چار قسمیں ہیں اسلئے کہ وہ وصف جس کیلئے علت مناسبہ کا دعویٰ کیا گیا ہے یا تو وہ وصف بذات خود ثابت ہوگا اور اسکی علت کو بیان کرنا مقصود ہوگا یا خود ثابت نہیں ہوگا اور اسکا اثبات مقصود ہوگا (۱) اگر ثابت ہو یا تو عادةً اس کیلئے کوئی علت ہی ظاہر انہ ہوگا اگر چہ وہ فی الواقع علت سے خالی نہ ہو جیسے متنبی کا یہ شعر۔

لم یحک نائلک السحائب وانما : حمت به فصبیبها الرخاء :

اے ممدوح بادلوں نے تیری بخشش کی نقل نہیں کی بلکہ اس بادل کو تیرے بخشش کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے پس اس سے بہنے والا پانی یہ اسکا پسینہ ہے تو بادلوں سے بارش کا برسنا یہ صفت ثابتہ ہے کہ عادۃً اس کی کوئی علت ظاہر نہیں لیکن شاعر نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس بادل کو ممدوح کے بخششوں کی وجہ سے پسینہ ہو گیا ہے۔ (۲) دوسری قسم کہ اس صفت کیلئے عادۃً کوئی علت ہو گی علت مذکورہ کے سوا تا کہ وہ علت مذکورہ اس صفت کیلئے علت غیر حقیقیہ بن جائے جیسے متنبّی کا یہ شعر۔

مابه قتل اعادیه ولکن : یلتقی خلاف ماترجو الذئاب :

اس کو اپنے دشمنوں کے قتل کرنے کی پرواہ نہیں اور ضرورت نہیں لیکن وہ ممدوح بھڑیوں کی امید کے خلاف کرنے سے ڈرتا ہے تو دشمنوں کو قتل کرنا عادۃً انکے مضرت کو دفع کرنے کیلئے ہوتا ہے اور ان کے جھگڑوں سے بادشاہت کو پاک کرنا ہوتا ہے نہ کے اس وجہ سے جس کو شاعر نے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ ممدوح جب لڑائی کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو بھیڑیاں امید کرنے لگتی ہے اپنے اوپر کشادگی رزق کا اس طور پر کہ ممدوح دشمنوں کو قتل کرتے رہینگے اور بھڑیوں کیلئے دشمن کے گوشت میں اضافہ ہو جائیگا۔ (۳) تیسری قسم یعنی وہ صفت جو ثابت نہ ہو اور اس کے ثابت کرنے کا ارادہ کیا جائے تو وہ ممکن ہو گی جیسے مسلمہ بن ولید کا یہ شعر۔

یاواشیاحسنت فینااساء ته : نجیّ حذارُك انسانی من الغرق :

اے وہ ممدوح چغلخور جس کی برائی کرنا ہمارے لئے اچھا ہے اسلئے کہ تجھ سے ڈرنے نے میرے آنکھ کے پتلوں کو آنسوں میں غرق ہونے سے بچایا ہے۔ اسلئے کہ میں نے اس کی خوف سے رونے کو چھوڑا ہے۔ برائی کا اچھا ہونا ممکن ہے لیکن جب شاعر نے اسمیں عام لوگوں کی مخالفت کی اسلئے کہ عام لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے تو شاعر نے چغلخور کے برائی کے اچھا ہونے کا دعوی کرنے کے بعد اس بات کو لیکر آئے کہ چغلخور سے ڈرنے نے میری آنکھ کی پتلی کو آنسوں میں غرق ہونے سے بچایا ہے اسلئے میں نے اس کی خوف سے رونے کو چھوڑا ہے۔ (۴) یا وہ صفت غیر ممکنہ ہو گی جیسے شاعر کا یہ شعر

لولم تكن نية الجوزاء خدمته : لما رأيت عليها عقد منطق :

اگر جوزاء برج کا ارادہ ممدوح کی خدمت کرنے کا نہ ہوتا تو آپ اس پر پٹکا باندھا ہوا نہ دیکھتا۔

تبصرہ : پس جوزاء کا ممدوح کی خدمت کا ارادہ کرنا یہ صفت غیر ممکنہ ہے جسکے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے۔

وألحق به الخ..... یہاں سے مصنفؒ حسن تعلیل کے ملحقات کو بیان فرمار ہے ہیں تو فرماتے ہیں کہ حسن تعلیل کیساتھ ملحق ہے وہ جو شک پر مبنی ہو جیسے ابوتمام کا یہ شعر۔

كَأَنَّ سحاب الغُرِّ غَيَّبَ تحتها : حبيباً فما ترق لهنَّ مدامِعُ :

گویا کہ بیشک بہت زیادہ سفید بادلوں نے ٹھیلے کے نیچے دفن کیا ہے محبوب کو پس اس وجہ سے ان بادلوں کے آنسوں نہیں رُکتے تو شاعر نے اس شعر میں بادلوں سے بارش کے نزول کیلئے بر سبیل شک یہ علت قرار دیا ہے کہ ان بادلوں سے بارش کا پانی اس لئے برس رہا ہے کہ انہوں نے ٹھیلے کے نیچے محبوب کو دفن کیا ہے اور یہ بادل اس محبوب کے دفن ہونے پر آنسوں بہار ہے ہیں۔

(۲۱) ومنه التفريع الخ..محسنات معنویہ میں سے اکیسویں وجہ تفریع ہے۔

اصطلاح میں کہتے ہیکہ ایک امر کے متعلق کیلئے کسی حکم کو ثابت کیا جائے بعد اس کے کہ وہ حکم اس امر کے دوسرے متعلق کیلئے ثابت کیا گیا ہو جیسے کمیت شاعر کا یہ شعر جسمیں وہ اپنے اھل بیت کی مدح وثناء بیان کر رہا ہے:

احلامكم لسقام الجهل شفافية : كما دماء كم تشفي من الكلب :

تمہاری عقلیں جھل کی بیماری سے شفا دیتی ہے جس طرح کہ تمہارے خون کلب کی بیماری سے شفا دیتی ہے۔

کلب یہ ایک قسم کی بیماری ہے جو جنون کی طرح ہوتا ہے اور بھاؤلے کتے کے کاٹنے سے انسان کو لگتی ہے اور سوائے بادشاہوں کے خون کے اس کیلئے کوئی دوا نہیں جیسے صاحب حماسہ کہتا ہے شعر۔

بناة مكارم واساة كلم : دماء كم من الكلب الشفاء :

کہ تم مکارم اخلاق والے ہو یعنی ان کے بانی ہو اور زخمی دلوں کے طبیب ہو جیسا کہ تمہارے خون کلب کی بیماری سے شفا دیتے ہیں۔ تو شاعر نے اس شعر میں مرض کلب سے شفایاب ہونے کو تفریع کیا مرض جہل سے شفایاب ہونے پر۔

﴿۲۲﴾ومنه تاکید المدح بمایشبه الذم الخ....محسنات معنویہ میں سے بائیسویں وجہ تاکید المدح الخ.. ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) دو میں سے بہتر قسم یہ ھیکہ ایک شی سے جس صفت ذم کی نفی کی گئی ہے اس سے اس شی کے صفت مدح کا استثناء کیا جائے اسطور پر کہ صفت مدح کو صفت ذم میں داخل کیا جائے جیسے نابغہ کا یہ شعر۔

لا عیبَ فیهم غیرَ اَنَّ سیوفهم : بهن فلولٌ من قراعِ الکتائبِ :

اس قوم میں کوئی عیب نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان کے تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں لشکروں کے کھوپڑیوں کو مارنے کی وجہ سے۔ یعنی تلواروں میں دندانوں کا پڑ جانا اگر عیب ہے تو شاعر نے اس کو ثابت کیا ہے لیکن تلوار میں دندانے کا پڑنا اور اسکو عیب شمار کرنا محال ہے اس لئے کہ یہ تو کمال شجاعت و بہادری سے کنایہ ہے اور یہ تعلق بالمحال ہے اس قسم میں دو وجوہ سے تاکید آئی ہے (۱) اسوجہ سے بھی اس میں تاکید آئی ہے کہ گویا مدعی نے کسی شی کا دعوی دلیل کیساتھ کیا ہے اس لئے کہ شاعر نے مطلوب کے نقیض کو متعلق کیا محال کیساتھ اور معلق بالمحال خود محال ہوتا ہے۔ (۲) دوسری وجہ اسمیں تاکید کی یہ ہیکہ استثناء میں اصل اتصال ہے پس جب شاعر نے مستثنی کے ذکر کرنے سے قبل حرف استثناء کو ذکر کیا تو یہ خیال کیا جاتا تھا کہ شاعر مستثنی منہ سے کسی عیب کا استثناء کریگا لیکن حرف استثناء کیساتھ جب اس نے صفت مدح کو متصلاً ذکر کیا تو استثناء اتصال سے نکل کر منقطع ہو گیا تو اسمیں اس وجہ سے بھی تاکید آئی کہ اس میں مدح در مدح ہے کیونکہ اسمیں اس بات کی طرف اشارہ ھیکہ شاعر کو کوئی عیب ملا نہیں یہاں تک کہ وہ اسکا استثناء کرتا چنانچہ شاعر صفت مدح کے استثناء کرنے پر مجبور ہوا۔ (۲) تاکید المدح الخ کی دوسری قسم یہ ھیکہ ایک شی کیلئے ایک صفت مدح کو ثابت کیا جائے اس کے بعد حرف استثناء لاکر اس کے ساتھ اس شی کیلئے ایک دوسرے صفت مدح کو ذکر کیا جائے جیسے حدیث مبارکہ انا افصح العرب بیدانی من قریش۔ بیدَ بمعنی غیرُ ہے میں تمام عرب سے زیادہ فصیح ہو علاوہ اس کے کہ میں قریشی بھی ہوں اسمیں صرف ایک وجہ سے تاکید آئی ہے اس

طور پرکہ استثناء میں اصل اتصال ہے تو حضور ﷺ نے جب حرف استثناء کوذکر کرنے کے بعد ایک دوسرے صفت مدح کوذکر کیا تو اسمیں تاکید آئی کیونکہ اسمیں مدح درمدح ہے اور اسمیں اس وجہ سے تاکید نہیں آئی کہ یہ دعویٰ مع الدلیل ہے اس وجہ سے ان دونوں اقسام میں اول زیادہ افضل ہے کہ اس میں دووجوہ سے تاکید آئی ہے۔

ومنہ ضرب اٰخر الخ.... مصنفؒ یہاں سے تاکید المدح الخ..کی تیسری قسم بیان فرمارہے ہیں اوروہ یہ ہے کہ ایک ایسے مستثنیٰ کولایا جائے جس میں معنی مدح ہواوراس کومعمول بنایا جائے اس فعل کا جسمیں ذم کے معنی موجود ہو جیسے وَمَاتَنْقِمُ مِنَّا اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیَاتِ رَبِّنَا الخ..تاکید المدح الخ..کے باب میں استدراک بھی استثناء کی طرح ہے جیسے بدیع الزمان کا یہ شعر۔

ھوالبدر الَّا اَنَّهُ البحرزاخراً : سوی انه الضرغام لکنه الوبل :

وہ ممدوح چودیں رات کے چاند کیطرح ہے(شرف ومنزلت اور بلندی میں) بجز انکے وہ بلند ہونے والا سمندر ہے (سخاوت میں) سوائے اس کے کہ وہ شیر ہے شجاعت میں لیکن وہ تو تیز بارش کی طرح ہے بخشش اور عطاء کرنے میں۔تواس شعر میں اِلَّا اور سوائے یہ بیدَ کی طرح حروف استثناء ہے اور لکن اگر چہ استدراک کیلئے آتا ہے لیکن استثناء کا فائدہ بھی دیتا ہے۔

﴿۲۳﴾ومنہ تاکیدالذم الخ....محسنات معنویہ میں تیسویں وجہ تاکید الذم الخ ..ہے اس کی بھی دوقسمیں (۱) اوّل یہ ھیکہ ایک شی سے جس صفت مدح کی نفی کی گئی ہے اس سے ایک صفت ذم کا استثناء کیا جائے جیسے

فلان لاخیرفیه الاانه یسی ٔالیٰ من احسن الیه :

فلاں میں کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنے محسن سے برائی کا معاملہ کرتا ہے۔

(۲) دوسری قسم یہ ھیکہ ایک شی کیلئے صفت ذم کوثابت کیا جائے اس کے بعد حرف استثناء لایا جائے اوراس کے ساتھ اس شی کیلئے ایک اور صفت ذم کوثابت کیا جائے جیسے فلان فاسقٌ الَّا انه جاھلٌ : فلان فاسق ہے سوائے اس کے کہ وہ جاھل بھی ہے تو تاکید الذم الخ ..کے اقسام میں سے قسم اول میں دووجوہ سے تاکید آئی ہے جبکہ ثانی میں ایک وجہ سے۔

〈۲۴〉**ومنه الاستتباع** الخ....محسنات معنویہ میں سے چوبیسویں وجہ استتباع ہے اوروہ کسی شي کااس طور پرتعریف بیان کرنا کہ اس سے اس شی کی دوسری تعریف لازم آئے جیسے متنبی کا یہ شعر۔

نهبت من الاعمارمالوحيته : لهنئت الدنيابانك خالد :

اے ممدوح تونے اتنی عمروں کولوٹاہے کہ اگرتواس کوجمع کرلیتاتودنیاکومبارکباددی جاتی اس بات کی کہ بے شک تودنیامیں ھمیشہ رھیگا۔تومتنبی نے اس شعرمیں ممدوح کی کمال شجاعت کی اسطورپرتعریف کی ہے کہ اس سے ایک اورتعریف لازم آئی اسطورپرکہ ممدوح دنیاکےنظام کے اصلاح کاسبب ہے علی بن ربعی فرماتے ھیکہ اس شعرمیں دواوروجوہ سے بھی ممدوح کی مدح وثناءموجودہے۔(۱) کہ ممدوح نے اپنے دشمنوں کے عمروں کولوٹاہے ان کوقتل کرنے کی صورت میں اوران کے اموال کونہیں لوٹا۔(۲) کہ ممدوح دشمنوں کوقتل کرکے ظالم بھی نہیں ورنہ دنیاوالےاس کے ھمیشہ زندہ رہنے پرخوش نہ ہوتے۔

〈۲۵〉**ومنـه الادماج** الخ...محسنات معنویہ میں سے پچیسویں وجہ ادماج ہے لغوی معنی لپیٹنااور

اصطلاحی تعریف :یہ ھیکہ وہ کلام جوایک معنی کیلئے لاگیاہووہ ایک دوسرے معنی کومتضمن ہوجس معنی کیلئے وہ کلام لاگیاہےخواہ وہ معنی مدح ہویاذم تواس وجہ سے ادماج استتباع سے عام ہے کہ وہ مدح کیساتھ مختص ہے جیسے متنبی کا یہ شعر۔

أُقَلِّبُ فِيْهِ اَجْفَانِيْ كَاَنِّي : اَعُدُّبِهَاعَلَى الدَّهرِالذُنوبَا :

میں اس رات میں اپنی پلکوں کواتناچپکاتاہوں کہ گویامیں اس کے ذریعہ زمانے کے گناہوں کوشمارکرتاہوں۔

تومتنبی اس شعرمیں رات کی درازی اورلمبے ہونے کیساتھ ساتھ زمانے کی شکایت کررہے ہے۔

〈۲۶〉**ومـنـه التوجيـه** الخ....محسنات معنویہ میں سے چھبیسویں وجہ توجیہ ہے اوروہ یہ ھیکہ کلام کواسطورپرلاناکہ وہ مختلف وجوہ کااحتمال رکھتاہوجیسے اس شخص کاقول جس نے اعورکومخاطب کرکے یہ شعرپڑھا۔

شان ورود : بشار بن برد نے ایک اعور کو سینے کیلئے کپڑا دیا جسکا نام عمرو تھا تو درزی نے بشار سے کھا کہ میں یہ کپڑا ایسا سیونگا کوئی نہ جان سکے گا یہ قباء ہے یا کوئی اور چیز ہے تو بشار نے اس کو یہ کھا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو میں تیرے بارے میں ایسا شعر پڑھونگا کہ کوئی نہ جان سکے گا کہ یہ مدح ہے یا ھجو ہے چنانچہ جب درزی نے کپڑا ایسا تو بشار نے اسکے بارے یہ شعر پڑھا۔

خاط لی عمرو قباء : لیت عینیه سواءً :

عمرو نے میرے لیئے کپڑا سیا کاش کہ اس کی دونوں آنکھیں برابر ہوتی چنانچہ جب بشار نے یہ شعر پڑھا تو سب نے کھا کہ شاعر نے عمرو کی مدح وثناء بیان کی ہے یا مذمت کی ہے کیونکہ یہ اعور کے آنکھ کے صحت کا بھی احتمال رکھتا ہے تو اس صورت میں یہ اس کیلئے دعا ہوگی اور اس کے برعکس کا بھی احتمال رکھتا ہے تو یہ اس کیلئے بدعا ہوگی امام سکاکیؒ فرماتے ہیں کہ توجیہ میں سے متشابھات قرآن بھی ہیں اسلئے کہ وہ بھی دو مختلف وجوہ کا احتمال رکھتے ہے جیسے الرحمٰن علی العرش استوی۔

(۲۷) ومنه الهزل الخ.... محسنات معنویہ میں سے ستائیسویں وجہ ھزل ہے لغوی معنی مذاق کرنا اور

اصطلاحی تعریف :بیانیین کے اصطلاح میں ھزل اسے کھا جاتا ہے کہ اس سے حقیقت کا ارادہ کیا جائے جیسے ابونواس کا یہ شعر۔

اذا ماتمیمی اتاك مفاخراً : فقل عدّعن ذاكیف اكلك للضب :

جب کوئی تمیمی تیرے پاس فخر کرتا ہوا آئے تو آپ اسے کھدیجئے کہ اسے تو درگزر کیجئے اور چھوڑ دیئے کیسا ہے آپکا کھانا گوہ کو۔

(۲۸) ومنه تجاهل العارف الخ.... محسنات معنویہ میں سے آٹھائیسویں وجہ تجاھل العارف ہے تجاھل العارف لغت میں بتکلف اپنے آپ کو ناواقف بنانا امام سکاکیؒ نے تجاھل عارف کا نام رکھا ہے۔سوق المعلوم مساق غیره لنکتة ۔کہ معلوم کو غیر معلوم کی جگہ پر لانا کسی نکتہ کی وجہ سے امام سکاکیؒ فرماتے ھیکہ تجاھل عارف کیساتھ اسکا نام رکھنا اسلئے مناسب نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی واقع

ہے جیسے وماتلک بیمینک یموسیٰ الخ...تو تجاھل عارف کیساتھ اسکا نام رکھنا سوء ادب ہے اور سوق المعلوم مساق غیرہ یہ ادب کے قریب ہے اسلئے اسکے ساتھ نام رکھنا زیادہ مناسب ہے تجاھل کی اول مثال جیسے لیلیٰ بنت طریف کا یہ قول جس میں وہ درختوں کو جان بوجھ کر ڈانٹ رہی ہے۔

ایاشجرالخابورمالک مورقا : کانک لم تجزع علی بن طریف :

اے خابور نہر کے درخت تجھے کیا ہوا کہ تو پتوں سے ہرا برا ہے گویا کہ بیشک تو نے میرے بھائی ولید بن طریف کے قتل پر کوئی جزع فزع نہیں کیا تو شاعرہ یہ بات جانتی ہے کہ جزع فزع مقتول پر یہ ذوی العقول کا کام ہے لیکن وہ بتکلف اپنے آپ کو ناواقف بنا کر درختوں کے جزع فزع نہ کرنے پر ان کو ڈانٹ رہی ہے ثانی کی مثال : کسی کی مدح میں مبالغہ کرنا مقصود ہو جیسے شاعر کا یہ شعر۔

المع بَرق سری اَم ضَوءُ مصباح : ام ابتسا متھابالمنظر الضاحی :

کیا یہ بجلی کی چمک ہے جو رات کی تاریکی میں ظاہر ہوئی ہے یا چراغ کی روشنی ہے یا محبوبہ کے دانتوں کی چمک ہے ظاہر ہے مسکراھٹ کیساتھ۔ تو شاعر اس بات کو جانتا ہے کہ رات کی تاریکی میں جو روشنی ظاہر ہوتی ہے یہ محبوبہ کی دانتوں کی چمک ہے لیکن اپنے کو ناواقف بنا کر کہرھا ہے کہ کیا یہ بجلی کی چمک ہے جو رات کی تاریکی میں ظاہر ہوئی ہے یا چراغ کی روشنی تیسری مثال میں جب کسی کی مذمت میں مبالغہ کرنا مقصود ہو جیسے زھر بن ابی سلمہ کا یہ قول۔

وَمَاادری وَسَوف اَخَا ل اَدری : قومٌ اٰل حصنٍ ام نسآء :

میں نہیں جانتا اور میں خیال کرتا ہوں کہ عنقریب میں جان لونگا کہ ال حصن مرد ہے یا عورتیں تو شاعر اس بات کو جانتا ہے کہ قوم کا اطلاق خصوصیت کیساتھ مردوں ہی پر ہوتا ہے لیکن ام نساء کا اضافہ کر کے اپنے آپ کو ناواقف بنا رھا ہے۔ چوتھی مثال جب محبت میں حیرانگی اور تعجب کا اظہار مقصود ہو جیسے حسین بن عبداللہ عرجی کا یہ شعر۔

بَاللہ یاظبیات القاع قلن لنا : أليلیٰ منکن ام لیلیٰ من البشر ؟

اے ہموار زمین کے ہرنیوں اللہ کی قسم مجھے یہ تو بتادو کہ میری لیلیٰ تم میں سے

یا بشروں میں سے ہے۔

(۲۹) ومنہ القول بالموجب الخ... محسنات معنویہ انتیسویں وجہ القول بالموجب ہے اسکو اسلوب حکیم بھی کہتے ہیں کہ متکلم مخاطب کے کلام کے حکم کا اعتراف کرے لیکن اس کے مقصود کی نفی کرے قول کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اول قسم یہ ھیکہ غیر کے کلام میں ایک صفت واقع ہو اور وہ کنایہ ہو ایک ایسی شی سے کہ اس کیلئے حکم ثابت کیا گیا ہو پس تو اس صفت کو اپنے کلام میں اس شی کی علاوہ کسی اور چیز کیلئے ثابت کردے اس بات سے قطع نظر کہ یہ حکم اس غیر کیلئے ثابت ہے یا نہیں جیسے منافقین کا یہ قول یَقُولُونَ لَئِن رجعنا الخ.. وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین الخ.. پس اعزا ایک صفت ہے جو کہ منافقین کے اس کلام میں واقع ہے اور کنایہ ہے ان کے جماعت سے اور اذل یہ کنایہ ہے مؤمنین کے جماعت سے اور منافقین نے مدینہ سے مسلمانوں کے نکالنے کو اپنے جماعت کیلئے ثابت کیا ہے لیکن وللہ العزۃ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کرتے ہوئے اس صفت عزّۃ کو ان کے علاوہ دوسرے فریق کیلئے ثابت کیا ہے اور دوسرا فریق اللہ ، اسکا رسول ، اور مؤمنین ہیں اللہ تعالی درپے نہیں ہوئے اور اللہ نے اس بات کو بیان نہیں کیا کہ دوسرا گروہ یعنی اللہ اسکا رسول اور مؤمنین منافقین کو مدینہ سے نکالینگے یا نہیں تو اس حکم کو بیان کئے بغیر چھوڑ دیا۔ (۲) قول بالموجب کی قسم ثانی یہ ھیکہ وہ لفظ جو غیر کے کلام میں واقع ہے آپ اس کو غیر کے معنی اور مراد کے خلاف والے معنی پر محمول کرے جس معنی کا یہ لفظ احتمال بھی رکھتا ہو اس لفظ کے متعلق کو ذکر کرنے کیساتھ جیسے ابن حجاج کا یہ شعر۔

فقلت ثَقَّلْتُ اذا أتیت مراراً : قال ثَقَّلْتَ کَاهِلِی بِایادِیْ :

میں نے کھا کہ میں نے بار بار آنے کی وجہ سے تجھے بوجھل بنایا ممدوح نے کھا کہ تونے میرے کندھوں اور گردن کو تحائف سے بوجھل بنا دیا۔ تو شعر میں (ثقلت) کا لفظ متکلم کے کلام میں واقع ہے جس کے معنی مشقت میں ڈالنے کے آتے ہے لیکن مخاطب نے اس لفظ کو محمول کر لیا متکلم کے معنی کے خلاف والے معنی پر اور وہ یہ ھیکہ تیرے بار با آنے نے میرے کندھوں اور گردن کو تحائف سے بوجھل بنا دیا۔

(۳۰) ومنه الاطراد الخ...محسنات معنویہ میں سے تیسویں وجہ اطراد ہے اور وہ یہ ھیکہ ممدوح یا مذموم کے ناموں اور ان کے آباء واجداد کے ناموں کو نظم لفظ میں تکلف کئے بغیر ولادت کے ترتیب کیساتھ ذکر کیا جائے ربیعہ بن عبید کا یہ شعر۔

ان يقتلوك فقدثَلَلْتَ عُرُوشَهُمْ : بعتبةبن الحارث بن شهاب :

اے ممدوح اگر وہ تجھے قتل کردے (اور وہ تیرے قتل پر خوشی اور جشن منائے) تو کوئی بات نہیں اسلئے کہ تحقیق آپ نے ان کی عزتوں کو ملیا میٹ کردیا ہے عتبہ بن حارث بن شھاب کو قتل کرنے کیساتھ اور جیسے حدیث :الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراھیم۔(علیھم الصلوٰۃ والسلام)

<u>تیمت المحسنات المعنوی بفضل الله الذی لم یتخذ صاحبۃً ولاولداً:</u>

امّا الضرب اللفظیّ : الخ...محسنات معنویہ سے فراغت کے بعد یہاں سے مصنفؒ کلام کے محسنات لفظیہ کو بیان فرمارہے ہیں اور یہ تقریباً سات ہیں (۱) جناس (۲) ردالعجز علی الصدر (۳) سجع (۴) موازنہ (۵) القلب (۶) التشریع (۷) لزوم مالایلزم (۱) جناس کی تعریف :تلفظ میں دو لفظوں کا ایک دوسرے کے مشابہ ہونا پس معنی میں مشابہت سے استثناء ہوگیا جیسے اسد اور سبع۔

جناس تام کی تعریف : اگر دو لفظ انواع حروف تعداد حروف اور مقدار حروف ہیئات حروف اور ترتیب حروف میں متفق ہو تو اسے جناس تام کہتے ہیں پس اگر وہ دونوں لفظ مذکورہ چیزوں میں متفق ہو تو پھر دیکھا جائیگا کہ وہ کلمے کے انواع میں سے ایک نوع سے تعلق رکھتے ہے مثلاً دونوں اسم، یا فعل، یا حرف، ہے تو اسے جناس مماثل کہتے ہیں جیسے یوم تقوم الساعۃ یقسم المجرمون مالبثوا غیر ساعۃ : اس مثال میں ساعۃ دو لفظ ہے جو مذکورہ تمام اشیاء میں ایک دوسرے کیساتھ متفق ہے اور دونوں اسم ہے لیکن ساعہ اولیٰ کا معنی قیامت ہے اور ثانی کا معنی دنیا کا تھوڑا سا وقت اور اگر وہ دونوں لفظ جو مذکورہ تمام اشیاء میں ایک دوسرے کیساتھ متفق ہو لیکن وہ کلمے کے انواع میں سے دو انواع سے تعلق

رکھتے ہوا سے جناس مستوفہ کہتے ہیں جیسے ابو تمام کا شعر یحی بن عبداللہ کی تعریف میں۔

مَامَاتَ من کرم الزمانِ فانه : یَحیَ لَدَیْ یَحی بن عبدالله :

زمانہ کا جو کرم وسخاوت فوت ہو جاتا ہے تو بیشک وہ یحی بن عبداللہ کے پاس زندہ رہتا ہے۔اس شعر میں یحی مکرر ذکر ہے لیکن یحی اولی فعل ہے اور ثانی اسم اور ممدوح کا نام ہے۔

وایضاً الخ... یہاں سے مصنفؒ جناس تام کی ایک اور تقسیم بیان فرمارہے ہیں اس تقسیم کے اعتبار سے جناس تام کی تین قسمیں ہیں (۱) متشابہ (۲) مفروق (۳) مرفوء : تو گویا کہ جناس تام کی کل پانچ قسمیں ہیں اگر ان دو الفاظ میں سے ایک مرکب ہو اور دوسرا مفرد ہو تو اسے جناس ترکیب کہتے ہیں پھر دیکھا جائیگا کہ اگر وہ دونوں لفظ یعنی وہ لفظ مفرد و مرکب خط میں متفق ہے یا نہیں (۱) اگر وہ متفق ہو تو جناس ترکیب کے اس قسم کو متشابہ کہا جاتا ہے جیسے ابو الفتح کا یہ شعر۔

اذامَلِکٌ لم یکن ذاهبة : فدَعه فَدولَتُه ذاهبَةٌ :

جب بادشاہ صاحب ھبہ نہ ہو یعنی دینے والا نہ ہو پس اس کو چھوڑ دو اسلئے کہ اس کی دولت ختم ہونے والی ہے (باقی رہنے والی نہیں)۔ تو اس شعر میں ذاھبۃٌ دو لفظ ہیں دونوں متفق ہیں لیکن اول ذاھبۃٌ مرکب ہے اور ثانی مفرد ہے اول کا معنی ہے ھبہ کرنے والا، دینے والا اور ثانی کا معنی ہے ختم ہونے والا۔(۲) اور اگر وہ دونوں لفظ مفرد و مرکب خط میں متفق نہ ہو تو اسے مفروق کہتے ہیں جیسے ابو الفتح کا یہ شعر۔

کُلّکُم قدْجَام وَلاَجام لَنَا : مَاالّذِیْ ضَرّ مدیرالجامَ لوجاملنا :

تم میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا جام لیا اور ہمارے لیئے کوئی جام نہیں ہے ساقی کا کیا نقصان ہوتا اگر وہ ہم سے اچھا معاملہ کرتا۔تو اس شعر میں لا جام لنا اور لو جاملنا دو لفظ ہیں اوّل مرکب ہے اور ثانی مفرد کے حکم میں ہے اور خط میں متفق نہیں ہے اور اوّل کا معنی جام کے ہے اور ثانی کا معنی اچھا معاملہ کرنے کے ہے اور اگر لفظ مرکب کلمہ اور دوسرے کلمے کے بعض حروف سے مرکب ہو تو اسے مرفوء کہتے ہیں جیسے ھـذا مـصـاب ام طـعـم ضاب : یہ گنہ ہے یا کڑوے درخت کا نچھوڑ ہے۔

وان اختلفا الخ... **جناس محرف کی تعریف** ...... اگر دو الفاظ متجانس

صرف ھیئات حروف میں ایک دوسرے کے مخالف ہوتو اسے جناس محرّف کہتے ہیں اسلئے کہ ایک لفظ کے ہیئت نے دوسری ہیئت سے انحراف کیا ہے اور ھیئت میں اختلاف یا تو حرف کیساتھ ہوگا جیسے جُبَّۃ البُرد جُنَّۃ البَرد اون سے بنی ہوئی چادروں کا جبہ سردی کا ڈھال ہے اس مثال میں بُرد کے (باء) پرضمہ ہے جسکے معنی چادر کے آتے ہیں اور بَرد کے (باء) پرفتحہ ہے جس کے معنی سردی کے آتے ہے۔ دوسری مثال جیسے اھل عرب کا قول الجاھل اِمّامفرِطٌ اومفرّطٌ۔ جاھل یا تو زیادتی کرنے والا ھوتا ہے یا کوتاہی کرنے والا۔ اسمثال میں مُفرِط اور مفرّط میں ایک فاء ساکن ہے جبکہ دوسرے کا مفتوح ہے اور تجنیس کے باب میں حرف مشدد مخفف حرف کے حکم میں ہوتا ہے۔

وقد یکون الخ.....اور کبھی ھیئت میں اختلاف حرکت وسکون دونوں کیساتھ ہوگا جیسے البدعۃ شَرَكُ الشِرْكِ بدعت شرک کی جال ہے تو پہلے شرک کے (شین) اور (راء) دونوں مفتوح ہے اور دوسرے شرک میں (شین) مکسور اور (راء) پرسکون ہے۔

وان اختلفا الخ.....**جناس ناقص کی تعریف**.....اگر دو متجانس صرف تعداد اور مقدار حروف میں مخالف ہو اسطور پر کہ ان دونوں لفظوں میں سے ایک لفظ میں ایک حرف زائد ہو جب اس حرف زائدہ کو گرادیا جائے تو اس صورت میں جناس تام حاصل ہوجائے تو اسے جناس ناقص کہتے ہیں اور یہ اختلاف یا تو ایک حرف زائد کی وجہ سے ہوگا پھر اس کی تین صورتیں ہیں۔(۱) یا تو وہ حرف زائد کلمے کے شروع میں ہوگا جیسے والتفّت الساق بالسّاق الیٰ ربّک یومئذن المساق تو یہاں پر مساق کے شروع میں (میم) زائد ہے۔(۲) یا وہ حرف زائد کلمے کے وسط میں ہوگا جیسے جدّی جھدی یہاں پر (ھاء) بیچ میں زائد ہے۔ کوشش کرنا میرا طاقت ہے۔(۳) یا وہ حرف زائد کلمے کے آخر میں ہوگا جیسے ابوتمام کا یہ شعر۔

یمدون من اید عواص عواصم :: تصول باسیاف قواض قواضبٌ

عواصم میں (میم) آخر میں زائد ہے اور قواضب میں (باء) زائد ہے۔

وہ لڑائی کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں مارنے والے اور حفاظت کرنے والے (یعنی دشمنوں کو مارنے کیلئے آگے ہاتھ بڑھاتے ہیں اور دوستوں کی حفاظت کیلئے) حملہ کرتے

ہیں ایسے تلواروں کیساتھ جو فیصلہ کرنے والی اور کاٹنے والی ہیں (انکی تلواریں فیصلہ کرتی ہیں دوستوں کیلئے اور دشمنوں کے گردن کو کاٹتی ہیں) اور اسکا نام جناس مطرّف بھی رکھا جاتا ہے۔

واِمّا اکثر الخ..... یا مقدار حروف میں اختلاف ایک حرف زائد کیساتھ نہیں بلکہ اس سے زائد حروف کیساتھ ہوگا جیسے خنساء شاعرہ کا یہ شعر۔

ان البکاء ھوالشفاء :: من الجوىٰ بین الجوانح :

بیشک رونے میں شفاء ہے سوزش قلب اور پسلیوں میں جلن اور لگی ہوئی آگ کیلئے ۔
اس شعر میں جوانح کے آخر میں (نون) اور (حاء) زائد ہے اور اسکا نام مذیل بھی رکھا جاتا ہے۔

وان اختلفافی انواعھما الخ.....اگر دو الفاظ متجانسہ کا اختلاف انواع حروف کے اعتبار سے ہو تو اس کیلئے شرط یہ ھیکہ وہ اختلاف ایک حرف سے زیادہ حروف میں نہ ہو ورنہ ان میں تجانس باقی نہیں رھیگا جیسے نَصَرَ، نَکَلَ پھر وہ دونوں حرف جسمیں اختلاف واقع ہوا ہے اگر متقارب فی المخرج ہو تو اس کو جناس مضارع کہتے ہیں اسکی پھر تین قسمیں ہیں۔
(۱) وہ حرف یا تو ابتداء میں ہوگا جیسے بینی وبیْن کَنّی لیل دامسٌ وطریقٌ طـــامـــسٌ : میرے اور میرے گھر کے درمیان تاریک رات اور بے نشان راستے ہیں۔(۲) یا تو وہ حرف کلمے کے وسط میں ہوگا جیسے وَھُم یَنھَوْن عَنہ وینئَوْن عنہ ۔(۳) یا آخر میں ہوگا جیسے الخیل معقود بنواصیھا الخیر گھوڑے کے پیشانی کیساتھ خیر و بھلائی وابستہ ہے۔تو ان مذکورہ تین مثالوں میں (طاء) اور (دال) اور اسی طرح (ھاء) اور (ھمزہ) (لام) اور (راء) قریب المخرج ہے۔ اور اگر وہ دونوں حروف قریب فی المخرج نہ ہو اسکو جناس لاحق کہتے ہیں گویا کہ ایک کلمہ دوسرے کلمے کیساتھ اکثر حروف کے اعتبار سے موافقت رکھتا ہے اور اسکی بھی تین قسمیں ہیں۔(۱) اسلئے کہ حرف یا تو کلمے کے شروع میں ہوگا جیسے وَیل لکل ھُمَزَۃٍ لُمَزَۃٍ ھلاکت ہے ہر طعنہ دینے والے اور عیب چننے والے کیلئے ۔تو اس مثال میں (لام) اور (ھاء) میں اختلاف پایا جارہا ہے اور یہ دونوں قریب المخرج بھی نہیں ہے۔(۲) یا وہ حرف وسط میں ہوگا جیسے ذٰلِـــکُـــمْ

بِمَا کُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ اس مثال میں (فاء) اور (میم) یہ دونوں قریب المخرج نہیں۔ (۳) یا وہ حرف آخر میں ہوگا جیسے فَاِذَا جَاءَ هُمْ اَمْرٌ مِنَ الْاَمْنِ اس مثال میں (راء) اور (نون) میں اختلاف پایا جارہا ہے اور وہ دونوں قریب المخرج نہیں ہے۔

وان اختلفافی ترتیبها الخ....اگر دو الفاظ متجانسہ میں انواع حروف تعداد حروف اورھیات حروف کے اعتبار سے اتحاد ہو لیکن ترتیب حروف کے اعتبار سے اختلاف موجود ہو اسے جناس مقلوب یا قلب کہتے ہیں۔

حُسَامُهُ فَتْحٌ لِاَوْلِیَائِهٖ :: حَتْفٌ لِاَعْدَائِهٖ :

اسکی تلوار دوستوں کیلئے فتح ہے اور دشمنوں کیلئے موت ہے۔ پھر اسکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اگر سارے حروف کی ترتیب کو الٹ دیا گیا ہو تو اسے قلب کل کہتے ہیں جیسے اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا اے اللہ ہمارے عیوب کو چھپالے اور گھبراھٹوں سے ہمیں محفوظ رکھ۔ (۲) اور اگر بعض حروف کی ترتیب کو الٹ دیا گیا ہو اسے قلب بعض کہتے ہیں۔

واذاوقع احدهم فی اوّل البیت الخ....اگر تجانس قلب کے دو الفاظ متجانس میں سے ایک شعر کے شروع میں ہو واقع ہو اور دوسرا آخر میں تو اسے مقلوب مجنح کہتے ہیں گویا کہ وہ دونوں الفاظ اس شعر کیلئے بمنزلہ بازو اور پیر کے ہے۔ جیسے شاعر کا یہ شعر۔

لَاحَ انوار النّدی من کفّه فی کلّ حال

سخاوت کے انوار ممدوح کے ہاتھوں سے ہر حال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تو یہاں پر لاح اور حال میں قلب ہوا ہے جبکہ دونوں کلمے شعر کے طرفین میں ہے۔

وَاِذَا وَلِیَ اَحَدُ الْمُتَجَانِسَیْنِ الخ.....جب ایک لفظ متجانس دوسرے لفظ متجانس کیساتھ ذکر کیا جائے متصلاً تو اسے جناس مزدوج اور مکرر کہتے ہیں جیسے وَجِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَقِیْنٍ یہ جناس لاحق کی مثال ہے۔

ویلحق بالجناس الخ......یہاں سے مصنفؒ جناس کے ملحقات کو بیان

فرمارہے ہیں اسکی دو قسمیں ہیں۔(۱) کہ دو لفظوں کیلئے جامع اشتقاق ہو یعنی دو کلموں کا حروف اصلی میں متفق ہونے کے ساتھ ساتھ معنی میں بھی متفق ہو جیسے فَاقِمْ وجهک لِلدِّین القیّم ...اس مثال میں (اقم) اور (قیم) یہ دونوں الفاظ قامَ یَقُومُ سے مشتق ہے۔(۲) کہ ان لفظوں کیلئے جامع مشابہت ہو یعنی ایک لفظ کا دوسرے لفظ کیساتھ اس طور پر متفق ہونا جو اشتقاق کے مشابہ ہو جیسے قَالَ انی لعملکم من القَالین ...حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک میں تمہارے عمل سے بیزار ہو۔تو قَالَ قول سے مشتق ہے جسکے معنی بات کرنے کے آتے ہے اور قالین قلی سے مشتق ہے جسکے معنی بیزاری کے آتے ہے لیکن ان دونوں الفاظ کیلئے شبہ اشتقاق جامع ہے۔

(۲) ومنه ردّالعجزعلیٰ الصّدر الخ...محسنات لفظیہ میں سے دوسری وجہ ردالعجز الخ..ہے عجز کے معنی پچھلا حصہ اور صدر کے معنی ابتدائے حصہ۔

اصطلاحی تعریف : ردعجز علی الصدر کی نثر میں تعریف یہ ھیکہ دو الفاظ مکررہ یا دو الفاظ متجانسہ، یا دو الفاظ ملحقہ بالجناس میں سے ایک کو فقرہ کے شروع میں اور دوسرا فقرہ کے آخر میں لایا جائے تو ردعجز علی الصدر کی اقسام نثر میں چار ہیں۔(۱) الفاظ مکررہ کی مثال جیسے وتَخشی النّاس واللہ احقّ ان تخشاہ ...(۲) الفاظ متجانسہ کی مثال جیسے وسائل اللّئیم یرجع ودمعه سائلٌ ..بخیل سے سوال کرنے والا لوٹتا ہے اس حال میں کہ اسکے آنسو بہ رہے ہوتے ہیں۔(۳) الفاظ ملحقہ کی مثال جو اشتقاق کے اعتبار سے ایک دوسرے کیساتھ متحد ہو جیسے واستغفروا ربّکم انّه کان غفّاراً...(۴) ملحق بشبہ اشتقاق کی مثال جیسے قال انی لعملکم من القالین... ردالعجز علی الصدر کی تعریف نظم میں یہ ھیکہ دو الفاظ مکررہ یا دو الفاظ متجانسہ یا دو الفاظ ملحقہ بالاشتقاق یا دو الفاظ ملحقہ بشبہ اشتقاق میں سے ایک شعر کے آخر میں واقع ہو اور دوسرا لفظِ شعر یا تو شعر کے مصرع اول کے شروع میں واقع ہوگا یا دوسرا لفظ شعر کے مصرع ثانی کے شروع میں ہو۔تو چار کو چار میں ضرب دینے سے سولہ قسمیں بنتی ہیں گویا کہ ردّالعجز علی الصدر کی نظم میں سولہ قسمیں ہیں۔

مصنفؒ نے تیرہ اقسام کی مثالیں بیان کی ہے اور تین اقسام کی مثالوں کو بیان

نہیں کیا مذکورہ مثالوں پر اکتفاء کرنے کی وجہ سے۔

(۱) نظم میں الفاظ مکررہ کی مثال جبکہ ان میں سے ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اوّل کے شروع میں ہو جیسے مغیرہ بن عبداللہ کا یہ شعر۔

سريع الى ابن العم وجهه :: وليس الى داعي النّدى بسريع :

وہ جلد باز ہے اپنے چچازاد بھائی کو منہ پر تپیڑ مارنے میں اور داعی سخاوت کی طرف جلد باز نہیں ہے۔

(۲) نظم میں ان دو الفاظ مکررہ کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے وسط میں ہو جیسے ابن عبداللہ کے اس شعر میں۔

تمتّع من شميم عرار نجد :: فمابعد العشية من عرار :

تو فائدہ حاصل کر نجد کے سرزمین کے پھولوں کو سونگھ کر اسلئے کہ شام کے بعد کوئی پھول نہیں ملے گا۔

(۳) نظم میں ان دو الفاظ مکررہ کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے آخر میں ہو جیسے ابوتمام شاعر کا یہ شعر۔

ومن كان بالبيض الكواعب مغرماً :: فمازلت بالبيض القواضب مغرماً :

اور جو ہو خوبصورت پستان ابھری ہوئی عورت پر عاشق (تو ہو) میں تو برابر سفید کاٹنے والی تلواروں پر عاشق ہو۔

(۴) نظم میں ان دو الفاظ مکررہ کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع ثانی کے شروع میں ہو جیسے ذوالرّمہ کا یہ شعر۔

وان لم يكن الا معرج ساعة :: قليلافانّ نافع لي قليلُها :

اگر چہ نہ ہو ٹھہرنا مگر ایک ساعت کے تھوڑے وقت کیلئے بے شک میں ایسا آدمی ہو کہ میرے تھوڑا سا ٹھہرنا بھی نافع ہے۔

(۵) نظم میں الفاظ متجانسہ کی مثال جبکہ ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے شروع میں ہو جیسے قاضی ارجانی کا یہ شعر۔

دعاني من ملاكماسفاهاً :: فداعي الشوق قبلكمادعاني :

تم دونوں مجھے چھوڑ دو اپنی ملامت سے بیوقوفی کی وجہ سے پس شوق کے داعی نے تم دونوں سے پہلے مجھے بلایا ہے۔

(۶) الفاظ متجانسہ کی مثال جبکہ ان میں سے ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے وسط میں ہو جیسے ثعالبی شاعر کا یہ شعر۔

واذاالبلابل افصحت بللاغتها :: فانف البلابل باحتساء بلابل :

اور جب بلبل پرندے عمدہ بولیاں بولے پس تو اپنے غم کو دور کرایک کوزہ بھر شراب پی کر۔

(۷) ان دو الفاظ متجانسہ کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے آخر میں ہو جیسے حریری کا یہ شعر۔

فمشغوف بآيات المثانی :: ومفتون برنات المثانی :

بعض لوگ قرآن کی آیت پر عاشق ہوتے ہیں اور بعض باجوں کے نغمات پر عاشق ہوتے ہیں :

(۸) ان دو الفاظ متجانسہ کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع ثانی کے شروع میں ہو جیسے قاضی ارجانی کا یہ شعر۔

امّلتهم ثمّ تامّلتهم :: فلاح لی ان ليس فيهم فلاح :

میں نے ان سے امید رکھی خیر کی پھر میں نے ان کے بارے میں غور وفکر کیا پس یہ بات میرے لئے ظاہر ہوئی کہ ان مین خیر نہیں ہے۔

(۹) ان دو الفاظ ملحق باشتقاق کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے شروع میں ہو جیسے بختری کا یہ شعر۔

ضرائب ابدعتهافی السّماح :: فلسنانری لک فیهاضریباً :

فطرتیں ایجاد کی ہے تو نے سخاوت میں پس نہیں دیکھتے ہم تیرے لئے اسمیں کوئی مثل ونظیر جو سخاوت مین آپکی طرح ہو۔

(۱۰) ان دو الفاظ ملحق باشتقاق کی مثال جسمیں سے ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے وسط میں ہو جیسے امرءالقیس کا یہ شعر۔

اذالمرء لم يخزن عليه لسانه :: فليس علی شئ سواه بخزّان :

جب آدمی اپنی زبان کی حفاظت نہ کر سکے تو وہ اسکے علاوہ سے اپنی حفاظت بطریق اَولیٰ نہیں کرسکتا ہے۔

(۱۱) ان دو الفاظ ملحق باشتقاق کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے آخر میں ہو جیسے عبداللہ بن محمد کا یہ شعر۔

فدع الوعيذ فما وعيدك ضائرى :: اَطنَيْنُ اجنحة الذباب يضير :

پس تو اپنی دھمکی دینا چھوڑ دے کیونکہ تیری دھمکی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی کیا مکھی کے پروں کی بھنبھناہٹ تکلیف دے سکتی ہے۔

(۱۲) ان دو الفاظ ملحق باشتقاق کی مثال جسمیں میں سے ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا شعر کے مصرع ثانی کے شروع میں ہو جیسے ابوتمام کا یہ شعر۔

وقد كانت البيض القواضب في الوغىٰ :: بواتر فهى الأن من بعده بُتر :

تحقیق وہ سفید کاٹنے والی تلواریں لڑائی میں ممدوح کے حسن استعمال کی وجہ سے کاٹنے والی تھی پس وہ تلواریں اب ممدوح کے وصال کے بعد بیکار پڑی ہوئی ہے۔ اسلئے کہ اسکے وصال کے بعد کوئی باقی نہ رہا جوان کو ممدوح کی طرح استعمال کرے۔

(۱۳) ان دو الفاظ ملحق بشبہ اشتقاق کی مثال جسمیں ایک شعر کے آخر میں اور دوسرا مصرع اول کے وسط میں ہو جیسے ابوالعلاء کا یہ شعر۔

لو اختصرتم من الاحسان زرتكم : والعذب من الماء يهجر للافراط فى الخصر :

اگر تم احسانات کرنے میں کمی کرتے تو اے ممدوح میں تیری زیارت کرتا حالانکہ میٹھا اور شیریں پانی بھی زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

(۳) **ومنه السجع** الخ.. محسنات لفظیہ میں سے تیسری وجہ سجع ہے لغوی معنی کبوتر کے آواز کے آتا ہے

اصطلاحی تعریف :نثر میں دو فاصلوں کا آخری حرف پر موافق ہونے کو سجع کہتے ہیں اور امام سکاکیؒ کے قول کا مطلب بھی یہ ھیکہ نثر میں سجع ایسا ہی ہے جیسا شعر میں قافیہ ہوتا ہے۔

فائدہ :سجع کے سبق میں چار اشیاء کا جاننا ضروری ہے (۱) سجع (۲) فاصلہ (۳) قرینہ

(۴) فقرہ ۔ فاصلہ قرینہ کے آخری کلمے کو کہتے ہیں، سجع دو فاصلوں کا آخری حرف پر متفق ہونا، قرینہ کلام کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو دوسرے کا موافق ہو اور فقرہ اسے کہتے ھیکہ جسمیں ایک قرینہ کا دوسرے قرینہ کیساتھ مقارن ہونے کا شرط لگائی گئی ہو۔

وهو علی ثلثة اقسام الخ.... سجع کی تین اقسام ہیں (۱) مطرف (۲) ترصیع (۳) متوازی [۱] مطرف :اگر دونوں فاصلے وزن میں مختلف ہو اُسے سجع مطرف کہا جاتا ہے جیسے مالکم لا ترجون لله وقاراً ۔وقدخلقکم اطواراً چنانچہ اس مثال میں (وقار) اور (اطوار) دونوں فاصلے وزن میں مختلف ہے ۔[۲] سجع ترصیع :اگر دونوں فاصلے وزن میں مختلف نہ ہو تو پھر اگر ایک قرینہ کے سارے الفاظ ملا کر الفاظ اگر مقابل ہو دوسرے قرینہ کے سارے الفاظ یا اکثر الفاظ کیساتھ وزن اور قافیہ بندی میں تو اسے ترصیع کہتے ہے جیسے فهو يطبع الاسجاع بجواهر لفظه ويقرع الاسماع بزواجر وعظه ۔اس مثال میں دوسرے قرینہ کے سارے کے سارے الفاظ قرینہ اول کے الفاظ کے موافق ہے سوائے لفظ (ھو) کے کہ دوسرے قرینہ کا کوئی لفظ اسکے مقابلے میں نہیں ہے ۔[۳] اور اگر ایک قرینہ کے سارے الفاظ یا اکثر الفاظ دوسرے قرینہ کے مقابلے میں نہ ہو تو اُسے متوازی کہتے ہیں جیسے فيها سررٌ مرفوعة واكوابٌ موضوعةٌ۔ اس آیت میں (سررٌ) اور (اکوابٌ) وزن اور قافیہ بندی میں ایک دوسرے کے مخالف ہے۔ اور کبھی صرف وزن میں مختلف ہوتے ہے جیسے والمرسلات عرفاً .فالعاصفات عصفاً ..اور کبھی صرف قافیہ بندی میں اختلاف ہوتا ہے اور وزن میں اتفاق جیسے ہمارا یہ قول حصل الناطق والصامت وهلك الحاسدُ والشامت بولنے والا اور خاموش رہنے والا مال حاصل ہوا اور حسد کرنے والا اور میری مصیبت پر خوش ہونے والا ھلاک ہوا۔

قيل احسن السجع الخ.... کہا گیا ہے کہ بہترین سجع وہ ھیکہ جسکے سارے قرائن کلمات کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہو جیسے قرآن میں ہے.. في سدر مخضود..وطلح منضود..وظلّ ممدود. پھر اسکے بعد بہتر سجع وہ ھیکہ

جسکا دوسرا قرینہ بہ نسبت اول کے ذرا لمبا ہو جیسے قرآن میں ہے.. والنجم اذاھوی ..ماضلّ صاحبکم وماغوی... یا اسکا تیسرا قرینہ بہ نسبت اول دونوں قرینوں کے لمبا ہو جیسے قرآن میں ہے.. خذوہ .. فغلوہ ..ثم الجحیم صلوہ...

اولایحسن الخ.... مصنفؒ یہ بیان فرماتے ھیکہ یہ بہتر نہیں کہ دوسرا قرینہ پہلے قرینہ سے بہت زیادہ چھوٹا ہو کثیراً کا قید اسلئے لگایا تا کہ.. الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل ۝الم یجعل کیدھم فی تضلیل سے احتراز ہو جائے۔

والاسجاع مبنیة الخ... اسجاع، اعجاز یعنی فواصل قرائن کے آخر کے سکون پر مبنی ہوتے ہیں اسلئے کہ فواصل قرائن کے اواخر میں موافقت اور مکمل مشابھت وقف اور سکون ہی کے ذریعے تام ہوتا ہے جیسے اھل عرب کا قول مَاأبعدمَافات مَاأقرب ماھواٰت تو اس مثال میں اگر سکون کا اعتبار نہ کیا جائے تو سجع فوت ہو جائیگا اسلئے کہ (فات) کا (تاء) مفتوح ہے اور (اٰت) کے نیچے تنوین ہے۔

ولایقال فی القرآن الخ.... یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرماتے ھیکہ ادب اور تعظیم کی رعایت کرتے ہوئے یہ نہ کھا جائے کہ قرآن میں بھی اسجاع ہے اسلئے کہ سجع اصل میں کبوتر کی آواز کو کھتے ہے۔

بعض کھتے ھیکہ اسوجہ سے شریعت نے اسکی اجازت نہیں دی لیکن یہ بات قابل قبول نہیں ہے اسلئے کہ کوئی بھی اسبات کا قائل نہیں کہ ان جیسی مثالیں شریعت کی اجازت پر مبنی ہے ھاں البتہ اختلاف اسماء الھیہ میں ہے خلاصہ یہ ھیکہ قرآن میں اسجاع نہ کھا جائے بلکہ فواصل کھا جائے۔

وقیل السجع غیرمختص الخ.... سجع نثر کیساتھ مختص نہیں بلکہ نظم میں بھی جاری ہوتا ہے جیسے ابوتمام شاعر کا یہ شعر۔

تجلی به رشدی واثرت به یدی :: وفاض به ثمدی واوری به زندی :

ممدوح کی وجہ سے میری ھدایت روشن ہوئی اور میرا ہاتھ غنی اور مالدار ہو گیا میرا تھوڑا مال زیادہ ہو گیا اور میرا چقماق آگ دینے والا ہو گیا۔

ومنه التشطیر الخ ..اور سجع میں سے تشطیر بھی ہے اور وہ شعر کے ایک سجع کو دوسرے سجع کے مخالف بنانا ہے جیسے ابوتمام کا یہ شعر۔

تدبیر معتصمٍ باللہ منتقمٌ :: للہ مرتغبٌ فی اللہ مرتقبٌ :

معتصم باللہ کی تدبیر اللہ کیلئے ہوتا ہے وہ اللہ ہی کیلئے انتقام لیتا ہے اللہ کی رضاء والے کاموں میں رغبت رکھتا ہے اور اللہ کے ثواب کا منتظر ہے اور اسکے عذاب سے ڈرتا ہے۔ اول سجع مُنتقم اور معتصم کے (میم) پر مبنی ہے اور دوسرے مصرع کا سجع مرتغب اور مرتقب کے (باء) پر مبنی ہے۔

(۴) ومنه الموازنةُ الخ ..محسنات لفظیہ میں سے چوتھی وجہ موازنہ ہے لغوی معنیٰ ہم وزن ہونا۔

اصطلاحی تعریف : یہ ھیکہ اگر دو فاصلے وزن میں برابر ہونگہ قافیہ میں تو موازنہ کھلاتا ہے جیسے قرآن ..ونمارق مصفوفة ٥وزرابی مبثوثة ٥اس آیت میں (مصفوفۃ) اور (مبثوثۃ) وزن میں تو برابر ہے البتہ قافیہ میں نہیں اسلئے کہ (مصفوفۃ) میں آخری حرف (فاء) ہے اور (مبثوثۃ) میں (ثاء) ہے اگرچہ آخر میں (تاء) ہے لیکن قافیہ میں تانیث کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ (ابن کثیرؒ کے ہاں.) چنانچہ اس سے موزنہ اور سجع کے درمیان فرق بھی واضح ہوگیا کہ موازنہ میں قافیہ میں برابری کا نہ ہونا ضروری ہے اور سجع میں قافیہ میں برابری ضروری ہے چنانچہ فیھا سررٌ مرفوعة واکواب موضوعةٌ یہ موازنہ میں سے نہیں ہوگا۔ پس اگر ہوا ایک قرینہ میں سارے کے سارے الفاظ یا اکثر الفاظ ان الفاظ کے مقابل جو دوسرے قرینہ میں ہے برابر ہو وزن میں تو موازنہ کے اس قسم کو مماثلہ کھا جاتا ہے جیسے قرآن میں ہے ۔وایتناھما الکتب المستبین ٥وھدیناھما الصراط المستقیم .. تو اس آیت میں سوائے (اتینا) اور (ھدینا) کے سارے کے سارے الفاظ وزن میں برابر اور ساوی ہے۔ موازنہ کی مثال نظم میں جیسے ابوتمام شاعر کا یہ شعر۔

مھا الوحش الان ھاتا اوانس :: قُنا الخط الان تلک ذوابل :

وہ عورتیں نیل گائے ہیں مگر یہ کہ یہ عورتیں زیادہ انس والیاں ہیں درازی قد میں وہ

خط کے نیزے ہیں مگر یہ کہ وہ نیزے سوکھے اور خشک ہیں (اور یہ عورتیں تروتازہ ہیں)۔ اس شعر میں بھی سوائے (ھاتا) اور (تلک) کے باقی سارے الفاظ وزن میں برابر ہے۔ جمیع کی مثال یعنی موازنہ مماثلہ کی مثال جسمیں ایک قرینہ کے سارے الفاظ دوسرے قرینہ کے الفاظ کے برابر ہو وزن کے اعتبار سے جیسے ابوتمام کا یہ شعر۔

فاحجم لمالم یجدفیک مطعماً :: وأقدم لمالم یجدعنک مهرباً :

وہ پیچھے ہٹ گیا جب وہ تجھ سے مانوس ہوگیا اور وہ آگے بڑھ گیا اب اس نے تجھ سے بھاگنے کا راستہ نہیں پایا۔

(۵) **ومنه القلب** الخ.. محسنات لفظیہ میں سے پانچویں وجہ قلب ہے لغوی.. معنی ول الٹنے پلٹنے کے آتے ہے۔

اصطلاحی تعریف : یہ ھیکہ کسی کلام کا اسطور پر ہونا کہ اگر آپ اس کو بالکل الٹ دے اور آپ آخری حرف سے ابتداء کرے تو بعینہ وہی کلام حاصل ہو قلب کھلاتا ہے۔ قلب نظم اور نثر دونوں میں ہوتا ہے نظم میں قلب کی مثال جیسے قاضی ارجانی شاعر کا یہ شعر۔

موذته تدوم لکل هولٍ :: وهل کل موذته تدوم :

اس ممدوح کی محبت قائم رہتی ہے ہر ڈر اور خوف کے باوجود اور کیا ہر کسی کی محبت قائم ودائم رھتی ہے۔ اور کبھی قلب شعر کے ایک مصرع میں ہوتا ہے جیسے ارانــــا الالــــه هــلالاً انــاراً اللہ نے چاند دکھادیا جس نے (پورے کائنات کو) منور کردیا۔ نثر میں قلب کی مثال جیسے قرآن میں ہے.. کلٌّ فی فلکٍ O وربک فکبّر اور کبھی قلب ایک کلمہ مفردہ میں بھی ہوتا ہے جیسے سلس بمعنی آسانی۔

(۶) **ومــنــه التشـريع** الخ.. محسنات لفظیہ میں سے چھٹی وجہ تشریع ہے جسکو توشیح اور ذوالقافیتین بھی کہتے ہیں اور وہ بنانا ہے شعر کو ایسے دو قافیوں پر کہ معنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے اوپر ٹھہرتے وقت صحیح ہو جیسے حریری شاعر کا یہ قول۔

یاخاطب الدنیاالدنیة انها :: شرك الردى وقرارة الاکدار :

اے کمینی دنیا کے خطبہ کرنے والے بیشک یہ دنیا تو ھلاکت جھال اور حودثات

اور ھجوم کا گڑھا ہے۔

تو اس شعر میں اگر آپ (روٰی) پروقف کرے تو شعر بحر کامل کے آٹھویں قسم میں سے ہو جائیگا اور اگر (اکدار) پر وقف کرے تو شعر بحر کامل کے دوسرے قسم میں سے ہو جائیگا (اسبات کو سمجھنے کیلئے درجہ سادسہ میں پڑھائی جانی والی کتاب متن الکافی میں دیکھ سکتے ہے)

﴿۷﴾ومنه لزوم مالایلزم الخ...محسنات لفظیہ میں ساتویں وجہ لزوم مالایلزم ہے جسکو التزام، تضمین، تشدید اور اعنات بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ھیکہ آئے قافیہ کے حرف روی سے پہلے یا جو اسکے معنی میں ہو یعنی فاصلہ سے پہلے وہ چیز جو سجع میں لازم نہ ہو اور اسکا آنا دو یا دو سے زیادہ اشعار میں ہونا ضروری ہے اور لزوم مالایلزم نثر کلام اور نظم کلام دونوں میں جاری ہوتا ہے مثال نثر جیسے فاما الیتیم فلاتقهر واما السائل فلاتنهر اس آیت میں راء بمنزلہ حرف روی کے ہے اور دونوں فاصلوں میں ھاء کا آنا راء سے پہلے یہ لزوم مالایلزم ہے اسلئے کہ سجع اس کے بغیر بھی درست ہوتا ہے جیسے فلاتنهر ولاتسخر ولاتنحر مثال نظم میں جیسے محمد بن السعید الکاتب کا یہ شعر عمرو بن سعید کے مدح وثناء کے بارے میں بعض کھتے ہیں

یہ اشعار عبداللہ بن زبیر اسلمی نے عمرو بن عثمان بن عفان کے مدح وثناء میں کھے۔

ساشکر عمروا ان تراخت منیتی : ایادی لم تمنن وان ہی جلّت :

فتی غیر محجوب الغنی عن صدیقه : ولا مظهر الشکوی اذا النعل زلّت :

رای خلتی من حیث یخفی مکانها : فکانت قذی عینیه حتی تجلّت :

عنقریب میں عمرو کا شکر ادا کرونگا اگر میری موت مؤخر ہوئی انکی ان نعمتوں پر جو زیادہ ہونے کے باوجود بھی منقطع نہیں ہوئی وہ ایک ایسا نوجوان ہے کہ اسکی مال و دولت اسکے دوست سے چھپی ہوئی نہیں اور نہ اس نے کبھی شکوہ کیا جسوقت کہ جوتا اور قدم پھسل جائے اس نے میرے فقر وفاقہ اور تنگدستی کو دیکھا اس جگہ سے جہاں وہ چھپا ہوا تھا پس میری وہ تنگدستی اور فقر وفاقہ اسکی آنکھوں کا تنکہ بن گئی یہاں تک وہ دور ہو گیا تو اس شعر میں حرف روی (تاء) ہے اور اس سے پہلے (لام) مشدد مفتوح کو لایا گیا ہے جو کہ سجع میں لازم نہیں اسلئے کہ سجع اسکے بغیر بھی درست ہوتا ہے جیسے جلت، مدت، حقت

،انشقت ۔

اصل الحسن الخ......مذکورۃ محسنات لفظیہ میں اصل حسن اسوقت پیدا ہوگا جبکہ الفاظ معانی کے تابع ہونہ کہ اسکے برعکس ہو یعنی معانی الفاظ کے تابع ہو اسطور پر کہ الفاظ بتکلف بنابنا کرلایا جائے اور کیف ماکانت معنی اسکے تابع ہو جیسا کہ بعض متاخرین ایسا کرتے ہیں جن کو محسنات لفظیہ میں تو وہ کلام ایسا بنادیتے ہے گویا کہ کلام کو افادہ معنی کیلئے لاہی نہیں گیا اور وہ دلالت کے مخفی ہونے اور معنی کے باریکی کے کوئی پردہ ہی نہیں کرتے تو ان الفاظ کی مثال ایسی ہے جیسے نیام سونے کا اور اسمیں تلوار لکڑی کا ہو۔

خاتمہ

یہ فن ثالث کا خاتمہ ہے جو کہ سرقات شعریہ اور ان کے ملحقات یعنی اقتباس، تضمین ،عقد وحل، تلمیح ،وغیرہ یعنی حسن ابتداء، تخلص اور حسن انتہاء کے بیان میں ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ فن ثالث یعنی علم بدیع کا خاتمہ ہے نہ کہ اصل کتاب کا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے.

اتفاق القائلین فی الغرض الخ......اگر دو قائلین کا اتفاق ہو کسی غرض عام میں جیسا کہ وصف شجاعت میں دو قائلوں کا متفق ہونا یا وصف سخاوت میں متفق ہونا تو وصف سخاوت اور وصف شجاعت میں دو قائلوں کے اس اتفاق کو سرقہ التعانت اور اخذ نہیں کھا جائیگا اسلئے کہ یہ غرض عام عقول اور عادات میں اتنی راسخ اور پختہ ہو چکی ہے کہ اسمیں فصیح وغیر فصیح شاعر وغیر شاعر سب شریک ہے۔

وان کان فی وجه الدلالة الخ.....اور اگر دو قائلوں کا اتفاق کسی غرض عام پر طریقہ دلالت میں ہو مثلاً تشبیہ مجاز اور کنایہ میں دو قائلوں کا اتفاق ہو یا ان ہیئات کے ذکر کرنے میں دو قائلوں کا اتفاق ہو جو کسی خاص صفت اور غرض پر دلالت کرتے ہو اسلئے کہ وہ صفت اپنے موصوف کیساتھ خاص ہے جیسے سخی کو متصف کرنا بشاشت کیساتھ کسی سائل کی آمد کے وقت یا کسی بخیل کو متصف کرنا عبوس اور ماتھے پر تیوری چڑھانے کیساتھ سائل کے آمد کے وقت باوجود اسکے کہ اسکے پاس مال بہت ہے تو پھر دیکھا جائیگا کہ اس وجہ دلالت کی معرفت میں سارے لوگ شریک ہے اسلئے کہ وہ طریقہ دلالت کسی غرض عام پر عقول اور عادات میں پختہ ہو چکی ہے جیسے کسی بہادر کو شیر کیساتھ تشبیہ دینا اور سخی کو سمندر کیساتھ تشبیہ

دیناتواس اتفاق کوبھی سرقہ استعانت اوراخذنہیں کھینگے ۔**والّا** اوراگرکسی غرض عام پرطریقہ دلالت کی معرفت میں سارے کے سارے لوگ شریک نہ ہوتو پھراسمیں یہ بات جائزھیکہ ان دوقائلوں میں سے ایک کے بہتر اوراکمل ہونے کادعوی کیاجائے اوردوسرے کے بارے میں یہ دعوی کیاجائے کہ اس نے اول پرکچھ زیادتی کی ہے یاکمی کی ہے جس غرض کے طریقہ پردلالت کی معرفت میں سارے لوگ شریک نہ ہواسکی دوقسمیں ہیں۔(۱) خاصی فی نفسہ غریب :یعنی جسکوخواص ہی غوروفکرکے ذریعہ جان سکتے ہونہ کہ عوام ۔(۲) عامی جسمیں ایساتصرف کیاگیاہوکہ وہ تصرف اس کوابتذال سے غرابت کی طرف نکالدے۔

فالاخذوالسرقةنوعان الخ.....احذ کے معنی لینااورسرقہ کےلغوی معنی چوری کرنااس عبارت سے مصنفؒ اخذوسرقہ کوتفصیل سے بیان فرمارہے ہیں یعنی وہ معنی جوان دومعانوں کیساتھ یادکیاجاتاہے اخذوسرقہ کی دوقسمیں ہیں(۱)اخذوسرقہ ظاہر(۲) اخذو سرقہ غیرظاہر۔[۱]اخذوسرقہ ظاہریہ ھیکہ کل معنی کولیاجائے سارے کے سارے الفاظ کیساتھ یابعض الفاظ کیساتھ یاصرف معنی کولیاجائے پس اگرسارے کے سارے الفاظ کولیاجائے الفاظ کی کیفیت اورتالیف میں تبدیلی کئے بغیرتویہ مذموم ہے اسلئے کہ یہ سرقہ محضہ ہےاوراس قسم کے سرقہ کونسخ اورانتحاء بھی کہتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن زبیر کے بارے میں مشھورھیکہ انہوں نے معن بن اوس کے شعرکواپنی طرف منسوب کیاہے وہ شعریہ ہے

اذاانت لم تنصف اخاك وجدتَّه : علیٰ طرف الهجران ان کان یعقل :
ویرکب حد السیف من ان تضیمه : اذالم یکن عن شفرةالسیف مزحلٗ :

جب تواپنے بھائی کیساتھ انصاف نہ کرے اوراس کے حقوق کوپوراادانہ کرے توتوپائیگااس کوکہ وہ تجھے چھوڑنے والاہوگااگروہ سمجھدارہواوروہ سوارہوجائیگاتلوارکی دھارپرتیرے ظلم سے بچنے کیلئے جب تلوارکی دھارسے دوری نہ ہو۔

واقعہ.....واقعہ یہ ھیکہ یہ دواشعارحضرت عبداللہ بن زبیرؓنے حضرت معاویہؓ کے سامنے پڑھے توحضرت عبداللہ بن زبیرسے حضرت معاویہؓ نے کھاکہ اے ابابکریعنی عبداللہ توتوشاعربن گیاہے ابھی عبداللہ حضرت معاویہؓ کی مجلس سے جداہی نہیں ہوئے تھے کہ معن بن اوس المزنیؓ تشریف لائے انہونے ایک قصیدہ پڑھاجسکااول شعریہ ہے۔

لعمرك ماادری وانی لاوجلُ : علی اینا تغدالمنیة اوّلُ :

تیری عمر کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں ڈر رہا ہوں کہ ہم میں سے کس پر موت پہلے واقع ہوگی یہاں تک کہ معن بن اوس نے پورا قصیدہ پڑھا اس قصیدے میں مذکورہ دونوں اشعار بھی تھے حضرت معاویہؓ عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ کیا تو نے یہ خبر نہیں دی تھی کی یہ اشعار میرے ہے تو ابن زبیر نے کہا عذر پیش کرتے ہوئے کہ الفاظ تو ان کے ہے لیکن معنی میرا ہے اور دوسری بات یہ ھیکہ معن بن اوسؓ میرے رضاعی بھائی ہے اور میں ان کے اشعار کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔

وفی معناہ الخ....اور یہ قسم بھی سرقہ محضہ کے حکم میں ہے کہ سارے کلمات کو یا بعض کلمات کو ان کے مترادف کلمات کیساتھ تبدیل کیا جائے جیسے حطیہ شاعر کے اس شعر کو مترادف الفاظ کیساتھ تبدیل کیا گیا جیسے

ذع المکارم لاترحل لبغیتھا : واقعُدفانک انت الطّاعم الکاسی

جن مترادف الفاظ کیساتھ شعر کے الفاظ کو تبدیل کیا گیا ہے وہ یہ ھیکہ

ذرالماثر لاتذھب لمطلبھا : واجلس فانّک انت الاکل الابس

لذتوں اور شرافتوں کو اور اسکے طلب کرنے کو چھوڑ دے اور آرام سے بیٹھ جا اسلئے کہ تو صرف کھانے والا اور پہنے والا ہے۔(۲) اسکی مثال جسمیں بعض الفاظ کو مترادف الفاظ کیساتھ تبدیل کیا جائے جیسے امرأالقیس کے اس شعر میں طرفہ شاعر نے صرف ایک لفظ کو اسکے مرادف لفظ کیساتھ تبدیل کیا ہے جس کو وہ قصیدہ دالیہ میں ذکر کر چکے ہے۔

وقوفابھاصحبی علی مطیّھم : یقولون لاتھلک اسیً وتحمّل :

میرے دوست واحباب ان میدانوں میں سواریاں روک کر کہ رہے ہیں کہ تو ھلاک نہ ہو غم کی وجہ سے اور صبر کر۔ تو طرفہ نے تحمّل کی جگہ تجلد کہا ہے۔

وانکان مع تغییر لنظمہ الخ.....اور اگر سارے الفاظ کو لے لیا جائے اور چوری کیا جائے الفاظ میں تبدیلی کیساتھ یا بعض الفاظ کو لیا جائے تو اس کو اغاہ اور مسخ کہتے ہیں پھر یہ تین حال سے خالی نہیں ہوگا (۱) یا تو کلام ثانی کلام اوّل سے بلیغ ہوگا (۲) یا کلام ثانی کلام اوّل سے کم ہوگا (۳) یا اسکے برابر ہوگا پس اگر کلام ثانی اوّل سے بلیغ تر ہے کسی

فضیلت کیساتھ مختص ہونے کی وجہ سے تو ثانی ممدوح اور مقبول ہوگا جیسے بشار کا یہ شعر۔

من راقب الناس لم یظفر بحاجته : وفاز بالطیّبات الفاتک اللهج :

جوشخص لوگوں سے ڈراوہ کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا اور کامیاب ہوا لذتوں میں بہادر دلیر اور شجاع آدمی۔ اسکے بعد سلمہ کا یہ شعر

من راقب الناس مات هماً : وفاز باللذات الجسورُ

جوشخص لوگوں سے ڈراوہ غم میں مرگیا اور لذتوں میں کامیاب ہوا جرأت والا۔ سلمہ کا یہ شعر نظم کے اعتبار سے بہتر ہے اور الفاظ کے اعتبار سے مختصر بھی ہے لھذا یہ اخذ مقبول ہوگا۔ (۲) اور اگر کلام ثانی کلام اوّل سے کم تر ہو بلاغت کے اعتبار سے اس فضیلت کے فوت ہونے کی وجہ سے جو کلام اوّل میں مقصود ہے تو ثانی مذموم ہوگا جیسے محمد بن حمید کے مرثیہ میں ابوتمام کا یہ شعر۔

هیهات لایاتی الزمانُ بمثله : ان الزمان بمثله لبخیل :

بہت ہی بعید ہے یہ بات کہ زمانہ محمد بن حمید ممدوح کیطرح کوئی نہیں لائیگا بیشک زمانہ اسکی طرح لانے سے بخل کررہا ہے۔ اوراس کے بعد متنبّی کا یہ شعر۔

اعدی الزمان سخاءُهٗ فسخابه : ولقدیکون به الزمان بخیلا :

زمانہ متاثر ہوا ممدوح کی سخاوت سے پس اس زمانے نے ممدوح کی سخاوت کی ورنہ زمانہ تو اس ممدوح کی طرح لانے سے بخل کررہا تھا۔ یعنی زمانے نے ممدوح کو عدم سے وجود کیطرف نکالا اور زمانے نے ممدوح کو پیدا کیا ورنہ زمانہ تو اس ممدوح کی طرح لانے سے بخل کررہا تھا تو ابوتمام کا یہ شعر الفاظ کے اعتبار سے بھی عمدہ ہے متنبّی کے شعر کے بہ نسبت اسلئے کہ متنبّی کے شعر میں یکون فعل مضارع کیساتھ ہے جو اپنے محل پر واقع نہیں اسلئے کہ اس کو صیغہ ماضی کیساتھ ہونا چاہیے تھا لھذا یہ اخذ وسرقہ مذموم ہوگا۔

(۳) **وان کان الثانی مثله** الخ....اور اگر کلام ثانی اوّل کے برابر ہو تو ثانی مذموم تو نہ ہوگا لیکن فضیلت پھر بھی اول ہی کیلئے ہوگی جیسے ابوتمام کا یہ شعر۔

لوحار مرتاد المنیّته لم یجد : الا الفراق علی النفوس ذلیلا :

اگر موت کا طالب ھلاکت نفوس میں حیران ہوتو وہ نہیں پائیگا ھلاکت نفوس کے

اور کوئی دلیل سوائے جدائی کے۔ اسکے بعد متنبّی کا یہ شعر۔

لولا مفارقة الاحباب ماوجدت : لها المنايا الىٰ ارواحنا سبلاً :

اگر احباب کی جدائی نہ ہوتی تو موتیں نہ پاتی ہمارے ارواح کے ھلاکت کی طرف کوئی راستہ۔

تو متنبّی نے ابوتمام شاعر کے پورے معنی کو لیا ہے اور اسکے شعر کے کچھ الفاظ بھی لیئے ہے جیسے منیّۃ، وجدان، فراق، وغیرہ لیکن نفوس کے بجائے ارواح ذکر کیا لیکن چونکہ یہ نظم اور معنی دونوں اعتبار سے برابر ہے اسلئے اس قسم کا اخذ وسرقہ مذموم تو نہ ہوگا لیکن فضیلت شعر اول کو ہوگی۔

وان اخذ المعنی وحدہ الخ......اور اگر صرف معنی کو لیا جائے الفاظ کو نہ لیا جائے تو اس کو المام اور سلخ کہتے ہیں اسکی تین قسمیں ہیں۔(۱) اغارہ اور نسخ کے اقسام کی طرح اسلئے کہ ثانی یا تو کلام اول سے ابلغ ہوگا۔(۲) یا اس سے کم ہوگا۔(۳) یا اس کے برابر ہوگا۔[1] اول کی مثال کہ ثانی اول سے ابلغ ہو جیسے ابوتمام کا یہ شعر۔

هو الصنع ان يعجّل فخير وان يَرث : فالرّيث فى بعض المواضع انفع :

اور شان یہ ھیکہ اگر احسان جلد ظہور پزیر ہو تو بہت ہی بہتر ہے اور اگر اسمیں دیر ہو جائے تو بعض مواضع میں دیر بھی نافع ہوتی ہے۔اسکے بعد متنبّی کا یہ شعر۔

ومن الخير بطوء سَيبك : عنّى اسرع السّحب فى المسير الجهام :

اور بہتر ہی ھیکہ تیرے عطایا کا دیر تک مجھ سے دور رہنا اسلئے کہ چلنے میں سب سے زیادہ تیز وہ بادل ہوتے ہے جو پانی سے خالی ہو۔ تو یہاں متنبّی کا یہ شعر ابلغ ہے بہ نسبت ابوتمام کے شعر کے اسلئے کہ یہ بادلوں کے ضرب المثل پر مشتمل ہے۔[2] کہ کلام ثانی اول سے کمتر ہو جیسے بحتری کا یہ شعر۔

واذا تالّق فى النّدى كلامه المصقول : المقّج خلت لسانه من غضبه :

اور جب ممدوح کا صاف کلام مجلس میں چمکتا ہے تو تو یہ خیال کریگا کہ اسکی زبان اس ممدوح کی کاٹنے والی تلوار میں سے ہے۔اسکے بعد متنبّی کا یہ شعر۔

كانّ السنهم فى النّطق قدجُعلت : على رماجهم فى الطّعن خرصاناً :

گویا کہ بے شک ان کی زبانیں قوت گویائی میں ایسی ہے جیسا کہ ان کے نیزوں پر نیزہ زنی کیوقت پھالے ہو۔ تو بحتری کا شعر ابلغ ہے بہ نسبت متنبی کے شعر اسلئے کہ اسمیں تالق اور مصقول ایسے دو لفظ ہے جو استعارہ تخلیہ کی طرف اشارہ کرتے ہے کیونکہ تالق اور صقالہ کلام کیلئے بمنزلہ موت کے ناخنوں کے ہے [۴] کہ کلام ثانی اول کے برابر ہو بلاغت کے اعتبار سے جیسے ابوزیاد اعرابی کا یہ شعر۔

ولم یک اکثر الفتیان مالا : ولکن کان ارحَبَهم ذِرعاً :

ممدوح اگر چہ تمام نوجوانوں سے زیادہ مالدار نہیں لیکن وہ ان میں سب سے زیادہ سخی ہے۔ اسکے بعد اشجع شاعر کا یہ شعر جعفر بن یحیی کے مدح میں۔

ولیس باوسعهم فی المغنی : ولکن معروفة اوسع :

ممدوح جعفر بن یحیی کے پاس تمام باشاہوں سے زیادہ دولت تو نہیں لیکن اسکا احسان بہت ہی مشہور ہے بقیہ بادشاہوں کے احسان کرنے سے۔

واماغیرظاهر الخ...... یہاں سے مصنفؒ سرقہ غیر ظاہرہ کے اقسام بیان فرمارہے ہیں سرقہ غیر ظاہرہ کے اقسام اگر چہ بہت ہے لیکن مصنفؒ نے ان میں سے صرف پانچ کو ذکر کیا ہے ان میں سے اول یہ ھیکہ دونوں اشعار کے معانی ایک دوسرے کے مشابہ ہو جیسے جریر شاعر کا یہ شعر۔

فلا یمنعک من اربِ لُحاهم : سواءٌ ذوالعمامة والخمار :

تجھ کو نہ روکے حاجت سے جسکا تو ان سے ارادہ کرتا ہے انکی داڑھیاں اسلئے کہ ان کے پگڑی والے اور دوپٹے والیاں دونوں برابر ہے۔ یعنی ان کے مرد اور عورتیں دونوں کمزور ہے۔ اسکے بعد متنبی شاعر کا یہ شعر۔

ومن کفه منهم قناة : کمن فی کفه منهم خضاب :

ان میں سے جن کے ہاتھوں میں نیزہ ہے وہ اسکی طرح ہے جن کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوئی ہے۔

ومنه الخ.... سرقہ غیر ظاہرہ کے اقسام میں سے دوسری قسم یہ ھیکہ معنی کو دوسرے محل کی طرف منتقل کیا جائے جیسے بحتری شاعر کا یہ شعر۔

سُلِبوواشرقت الدماء علیهم : مُحمّرةً فکانّهم لم یُسلبوا :

ان کے کپڑے نکالے گئے اور سرخ خون ان کے اجسام پر چمکنے لگا گویا کہ ان کے کپڑے نکالے ہی نہیں گئے۔اسکے بعد متنبی شاعر کا یہ شعر۔

یبس النّجیع علیه وهومجرّدٌ : عن غِمْده فکانّماهو مُغْمد :

خون اسکی تلوار پر خشک ہوگیا حالانکہ وہ نیام سے باہر تھی لیکن یوں معلوم ہورہا تھا گویا کہ وہ نیام میں ہے اسلئے کہ اسکے اوپر خشک خون بمنزلہ نیام کے ہے۔ تو متنبی نے خون کو مقتولوں سے منتقل کیا تلوار کی طرف۔

ومنہ الخ....سرقہ غیر ظاہرہ کے اقسام میں سے تیسری قسم یہ ھیکہ معنی اول سے زیادہ اشمل اور جامع ہو جیسے جریر کا یہ شعر۔

اذاغضبت علیک بنوتمیم : وجدث الناس کلّهم غضاباً :

اور جب بنو تمیم تجھ پر ناراض ہو جائے تو تو تمام لوگوں کو ناراض پائیگا اسلئے کہ بنو تمیم تمام لوگوں کے قائم مقام ہے اسکے بعد ابونواس کا یہ شعر۔

ولیس من الله بمستنکر : ان یجمع العالم فی واحد :

اور اللہ کی قدرت سے یہ بات دور نہیں ھیکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کو ایک شخص میں جمع کرے۔

ومنہ الخ....سرقہ غیر ظاہرہ کے اقسام میں سے چوتھی قسم قلب ہے اور وہ یہ ھیکہ معنی ثانی معنی اول کا نقیض ہو جیسے ابوالشیص کا یہ شعر۔

اجدالملامةفی هواك لذیذةً : حبّاًلذکرك فلیلُمنی اللّوّمُ :

میں ملامت کو تیری محبت میں لذیذ پاتا ہو تیرے یاد کے محبت کی وجہ سے پس چاہئے کہ ملامت کرنے والے میری ملامت کرے۔ اسکے بعد متنبی کا یہ شعر۔

أاُحبّه واحبّ فیه ملامةً : انّ الملامةفیه من اعدائه :

کیا میں اس محبوب سے محبت کروں اور محبوب کی محبت میں ملامت کو بھی گوارا کروں بیشک ملامت تو اسکی محبت میں اسکے دشمنوں میں سے ہے۔ تو متنبی کے شعر کا معنی ابوالشیص کے شعر کے بالکل متضاد ہے۔

ومنه الخ.....سرقہ غیر ظاہرہ کے اقسام میں سے پانچویں قسم یہ ھیکہ بعض معنی کولیکر اسکے ساتھ کچھ اور محسنات کا اضافہ کیا جائے جیسے افوہ شاعر کا یہ شعر۔

وتری الطیر علیٰ اثارنا : رای عین ثقة ان ستمارُ :

تو دیکھے گا پرندوں کو ہمارے پیچھے پیچھے صریح آنکھ کیساتھ اس یقین پر کہ عنقریب ان کو کھانا دیا جائیگا یعنی ہم ان کو مقتولوں کا گوشت کھلائیں گے۔ اسکے بعد ابوتمام کا یہ شعر۔

وقد ظُلِّلت عقبان اعلامه ضحیً : بعقبان طیرفی الدّماء نواهل :

اَقامتْ مع الرّایات حتی کانّها : من الجیش الا انهالم تقاتل :

اور تحقیق سایہ کردیا گیا عقاب پرندوں کے ذریعہ ان کے رنگارنگ جھنڈوں پر چاشت کیوقت وہ عقاب پرندے خون سے سیراب تھے وہ عقاب پرندے جھنڈوں کیساتھ ایسے کھڑے تھے گویا کہ وہ لشکر میں سے ہے مگر یہ کہ وہ عقاب پرندے لڑتے نہیں۔ تو ابوتمام شاعر نے افوہ شاعر کے رای عین، ثقة، ان ستمار کے قول کے معنی کا کوئی ارادہ ہی نہیں کیا لیکن ابوتمام نے افوہ کے شعر پر کچھ ایسے محسنات کا اضافہ کیا جس نے پہلے شعر کے حسن کو مکمل کرلیا اور ابوتمام نے جن اشیاء کا اضافہ کیا وہ یہ ھیکہ الا انهالم تقاتل، فی الدماء نواهل، اور اقامت مع الرایات حتی کانها من الجیش یہاں تک کہ ان تینوں قیودات کی وجہ سے شعر اول کے حسن کو مکمل کرلیا۔

واکثر هذه الانواع الخ.....یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ سرقہ غیر ظاہرہ کی پانچوں اقسام مقبول ہیں اسلئے کہ اسمیں ایسا تصرف کیا جاتا ہے کہ جو تصرف ان کو اتباع کے قبیل سے نکالکر ابتداع کیطرف لیجاتا ہے اور کلام ماخوذ میں جتنی خفاء اور پوشیدگی ہوگی اتنا وہ قبولیت کے قریب ہوگا۔

هذاالذی کلّه انّمایکون الخ.....یہاں سے مصنفؒ فرمارہے ھیکہ سرقہ ظاہرہ اور اسکی جو اقسام ذکر کی گئی یعنی دوسرے کا پہلے سے لینا اور اسکا مقبول یا مردود ہونا یہ اس وقت ہے جبکہ یہ بات معلوم ہو کہ شاعر ثانی نے شاعر اول سے لیا ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو شاعر ثانی کے کلام پر اس قسم کا کوئی حکم نہیں لگایا جائیگا اسلئے کہ یہ بات جائز ہے ھیکہ دو قائلین میں اتفاق واتحاد اتفاقی طور پر ہوا ہو بغیر قائل اول سے لیتے ہوئے جیسے ابن میادةؒ

سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

مفیدو متلاف اذا اتیته : تہلل اهتزاهتزاز المهند :

تو ابن میادۃ سے کسی نے کہا کہ یہ شعر تو حطیئہ کا ہے تو نے کیسے اسکو اپنی طرف منسوب کیا تو ابن میادۃ نے کہا کہ اب مجھے یقین ہو گیا کہ میں شاعر بن گیا ہو اسلئے کہ میں نے حطیئہ کے شعر کی طرح شعر پڑھا حالانکہ میں نے اسکے شعر کو سنا ہی نہیں تھا پس جب یہ بات معلوم نہ ہو کہ شاعر ثانی نے اول سے لیا ہے تو اسوقت یہ کہا جائیگا کہ قال فلان کذا وقد سبقه اليه فلان فقال كذا کہ فلاں نے اسطرح کہا ہے اور اس سے پہلے فلاں نے اسطرح کہا تھا۔

ومايتصل بهذا الخ...... یہاں مصنفؒ سرقات شعریہ کے ملحقات بیان فرمارہے ہیں اور یہ پانچ ہیں (۱) اقتباس (۲) تضمین (۳) عقد (۴) حل (۵) اور تلمیح [۱] اقتباس کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے کسی آیت یا حدیث کے کسی ٹکڑے کو اس طور پر تضمین ہو کہ یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کی آیت یا حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جیسے اقتباس کی مثال نثر کلام میں جیسے حریری کا قول۔ فلم یکن الا کلمح البصر او هو اقرب حتی انشدو اغرب :اقتباس قرآنی کی مثال نظم میں جیسے

ان كنت ازمعت علیٰ هجرنا : من غير ما جرمٍ فصبرٌ جميلٌ :

وان تبذلت بنا غيرنا : فحسبنا الله ونعم الوكيل :

اے محبوبہ اگر تو نے ہمارے جدائی کا پختہ ارادہ کیا ہے بغیر کسی جرم کے تو صبر کرنا بہتر ہے اور اگر تو نے ہمارے ساتھ کسی اور کو تبدیل کر دیا اور اس کو ہمارے اوپر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیئے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

اقتباس فی الحدیث کی مثال نثر میں جیسے حریری کا یہ قول۔ قلنا شاهت الوجوه وقبح اللكع ومن يرجوه : برے ہو چہرے اور برا ہو کمینہ آدمی اور جو اس سے امید رکھے۔ اس مثال میں شاهت الوجوه حدیث کے الفاظ ہیں روایت میں آتا ہے کہ جب غزوہ حنین میں لڑائی سخت ہوگئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مٹی بھر کنکریاں ان کے چہرے پر دے ماری اور نبیؐ نے ان کیلئے بددعا کرتے ہوئے فرمایا شاهت الوجوه۔ اقتباس فی الحدیث کی مثال نظم میں جیسے ابن عبادہ کا یہ قول۔

قال لی ان رقیبی سیئ الخلق فداره : قلت دعنی وجهک الجنة حفت بالمکاره :

محبوب نے مجھ سے کہا کہ میرا رقیب بداخلاق ہے پس تو اسکی تواضع کر میں نے کہا کہ مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دیئے (اے ممدوح) تیرا چہرہ تو جنت ہے جس کو مشقتوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔

اس شعر میں الجنت حفت بالمکارہ حدیث سے لیا گیا ہے حدیث میں آتا ہے حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشھوات کہ جنت کو تکالیف سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور جھنم کو خواھشات سے۔ تو اے ممدوح تیرے چہرے کو طلب کرنے والے کو بھی مشقتوں کا برداشت کرنا لازمی ہے جیسا کہ طالب جنت صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، جھاد کی مشقتوں کو برداشت کرتا ہے۔

وھو ضربان الخ..... یہاں سے مصنفؒ اقتباس کی اقسام بیان فرمارہے ہیں اور اِسکی دو قسمیں ہیں (۱) کہ لفظ مقتبس کو معنی اصلی سے منتقل نہ کیا جائے جیسے ماقبل والی امثلہ میں۔ (۲) کہ لفظ مقتبس کو معنی اصلی سے دوسرے معنی کیطرف منتقل کیا جائے جیسے ابن الرومی کا یہ قول۔

لئن اخطأتُ فی مدحک : مااخطأت فی منعی :

لقدأنزلت حاجاتی : بوادٍ غیر ذی زرعٍ :

اگر میں نے تیری مدح بیان کرنے میں غلطی کی ہے تو مجھے نہ دینے میں تو نے کوئی غلطی نہیں کی تحقیق میں نے اپنی حاجات کو اتار دیا ایک ایسی وادی میں جسمیں کوئی خیر نہیں ہے

اسشعر میں بوادٍ غیر ذی زرع اللہ تعالیٰ کے قول ربنا انی اسکنتُ من ذریتی بوادٍ الخ..... سے لیا گیا ہے لیکن اسکا معنی قرآن میں اس وادی کے ہے جسمیں آب وگیاہ نہ ہو اور ابن الرومی نے اس کو معنی اصلی سے منتقل کرکے اس وادی کے معنی میں لیا جسمیں خیر نہ ہو۔

ولاباس بتغیر الخ..... لفظ مقتبس میں وزن یا قافیہ کے اعتبار سے تھوڑا سا تغیر کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں ہے جیسے اہل مغرب اپنے کسی دوست کے وفات کیوقت کہتے ہیں۔

قدکان ماخفتُ ان یکونا : انّاالی اللہ راجعونا :

تحقیق وہ ہو ہی گیا جس کے ہونے سے میں ڈرتا تھا بے شک ہم سب کو اللہ کی طرف

لوٹ کر جانا ہے اور قرآن میں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ہے۔

واما التضمین الخ.....[۲] تضمین کی تعریف: کہ شاعر کا شعر کسی غیر کے شعر کو متضمن ہو چاہے ایک شعر ہو یا اس سے زیادہ یا ایک مصرع ہو یا اس سے کم اور تنبیہ بھی کی جائے اس پر کہ یہ غیر کا شعر ہے۔ اگر بلغاء کے ہاں مشہور نہ ہو جیسے علامہ حریری کا یہ قول جسمیں وہ اس غلام کے قول کی حکایت کرتے ہے جس کو ابوزید نے فروخت کرنے کیلئے پیش کیا تھا۔

علیٰ انی سأنشد عند بیعی : اضاعونی وایّ فتیً اضاعوا :

علاوہ اسکے عنقریب میں اپنے فروختگی کے وقت یہ پڑھوں گا کہ انہوں نے مجھے ضائع کیا اور انہوں نے کیسے اچھے نوجوان کو ضائع کیا ہے۔ تو اس شعر میں مصرع ثانی عبداللہ بن عمر بن عثمان العرجیؒ کا ہے اور اسکا دوسرا مصرع یہ ہے لیوم کریھۃ وسداد ثغر عین لڑائی کیوقت اور ملک کے سرحدات کی حفاظت کیوقت انہوں نے مجھے ضائع کیا۔

وتضمین المصراع بدون التنبیه الخ.....اور بغیر تنبیہ کے تضمین مصرع کی مثال اسکے مشہور ہونے کی وجہ سے جیسے شاعر یہ قول۔

قدقلتُ لما اطلعت وجناته : حول الشقیق الغضّ روضة آس :

اعذاره الساری العجول تُوقفاً : مافی توقفک ساعةً من بأس :

تحقیق میں نے کہا اس وقت جب اگا دیا اسکے رخساروں نے ہرے بھرے شقیق کے اردگرد چنبیلی کے باغ کو اے سیاہی مائل جلد باز رخسار ذرا توقف کر اور ٹھہر اسلئے کہ تیری تھوڑی دیر ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس شعر میں مصرع ثانی ابوتمام کا ہے اور اسکے مشہور ہونے کی وجہ سے شاعر نے اسکی طرف تنبیہ نہیں فرمائی۔

واحسن مازاد علی الاصل الخ.....اور بہترین تضمین وہ ہے کہ جو اصل پر یعنی شاعر اول کے شعر پر زائد ہو کسی نکتہ کیساتھ یا توریہ کی وجہ سے یا تشبیہ کی وجہ سے جیسے شاعر کا یہ قول۔

اذا الوهم ابدیٰ لی لماها وثغرها : تذکّرتُ مابین العذیب وبارق :

یذکّرنی من قدّها ومدامعی : مَجَرَّ عوالینا ومَجری السّوابق :

جب وہم نے ظاہر کیا میرے لیئے محبوبہ کے ھونٹوں کی سرخی کو اور اسکے دانتوں کی چمک کو تو میں نے یاد کیا ان حالات کو جو عذیب اور بارق کے درمیان تھے اور وہ وہم مجھے یاد دلاتا اس محبوبہ کے قد کو جو نیزے کیطرح ناز سے حرکت کرتا ہے اور وہ وہم یاد دلاتا ہے مجھے میرے ان آنسوں کو جو تیز رفتار گھوڑوں کی دوڑ کیطرح تیزی سے بہتے ہے۔ تو یہ اشعار متنبی کے ہے اور وہ لوگ عذیب اور بارق کے درمیان اترتے تھے اور وہاں گھوڑ دوڑ نیزہ زنی اور تلوار زنی میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے لیکن شاعر ثانی نے عذیب سے عذب کے تصغیر کا ارادہ کیا یعنی محبوبہ کے ھونٹوں کا اور بارق سے اسکے دانتوں کے چمک کا اور جو عذیب اور بارق کے درمیان ہے اس سے محبوبہ کے تھوک کا ارادہ کیا اور یہ توریہ کھلاتا ہے اور محبوبہ کے قد کو تشبیہ دی شاعر ثانی نے نیزے کے ناز سے حرکت کرنے کیساتھ اور مسلسل اپنے آنسوں کے بہنے کو تشبیہ دی تیز رفتار گھوڑوں کے مقدار کیساتھ۔

ولایضر فی التضمین التغییر الخ..... جسنے تضمین کا ارادہ کیا تو اسمیں تھوڑا تغییر کرنا نقصان دہ نہیں تاکہ وہ تغییر معنی کلام میں داخل ہو جائے جیسے شاعر کا یہ شعر جو اس نے اس یہودی کے بارے میں پڑھا تھا جسکو داء الثعلب کی بیماری لاحق ہوئی تھی (وہ بیماری جسکی وجہ سے بال جھڑ جاتے ہیں)۔

اقول لمعشر غلطوا وغضوا : من الشیخ الرشید وانکروہ :

ھو ابن جلا وطلاع الثنایا : متی یضع العمامۃ یعرفوہ :

میں یہودیوں کی اس جماعت سے کہہ رہا ہوں جنہوں نے غلطی کی اور آنکھوں کو بند کیا اس شیخ سے جو حق پر ہے اور اسکا انکار کیا وہ بیٹا ہے اس کا جسکا امر واضح ہے اور مصائب پر قابو پانے والا ہے اور جب وہ اپنی عمامہ کو رکھتا ہے تو تم اس کو پہچان لیتے ہو۔ تو اس مثال میں شعر ثانی سحیم بن وثیل کا ہے اور وہ انا ابن جلاء تکلم کے صیغہ کیساتھ تھا پس شاعر ثانی نے اسمیں تفسیر کر کے غائب کے صیغہ کیساتھ ذکر کیا تاکہ مقصود میں مکمل طور پر داخل ہو جائے۔

وربما یسمی تضمین البیت الخ...... اور ایک شعر یا ایک سے زائد اشعار کے تضمین کو استعانت کہتے ہیں اور مصرع اور مصرع سے کم کے تضمین کو ایداع

اور رفو کہتے ہیں۔

واما العقد الخ......[۳] کہ جسمیں نثر کو نظم کیا جائے لیکن اقتباس کے طریقے پر نہیں جیسے ابو عتاھیہ کا شعر۔

مابال من اوله نطفة : وجيفة اخره يفخر :

کیا حال ہے اسکا جسکی ابتداء تو نطفہ سے ہے اور آخر کے اعتبار سے مردہ پھر بھی فخر کرتا ہے یہ شعر دراصل حضرت علیؓ کے قول کا عقد ہے وہ یہ ھیکہ۔ ما لابن ادم والفخر وانما اوله نطفة واخره جيفة : انسان اور فخر کے درمیان کیا نسبت بے شک وہ تو ابتداء میں نطفہ ہوتا ہے اور آخر میں مردہ۔

واما الحل الخ......[۴] حل کہتے ہیں کہ نظم کو نثر کیا جائے اسطور کہ وہ مقبول ہو اور اسکا اسلوب پسندیدہ ہو اور اسلوب نظم سے حسن میں کم نہ ہو اور یہ کہ مقتضاء حال کے مطابق ہو اور اسمیں اضطراب بھی نہ ہو جیسے اہل مغاربہ کا یہ قول۔ فانه لما قبحت فعلاته وحنظلت نخلاته لم يزل سوء ظنه يقتاده ويُصدق توهمه الذى يعتاده پس جب اسکے افعال برے ہوگے اور ان کے کھجوروں کے پھل یعنی انکے افکار حنظل درخت کی طرح کڑوے ہوگئے تو برا گمان ان کی قیادت کرنے لگا اور وہ تصدیق کرنے لگا اپنے توھمات کی جسکا وہ عادی ہے۔ یہ دراصل متنبی کے شعر کا نثر ہے وہ شعر یہ ھیکہ

اذاساء فعل المرء سائت ظنونه : وصدق مايعتاده من توهم :

جب آدمی کے افعال برے ہوجاتے ہیں تو انکے گمان بھی برے ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے معتاد توھمات کی تصدیق کرنے لگتا ہے۔

واما التلميح الخ......[۵] یہاں سے مصنفؒ تلمیح کی تعریف بیان فرمارہے ہیں کہ کلام کے درمیان کسی قصہ یا شعر یا کسی کھاوت کی طرف اشارہ کیا جائے اس کو ذکر کیئے بغیر اسکی کل چھ قسمیں ہیں۔ اسلئے کہ تلمیح یا تو نظم میں ہوگا یا نثر میں اور ان دونوں میں مشار الیہ یا تو قصہ ہوگا یا شعر ہوگا یا کھاوت ہوگا تو یہ چھ اقسام بنتے ہیں لیکن کتاب میں صرف دو مذکور ہیں۔ (۱) جسمیں مشار الیہ قصہ ہو (۲) جسمیں مشار الیہ شعر ہو۔ [۱] پہلی کی مثال جیسے

ابو تمام کا یہ شعر۔

فواللہ مادری احلام نائم : المّت بنا ام کان فی الرکب یوشع :

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ سونے والے کے خواب ہم پر اتر چکے ہیں یا قافلہ میں یوشع بن نونؑ موجود ہے شاعر نے اس شعر میں یوشعؑ کے قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسکے سورج کے رکنے کی طرف جسطرح کہ روایات میں آیا ھیکہ انہوں نے جمعہ کے دن جبابرہ سے قتال کیا پس جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو وہ اسبات سے ڈرے کہ کہیں سورج غروب نہ ہو جائے اسلئے کہ اگر سورج غروب ہوا اور ہفتہ کی رات داخل ہوئی تو ان کیلئے کافروں سے لڑنا حرام ہوگا تو انسے اللہ سے دعا کی چنانچہ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا یہاں تک کہ وہ ان کے قتال سے فارغ ہوئے اور فلسطین فتح ہوا۔

شعر کا شان ورود: شاعر نے کوچ کرنے والے دوستوں کیساتھ اپنے ملاقی ہونے کو اور رات کی تاریکی میں محبوب کے سورج جیسے چہرے کے طلوع ہونے کو اس شعر میں ذکر کیا ہے اور پھر اپنے آپ کو جاہل بنا کر حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کوئی خواب ہے جو میں دیکھ رہا ہوں یا قافلہ میں حضرت یوشع بن نونؑ تشریف لائے کہ انکی دعا کی برکت سے سورج کو روک دیا گیا۔[۲] دوسری کی مثال جسمیں شعر کی طرف اشارہ ہو جیسے۔

لعمرو مع الرّمضاء والنار تتلظّی : ارقّ واخفی منک فی الساعة الکرب :

البتہ عمرو گرم زمین کیساتھ اور آگ بھڑکتی ہوئی زیادہ نرم اور زیادہ مہربان ہے تجھ سے مصیبت کیوقت۔ اس شعر میں ایک اور مشہور شعر کی طرف اشارہ کیا ہے شاعر نے اور وہ یہ ھیکہ۔

المستجیر بعمرو عند کربته : کالمستجیر من الرّمضاء بالنار :

عمرو کی پناہ لینے والا اور اس سے مدد طلب کرنے والا مصیبت کے وقت اس شخص کی طرح ہے جو گرم زمین سے بھاگ کر آگ کی پناہ لے۔

شان ورود: کہ بسوس نامی عورت مکہ سے مدینہ منورہ اپنی بہن ہبلہ کی زیارت کرنے کیلئے آئی جو جساس بن مرہ کی ماں تھی جساس بن مرہ بکر بن وائل کے قبیلہ سے تھا اور کیلب بنو تغلب کے باعزت لوگوں میں سے تھا چنانچہ جساس کی خالہ مکہ سے اپنے پڑوس کی اونٹنی کو عاریۃً لیکر آئی تھی مدینہ کے اطراف میں ساری جائیداد کلیب کی تھی اور اس

جائیداد میں جساس اور کلیب کے اونٹ چرا کرتے تھے اگلے دن جساس کے اونٹوں کیساتھ اسکے خالہ کی اونٹنی بھی نکلی کلیب نے اجنبی سمجھ کر اسکو تیر مارا چنانچہ اسکے تن خراب ہو گئے چنانچہ جساس کی خالہ نے آہ وبکا شروع کر دیا جساس نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں آپ کے اونٹنی کے بدلہ میں ان کے بہتر اونٹ کو ماروں گا چنانچہ جساس کلیب کا پیچھا کرتا رہا ایک مرتبہ وہ جنگل کی طرف نکلا جساس نے اسکا پیچھا کیا اور اسکو نیزہ مارا سواری سے گرادیا کلیب نے گرنے کے بعد جساس سے پانی مانگا تو پلا دیجئے جساس نے کہا کہ پانی تو میں پیچھے چھوڑ کر آیا اسکے بعد عمرو بن الحارث آیا چنانچہ کلیب نے اس سے پانی مانگا عمرو بن الحارث اپنے گھوڑے سے اتر کر اسکے سینے پر چڑھا اور اسکو قتل کیا اس موقع پر کسی نے یہ شعر پڑھا۔

فصل : خاتمہ کا یہ فصل حسن ابتداء، تخلص، اور حسن انتهاء کے بیان میں ہے متکلم کو چاہے وہ شاعر ہو یا ناثر ہو چاہے وہ کاتب ہو یہ کہ وہ اچھے طریقہ اختیار کرے تین جگہوں پر تا کہ وہ تینوں جگھیں الفاظ کے اعتبار سے شیریں ہو یعنی تنافر اور ثقل سے بہت ہی دور ہو اور نظم کے اعتبار سے اچھا ہو اور معنی کے اعتبار سے درست ہو ان تین میں سے پہلی جگہ حسن ابتداء ہے۔[۱] ابتداء میں اچھا طریقہ اختیار کرنا اسلئے ضروری ھیکہ سامع کے کان میں سب سے پہلے یہی پڑتا ہے پس اگر یہ ابتداء شیریں ہو نظم کے اعتبار سے اچھا ہو اور معنی کے اعتبار سے درست ہو تو سامع باقی کلام کے سننے کیطرف متوجہ ہوگا ورنہ اسکے سننے سے اعراض کریگا جیسے احتباء اور ان کے گھروں کی یاد میں امرأالقیس کا شعر

قفانبک من ذکری حبیب ومنزل : بسقط اللّوی بین الدخول فحومل :

ذرا ٹھہر جائیے تا کہ ہم محبوب اور اسکے گھر کی یاد میں خوب جی بھر کر روئے جو دخول اور حومل کے درمیان ریت کے ٹیلے کے موڑ پر واقع ہے۔مثال ثانی امکنہ میں جیسے شاعر کا یہ شعر۔

قصر عایه تحیةٌ وسلامٌ : خلعت علیه جمالها الایامُ :

اس مکان پر تحیہ وسلام ہو جس پر زمانے نے اپنا لباس حسن اتار کر ڈال دیا ہے۔

وینبغی الخ.....اور متکلم کو چاہیئے کہ وہ ابتداء میں مدح وثناء کے اندر بدفالی کے اشیاء سے اجتناب کرے جیسے ابن مقاتل الضریر کے قصیدے کا یہ مطلع جو اس نے داعی علوی کے سامنے پڑھا تھا۔موعدُ احبابک بالفرقة غداً : کہ تیرے احباب کے ملنے کی جگہ

کل کو مقام فرقد ہوگا۔ تو داعی علوی نے ابن مقاتل سے کہا کہ اے اندھے وہ تیرے احباب کے ملنے کی جگہ ہوگا اور تیرا حال بُرا ہوگا۔

واحسن ماناسب المقصود الخ..... بہترین حسن ابتداء وہ ہے جو مقصود کے مناسب ہو کہ جسمیں اس چیز کی طرف اشارہ کیا جائے جسکے لیئے کلام کو لایا گیا ہو اور جو ابتداء مقصود کی مناسب ہو اس کو براعت استھلال کہتے ہیں جیسے ابو محمد خازن کے قصیدہ کا مطلع جسمیں وہ صاحب ابن عباد کو اسکے نواسے کی پیدائش پر اسکو مبارکباد دے رہا ہے۔

بشری فقدانجزالاقبال ماوعدا : وکوکب المجدفی افق العلی صعدا :

خوشخبری کی بات کہ تحقیق نصیب اور مقدر نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کردیا اور بزرگی کا ستارہ آسمان کی بلندیوں پر چڑھنے لگا۔ اور مرثیہ میں ابوالفرج الساوی کا یہ شعر جو اس نے فخر الدولہ کے مرثیہ میں کہا تھا۔

ھی الدنیاتقول بملأفیھا : حذارحذارمن بطشی وفتکی :

وہ دنیا بلند آواز سے یہ صدائیں لگاتی ھیکہ بچو بچو میری سخت پکڑ سے اور میرے اچانک قتل کردینے سے۔

وثانیھا التخلّص الخ...... [۲] ان تین مقامات میں سے جسمیں متکلم کو اچھے سے اچھا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے دوسرا تخلص ہے ۔ تخلص کہتے ہیں کہ جس کلام کو شروع کیا گیا ہے جیسے وصف جمال اوصاف ادبیہ شکایت اور مدح وثناء وغیرہ سے مقصود کی طرف نکلنا اس طور پر کہ دونوں میں مناسبت کو برقرار رکھا جائے مثال التخلص جیسے ابوتمام کا یہ شعر عبداللہ بن طاہر کے مدح وثناء میں۔

یقول فی قُومَس وقداخذت :: منا السریٰ وخطی المھویة القود :

مطلع الشمس تبغی أن تؤم :: کلاولکن مطلع الجود :

میری قوم نے مقام قومس میں کہا کہ اسحال کہ ہم زیادہ دیر رات کو چلنے کی وجہ سے اور تیز رفتار اونٹوں کی رفتار سے متاثر تھے کیا تو مطلع الشمس کو چاہتا ہے یہ کہ وہ ہمارے ساتھ ساتھ چلتا رہے پس میں نے کہا کہ ہرگز نہیں بلکہ میں تو مطلع الجود کو چاھتا ہوں تو اس شعر میں مطلع الشمس سے مطلع الجود کیطرف انتقال کا ارادہ کیا گیا ہے اور کبھی جس چیز کیساتھ

کلام کا آغاز کیا گیا ہے اس سے اس چیز کی طرف انتقال ہوتا ہے کہ اس مقصود ماشبب بہ الکلام میں مناسبت موجود نہ ہو انتقال کے اس قسم کو اقتضاب کہتے ہیں اور یہ اقتضاب جاھلیت کے شعراء اور مخضر مین شعراء کا یہ مذھب ہے جیسے ابوتمام شاعر کا یہ شعر۔

لو رأی اللہ انَّ فی الشیب خیراً :: جاورتہُ الابرار فی الخلد شیباً :
کل یوم تبدی صروف اللیالی :: خُلقاً من ابی سعید غریباً :

اگر اللہ تعالی بڑھاپے میں خیر و بھلائی دیکھتے تو اسکے پڑوسی جنت میں نیک لوگ بوڑھے ہوتے ہر روز حوادثات زمانہ ظاہر کرتی ہے ابوسعید سے عجیب و غریب اخلاق کو۔

ومنہ مایقربُ من التخلّص الخ.....اور اقتضاب کی اقسام میں سے ایک قسم یہ ھیکہ جو تخلص کے قریب ہو جیسے حمد و صلوۃ کے بعد تیرا اما بعد کھنا یہ من وجہ تو اقتضاب ہے اسلئے کہ اسمیں حمد و صلوۃ سے انتقال ہے ایک غیر مناسب کلام کی طرف البتہ یہ تخلص کے مشابہ ہے اسلئے کہ متکلم اچانک ایسا دوسرا کلام نہیں لیکر آئے جسمیں کلام ماقبل سے ربط و تعلق کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ اسمیں ایک قسم کے ربط و تعلق کا ارادہ کیا گیا ہے اس طور پر کہ یہ شرط و جزاء کی صورت میں یعنی۔ مہمایکن من شی بعد الحمد و الثناء فانہ کان کذا کذا :

وقیـــــل الخ.....بعض حضرات کھتے ہیں کہ حمد و صلوۃ کے بعد جو اما بعد کا لفظ ہے یہ فصل خطاب ہے علامہ ابن الاثیر اور علماء بیان میں سے محققین یہ کھتے ہیں کہ فصل خطاب اما بعد کا لفظ ہی ہے اسلئے کہ ہر مصنف مہتم بالشان کام کا آغاز اللہ پاک کے حمد و ثناء سے کرتا ہے پس جب حمد و صلوۃ سے نکلنے کا ارادہ کرے اس غرض و مقصد کی طرف جسکے لئے یہ کلام کو لایا گیا ہے تو اپنے کلام اور حمد و صلوۃ کے درمیان جدائی بیان کرنے کیلئے اما بعد کا لفظ لاتے ہیں۔

دوسری مثال یعنی اقتضاب جو تخلص کے قریب ہو کی مثال جیسے جو لفظ ھذا کیساتھ جیسے اللہ تعالی کا یہ قول مبارک ھـذا وانّ لـلطّغین لشرّ مابٍ تو یہ من وجہ تو اقتضاب ہے لیکن تخلص کیساتھ مشابھت رکھتا ہے اسلئے کہ یہاں پر ایک قسم کا ربط موجود ہے کیونکہ واؤ حالیہ ہے۔

ومنہ قول الکاتب الخ....کاتب یہ قول جب وہ ایک حدیث سے دوسری حدیث

کیطرف منتقل ہونا چاہئے هذا بابٌ یہ بھی من وجہ اقتضاب ہے لیکن تخلص کیساتھ مشابھت موجود ہے بوجہ ربط کے موجود ہونے کے اس طور پر کہ کاتب نے دوسری حدیث کو اچانک شروع نہیں کیا۔

وثالثها الانتهاء الخ....[۳].اوران مواضع میں سے جہاں متکلم کو اچھے سے اچھا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تیسری جگہ انتهاء حسن ہے اسمیں اچھا طریقہ اختیار کرنا اسلئے ضروری ہے کہ یہ کلام کا وہ آخری حصہ ہے جس کو سامع محفوظ کرتا ہے اور اسکے دل پر نقش ہوتا ہے اگر یہ اچھا اور دل پزیر ہوگا یہاں تک کہ سامع اس کو قبول کریگا اور ماسبق کوتاهیوں کو بھی پورا کریگا ورنہ معاملہ اسکے برعکس ہے انتهاء حسن کی مثال جیسے شاعر کا یہ شعر۔

وانی جدیراذبلغتک بالمنٰی :: وانت بماامَلت منک جدیر :

فان تولنی منک الجمیل فاهلهٗ :: والافانی عاذروشکور :

میں ان آرزوں میں کامیابی کالائق ہوں جوآرزوئیں میں تیرے پاس لیکر پہنچ گیا ہوں اور تو ان آرزوں کو پورا کرنے کالائق ہے جوآرزوئیں میں تم سے کرتا ہوں پس اگر تو مجھے دیکر مجھ پر احسان کرے تو تو اسکا اھل ہے ورنہ میں تجھے معذور جانوں گا اور تیرا شکر گزار ہونگا (میری مدح وثناء کو غور سے سننے کیوجہ سے یا عطایا سابقہ کیوجہ سے)

واحسنه الخ......بہتر حسن انتهاء یہ ھیکہ جو کلام کے انتهاء کی خبر دے یہاں تک کہ کسی کو مابعد کے سننے کا اشتیاق نہ رہے جیسے شاعر کا یہ شعر۔

بقیت بقاء الدهریاکهفُ اهلهٖ :: وهذادعاء للبریّةشامل :

اے ممدوح تو باقی رہے جب تک زمانہ باقی رہےاے زمانے کی جائے پناہ اور یہ دعا ساری مخلوق کو شامل ہے تو اس شعر میں دعا سے اسبات کی طرف اشارہ ھیکہ یہ کلام کی انتهاء ہے اسلئے کہ دعا بھی آخر میں ہوتا ہے۔

وجمیع فواتح السّور الخ......یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرمار ہے ھیکہ قرآن کے تمام سورتوں کے فواتح اور خواتم بلاغت کے احسن اور اکمل وجوہ پر وارد ہیں اسلئے کہ اسمیں قسم بہ قسم کی اشیاء اور عبارات ہیں اور انواع اشارات اور دعائیں اور وصیتیں اور مواعظ وتحمیدات ہیں اسلئے کہ یہ اپنے محل پر واقع ہے اور یہ کیوں اپنے محل پر واقع نہ ہو اسلئے کہ یہ

کلام خداوندی ہے جو بلاغت وفصاحت کے بلندیوں پرواقع ہے اوراس کلام نے بڑے فصحاء وبلغاء کوچلنج کر کے عاجز اور گھونگا بنادیا لیکن یہ معنی چونکہ بعض ذھنوں پرمخفی ہے اسلئے کہ بعض خواتم اورفواتح میں بڑے ھولناک مناظراللہ نے ذکر کیئے ہیں اور کفار کے احوال کو۔اسلئے مصنفؒ نے اس خفاء کودورکرنے کیلئے اپنے اس قول سے اشارہ کیا کہ قرآن کے سورتوں کے فواتح اور خواتم بلاغت کے احسن اوراکمل وجوہ پروارد ہے یہ غوروفکر کے ذریعہ ظاہر ہوسکتا ہے لیکن اس شرط کیساتھ کہ وہ وصول وقواعد بھی یاد ہوجن کومذکورہ فنون ثلثہ میں بیان کیاجاچکا ہے۔

تم الکتاب بالیل الجمعة بفضل الله الّذی لم یکن له شریک فی الملک ولم یکن له ولیّ من الذلّ الایه

جمعۃ المبارک ۲ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ.......... جمعۃ المبارک 26 جنوری 2012ء

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اسکواپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں (آمین ثم آمین)
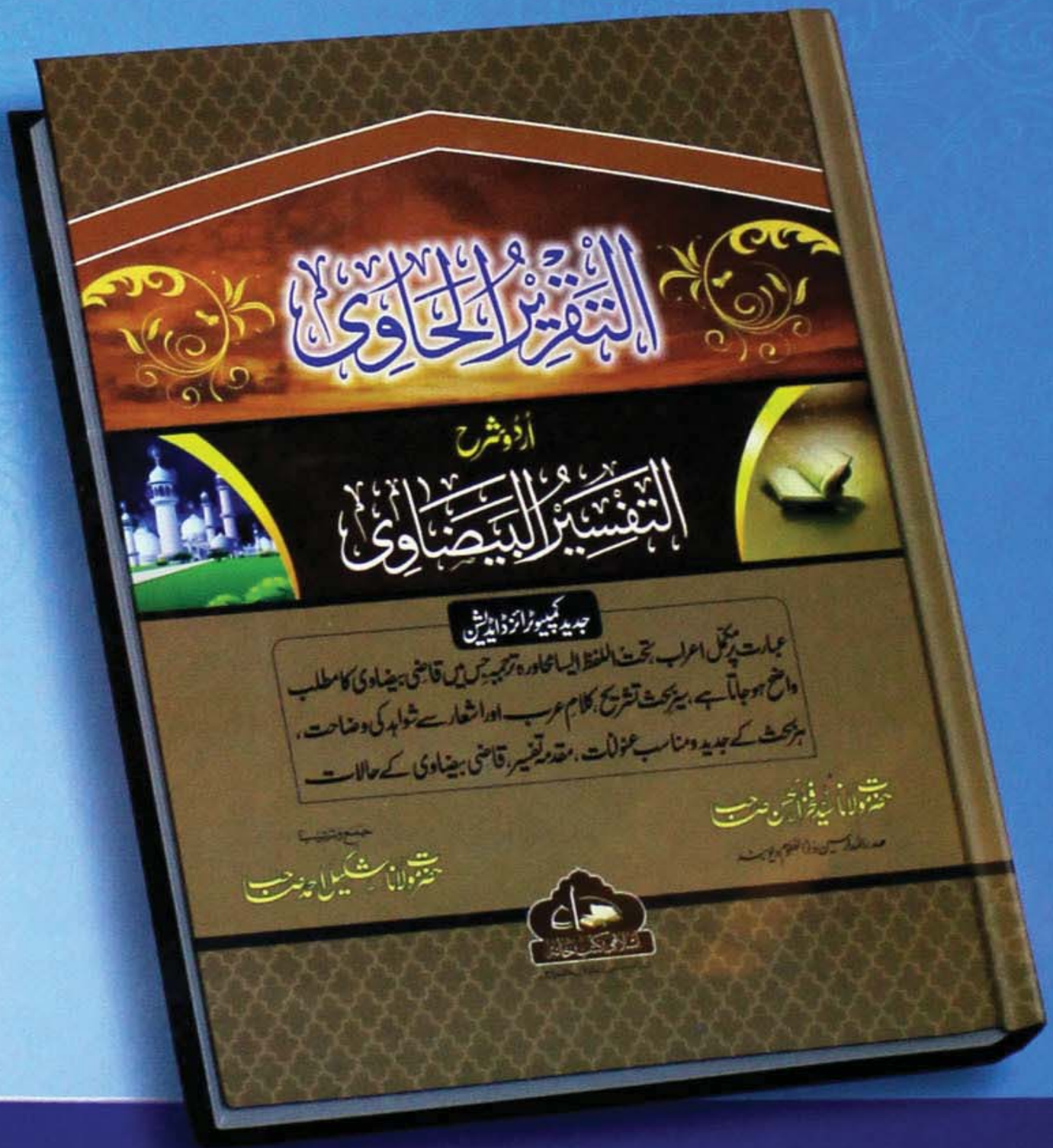
ناشر
اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون: 02134927159